محمد
پروفیسر سیف اللہ خالد

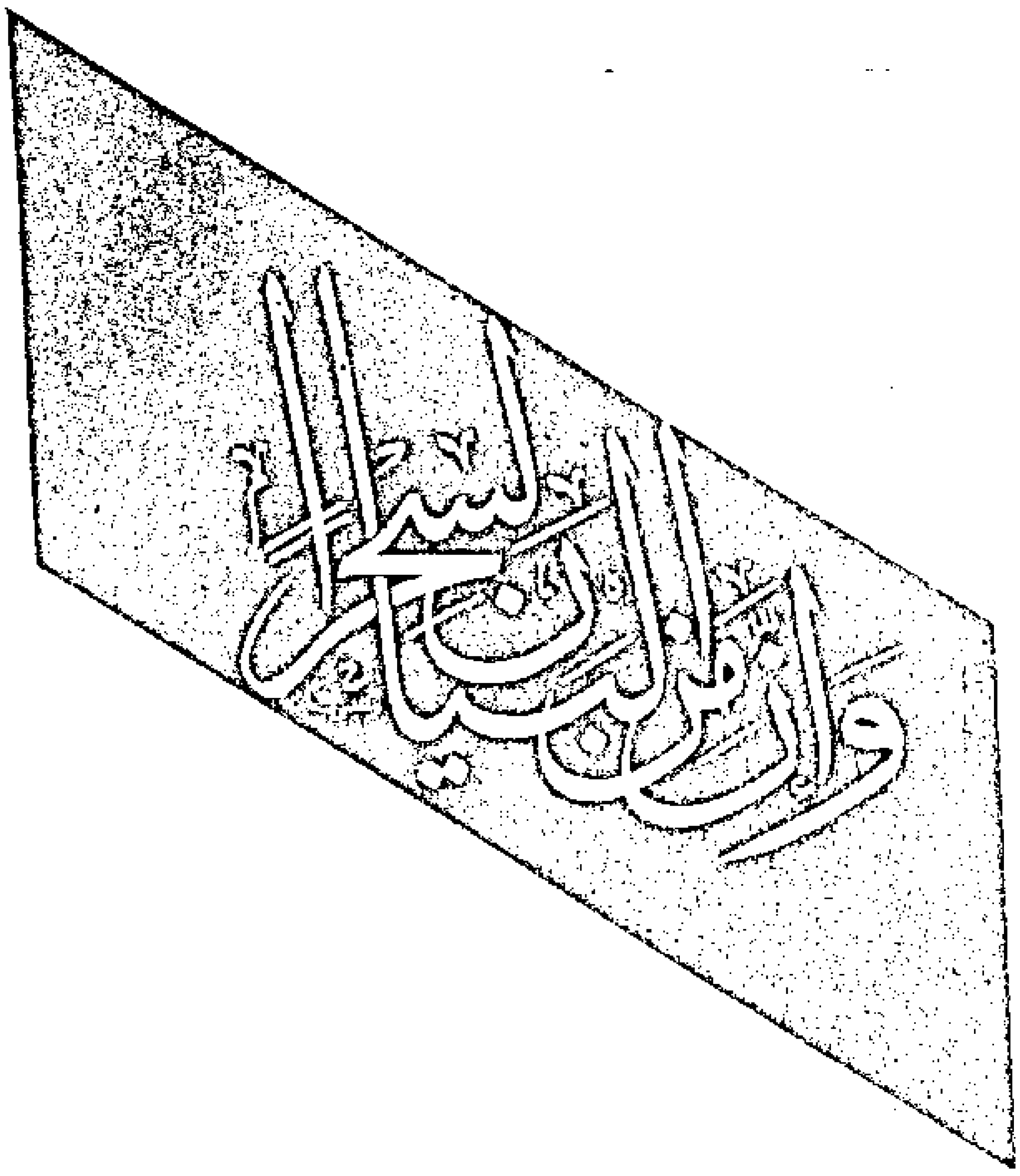

کبھی تو ہوں گے نمودار خواب صبحوں کے
مہک اٹھیں گے کبھی تو گلاب چہروں کے
مہ و نجوم کی صورت خلا کی رونق ہیں
ہوا کے دوش پہ روشن چراغ لفظوں کے

بشکریہ ـــــ ریڈیو پاکستان

Marfat.com

# محراب

## نشری تقریریں

پروفیسر سیف اللہ خالد

شفیق پبلیکیشنز شفیق بک سنٹر

چوک گڑھی شاہو لاہور-۳۹۔ فون: ۶۳۰۴۷۶۱

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

زبیر احمد
نے
شفیق پبلیکیشنز
سے شائع کی!

۲۱۷-۰۹
P 96
141044

شفیق پبلیکیشنز


| | |
|---|---|
| اشاعت اوّل | رمضان المبارک جنوری ۱۹۹۸ء |
| اہتمام | عزیر احمد |
| سرورق | اُستاد ذاکر |
| خطاطی | سیّد خالد ممتاز |
| طباعت | شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور |
| تعداد | ۱۰۰۰ |
| قیمت | ۴۰/۲ روپے |

اسٹاکسٹ!

○ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔ ○ جہانگیر بک ڈپو، اردو بازار، لاہور۔
○ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار، لاہور۔ ○ اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور۔
○ اشرف بک ایجنسی، کمیٹی چوک راولپنڈی۔ ○ ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی۔
○ ضیاء القرآن، گنج بخش روڈ، لاہور۔


Marfat.com

نذرِ عقیدت

بحضورِ سرورِ کونین

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ازل ابد کا جواز اُن سے ، زماں، مکاں کا گداز اُن سے
بس اپنی رسمِ وفا پرکھنا ، بس اپنا رنگِ صدا بدلنا!

Marfat.com

# سیفُ اللہ خالد

ایم اے ــــ اردو • ایجوکیشن
استاذِ ادبیاتِ اُردو
گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز ــــ لاہور

## تصانیف :

شاعری • ریشم جیسے خواب
• کبھی تو چاند نکلے گا !
تنقید • پاکستان میں اُردو ادب کے پچاس سال
نثری تقاریر • محراب

## زیرِ ترتیب :

تحقیق • اقبالؒ کے خواب
نثری تقاریر • ہوا کی ہتھیلی پر چراغ
تنقید • سات رنگوں کا دھیان
• دیدبان

Marfat.com

# ترتیب


قندیلِ نور ــــ پروفیسر عبدالجبّار شاکر — ۹

اعزاز ــــ زبیر احمد — ۱۳

قرآن

۱۔ الکتاب — ۱۷

۲۔ البرہان — ۲۱

۳۔ قرآن ــــ نصابِ حیات — ۲۴

۴۔ قرآن اور عقل و شعور — ۲۹

۵۔ قرآن اور علمی انقلاب — ۳۴

۶۔ قرآن اور سائنسی تحقیق — ۳۹

رسولؐ

۱۔ رہبرِ صراطِ مستقیم — ۴۷

۲۔ ابلاغ کا نبوی معیار — ۵۳

۳۔ دین کی بنیاد ــــ وحی و نبوت — ۶۰

۴۔ سنّت ــــ سرچشمۂ ہدایت — ۶۴

۵۔ سنّت و سیرت، ضامنِ ایمان — ۶۹

۶۔ طائف ــــ بارشِ سنگ، دعا کے پھول — ۷۳

۷۔ وادئ عُقبہ میں نور کی ندی — ۷۸

۸۔ غزوۂ بدر ــــ اوّلین معرکۂ حق و باطل — ۸۳

۹۔ حضرت خبیبؓ کا قاتل اور شانِ رحمت — ۸۷

۱۰۔ اہلِ خیبر کے ساتھ معاہدہ — ۹۴

۱۱۔ تاریخِ عالم کا ایک انقلاب آفریں باب ــــ فتحِ مکہ — ۹۸

۱۲۔ اہلِ نجران کے ساتھ معاہدہ — ۱۰۳


Marfat.com

۱۳۔ بنو جُزام کے ساتھ معاہدہ ۱۰۷
۱۴۔ دخترِ حاتم طائی اور رحمتہؐ للعالمین ۱۱۱
۱۵۔ عدلِ رسالت مآبؐ ۱۱۵

## انسان

۱۔ عمرِ فاروقؓ ــــ وہ جنھیں مانگا گیا! ۱۲۱
۲۔ حضرت عمرِ فاروقؓ کا ورلڈ آرڈر ۱۲۷
۳۔ عدلِ فاروقی ــــ تاریخِ اسلام کا ایک زرّیں باب ۱۳۱
۴۔ کربلا ــــ ایثار و قربانی کی عظیم تمثیل ۱۳۵
۵۔ صبر و استقلال ــــ رسمِ شبّیری ۱۴۲
۶۔ حبیبِ رسول، زید بن حارثہؓ ۱۴۶
۷۔ اسلام کا بیٹا، سلمان فارسیؓ ۱۵۱
۸۔ تلمیذِ رسول، عبداللہ بن عمرؓ ۱۵۴
۹۔ ترجمانِ طریقت، شیخ فریدالدین مسعود گنجِ شکرؒ ۱۵۸
۱۰۔ صاحبِ سَیف و قلم، شاہ ولی اللہؒ ۱۶۲
۱۱۔ یادگارِ اسلاف، مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۶۷
۱۲۔ شیخ الاسلام علامہ شبّیر احمد عثمانیؒ ۱۷۱
۱۳۔ مجاہدِ ملّت مولوی تمیزالدین خان ۱۷۸
۱۴۔ اقبال کا مردِ مومن ۱۸۳

## اسلام

۱۔ تخلیقِ انسان کا مقصد ۱۸۹
۲۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق، انعامِ الٰہی ۱۹۳
۳۔ ایمان کی اوّلین اَساس ــــ توحید ۱۹۷
۴۔ بندگی کی معراج ــــ نماز ۲۰۲
۵۔ معاشی ترقی کا نقشِ اوّل ــــ زکوٰۃ ۲۰۶
۶۔ ماہِ صیام ــــ قرآنی انوار و تجلّیات کا امین ۲۱۱

Marfat.com

| | |
|---|---|
| ۷۔ رمضان المبارک ــــ نیکیوں کا موسمِ بہار | ۲۱۴ |
| ۸۔ حج ــــ عالمگیر اتّحاد کا منشور | ۲۱۷ |
| ۹۔ اسلام کا تصوّرِ آخرت | ۲۲۲ |
| ۱۰۔ دنیا میں آخرت کے گھر کی تیاری | ۲۲۵ |
| ۱۱۔ فتح و نصرت، جہادِ فی سبیل اللہ | ۲۲۸ |
| ۱۲۔ شجاعت و استقامت | ۲۳۲ |
| ۱۳۔ اللہ پر یقینِ کامل | ۲۳۵ |
| ۱۴۔ گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن | ۲۳۸ |
| ۱۵۔ اسلام، انسانی آزادی کا علمبردار | ۲۴۲ |
| ۱۶۔ فلاحِ معاشرہ کا اسلامی تصوّر | ۲۴۷ |
| ۱۷۔ اسلام اور حقوقِ انسانی | ۲۵۱ |
| ۱۸۔ سماجی تحفّظ، اسلام میں | ۲۵۷ |
| ۱۹۔ حقوق میں مساوات | ۲۶۱ |
| ۲۰۔ حُکّام اور عوام کے حقوق | ۲۶۵ |
| ۲۱۔ اقلّیتوں کے حقوق | ۲۶۸ |
| ۲۲۔ یتیموں کے حقوق | ۲۷۲ |
| ۲۳۔ ضرورت مندوں کی اعانت | ۲۷۶ |
| ۲۴۔ خدمتِ خلق | ۲۸۰ |
| ۲۵۔ اسلام اور امنِ عامہ | ۲۸۵ |
| ۲۶۔ اہلِ عدل کے فرائض | ۲۸۹ |
| ۲۷۔ اسلام کا قانونِ شہادت | ۲۹۳ |
| ۲۸۔ زمینوں کی آبادکاری | ۲۹۷ |
| ۲۹۔ افراط و تفریط سے اجتناب | ۳۰۲ |
| ۳۰۔ نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو | ۳۰۷ |
| ۱۳۔ احسان و تشکر | ۳۱۱ |
| ۳۲۔ احترامِ آدمیّت | ۳۱۵ |


Marfat.com

۳۳۔ فرض کی پہچان ۳۱۸
۳۴۔ ایفاءِ عہد ۳۲۱
۳۵۔ بغض و حسد سے پرہیز ۳۲۵
۳۶۔ ایک دوسرے سے اچھا بولو! ۳۲۸
۳۷۔ خوشی میں شکر، مصیبت میں صبر ۳۳۳
۳۸۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا! ۳۳۷
۳۹۔ ملّی اور قومی مفادات کا تحفظ ۳۴۰
۴۰۔ رواداری اور وسعت نظر ۳۴۴
۴۱۔ اجتماعی خیر کی طرف پیش قدمی ۳۴۸

استفادہ ___ کتابیات ۳۵۲

Marfat.com

# قندیلِ نور

علم و حکمت کا ایک بلند پایہ ذخیرہ ان مضامین اور تقاریر کی صورت میں ملتا ہے جسے ذرائعِ ابلاغ کے مختلف اور متنوّع اسالیب سے ہمیں پڑھنے، دیکھنے یا سننے کے مواقع ملتے ہیں۔ ان میں ہزارہا فن پارے وہ ہیں جنہیں ریڈیو پر متعدّد دانشوروں اور قلم کاروں نے پیش کیا اور پھر بردوشِ ہوا، لاکھوں سامعین نے انہیں سنا۔ ان میں سے کچھ آوازیں تو محض فضا میں تحلیل ہو جاتی ہیں لیکن بعض افکار و خیالات اپنی افادیت اور تاثیر کے باعث مدتوں دل و دماغ میں اپنی گونج پیدا کرتے رہتے ہیں۔ بعض اہلِ فکر و نظر کی ایسی ہی تخلیقات مرتّب ہو کر کتابی شکل میں منصّۂ شہُود پر آ چکی ہیں اور یوں ان کی مستقل اور دائمی افادیت کا سامان پیدا ہوا ہے۔

---

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں پروفیسر سیف اللہ خالد جیسے صاحب بصیرت ادیب، محقّق اور شاعر کی سینکڑوں نثری تقاریر سے اپنی سماعتوں کو خوش گوار کرنے کی سعادت ملی ہے۔ اب ان رشحاتِ فکر اور علمی جواہر پاروں کا دلکش انتخاب ایک قندیلِ نور کی صورت "محراب" میں آویزاں ہے ___ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار بگوید" ___ کے مصداق، قارئین مجھ سے اتفاق فرمائیں گے کہ یہ تقاریر جو ایک بالغ نظر محقّق، وسیع المطالعہ استاد اور کہنہ مشق قلم کار کی ریاضتوں کا حاصل ہیں، کسی رسمی ڈھنگ کی بجائے خونِ جگر میں انگلیاں ڈبو کر لکھی گئی ہیں ___ مجھے یقین ہے کہ جبینِ شوق اس "محراب" میں ناصیہ فرسائی کی لذّت سے لطف اندوز ہو گی۔

اس سبدِ گلچیں میں جو گلہائے فکر و عقیدت سجائے گئے ہیں، ان میں سے چھے ابتدائی مضامین، آخری الہامی ارمغاں ___ "الکتاب" کے ابدی موضوعات کی اس سرمدی تاثیر کو نمایاں کرتے ہیں جس کے بارے میں علاّمہ اقبال نے فرمایا تھا ___

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ للعالمین

Marfat.com

مؤلف نے ان تحریروں میں قرآنِ مجید کو نصابِ حیات اور آلۂ انقلاب قرار دیا ہے۔ اس صحیفۂ کائنات کی آیات انسانی عقل و شعور کے لیے ایک برہانِ قاطع کا درجہ رکھتی ہیں جس کی روشنی میں سفر کرتے ہوئے قافلۂ انسانیت رضائے الٰہی کی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ ہمیں فاضل مصنّف کے اس تجزیے سے اتفاقِ کامل ہے کہ دنیا کا فساد و انتشار اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک ہم اپنے افکار و تصوّرات کو کلام اللہ کے حکیمانہ اسلوب اور انقلابی منہج کے تابع نہیں کر دیتے۔

دوسرے باب کے مضامین تجلّیاتِ سیرت سے متعلق ہیں جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہونے کے باوجود فکری وحدت میں پروئے ہوئے ہیں۔ اس کائنات میں جملہ مخلوقات کی ہدایت کے لیے علمِ وحی کا سامان فراہم کیا گیا ہے مگر انسانیت کی فوز و فلاح کی خاطر، وحی کے ساتھ ساتھ نبوّت و رسالت کے منصب پر فائز ان عظیم حاملینِ مقام نبوت کو بھی مبعوث کیا گیا جو بے نظیر سیرت و کردار کی نورانی مشعلیں ہیں۔ اس سلسلۃُ الذہب کی تکمیل حضرت محمد مصطفٰیﷺ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے ساتھ ہو گئی اور عالمِ انسانیت کو صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے وہ مثالی اسوۂ کامل میسر آگیا جس کی چند جھلکیاں اس باب کے پندرہ مختلف شہ پاروں میں ملتی ہیں۔ لمعاتِ سیرت پر مشتمل یہ مضامین محض سوانحی کوائف ہی پیش نہیں کرتے بلکہ ان میں تعلیماتِ نبوی اور اسوۂ رسول ؐ کے بہت سے درخشاں پہلو بھی سمٹ آئے ہیں۔ پروفیسر صاحب کا قلم جذب و شوق میں ڈوب کر ایک ایسے اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے جس میں عقل و خرد کی فرزانگی، جذب و جنون کی سرمستیوں میں ڈھل جاتی ہے۔ اس موقع پر ہمیں علّامہ اقبال کا یہ پیغامِ سیرت یاد آنے لگتا ہے ـــــ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفٰیؐ است
آبروئے ما زنامِ مصطفٰیؐ است

در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہم چو او بطنِ امِ گیتی نزاد

یہ جرعاتِ سیرت آپ بھی نوشِ جاں کیجئے اور قلب و نظر کو سیرت کی ضَوفشانیوں سے منوّر کیجئے۔

Marfat.com

"محراب" کا ایک رخ اس قافلۂ انسانیت کی طرف بھی کھلتا ہے جو دین و شریعت' عرفان و تصوّف اور سیادت و سیاست کے رہنما خطوط مہیّا کرتا ہے۔ اس باب میں ان چودہ شخصیات کے بصیرت افروز اور حکمت آموز خاکے پیش کیے گئے ہیں جن کا کردار انسانی تاریخ کا سرمایۂ افتخار ہے۔ یہ ان اہلِ ایمان اور اربابِ وفا کا تذکرۂ صادق ہے جو اس کائنات کی ظلمتوں میں صورتِ خورشید زندہ رہے۔

"محراب" کا آخری باب اسلامی نظامِ زندگی کے رنگا رنگ اور متنوّع پہلوؤں کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس حصے کے اکتالیس مضامین اسلامی تعلیمات کے روشن پہلوؤں سے متعلّق ہیں۔ ان میں صرف اسلامی معلومات کی یکجائی پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح فکرِ امروز اور احوالِ فردا کی اصلاح سے بھی قائم کیا گیا ہے۔ یوں ان تقاریر اور خطبات کے مصنّف کا درجہ ایک مفکّر اور مصلح کا ہو جاتا ہے۔ ان عنوانات پر ایک سرسری سی اور طائرانہ نگاہ دوڑایئے تو آپ میرے ساتھ متّفق ہوں گے کہ اسلامی تعلیمات کی ابدیت' آفاقیت اور ہمہ گیری اتنی روشن اور قوی ہے کہ اقوامِ عالم جب تک اس جادۂ حیات پر گامزن نہیں ہوتیں' ان کا امروز اور فردا' بدستور خدشات اور ہلاکت کا سامنا کرتا رہے گا!

ہم پروفیسر سیف اللہ خالد کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے سال ہا سال پر محیط ان نشریوں کے انتخاب کو ایک کتاب کی جامع اور مؤثر شکل عطا کی ہے جس سے متعیّن موضوعات پر یہ منضبط افکار' تشنگانِ ہدایت کے لیے منبعِ فیض اور چشمۂ حکمت ثابت ہوں گے' انشاء اللہ! ـــــ میں اس خزینۂ معارف کی قبولیت اور تاثیر کے لیے دعاگو ہوں!

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانئ صحرا نوشتہ ایم

پروفیسر عبدالجبّار شاکر

ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب ـــــ لاہور

Marfat.com

# اعزاز

مسجدِ نبوی کی پُر شکوہ محرابوں کو دیکھتے ہوئے عاجز کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ ربُّ العزت مجھے کوئی ایسی دینی کتاب شائع کرنے کی توفیق بخشیں جو توشۂ آخرت بننے کے ساتھ ساتھ قبولیتِ عام کی منازل بھی طے کرے۔

**"محراب"** —— پروفیسر سیف اللہ خالد کی ان نشری تقاریر، مقالات اور فیچرز کا ایک رُوح پرور انتخاب ہے جنہیں موصوف نے گذشتہ دس سال کے دوران میں، ریڈیو پاکستان کے مختلف پروگراموں —— صراطِ مستقیم، محراب، سات رنگ، صدف، اور پاسباں وغیرہ کے تحت پیش کیا۔

اسلامی لٹریچر کے حوالے سے "محراب" ایک ایسی جامع اور منفرد تصنیف ہے جو طلبہ، اساتذہ، اہلِ دانش اور تمام تشنگانِ علم کو نورِ بصیرت عطا کرتی ہے!

آپکی خصوصی دُعاؤں کا طالب
آپکی خیر و عافیت کا مُتمنّی

زبیر احمد
—— ناشر

Marfat.com

# قرآن

روشنی! روشنی!

Marfat.com

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ
رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (المائدہ : ۱۵ - ۱۶)

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں' سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے۔

Marfat.com

# الکتاب

اشرف المخلوقات انسان کی ذات' روح وبدن کا خوشنما امتزاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان متضاد قوتوں کو نہ صرف ہم آہنگ کیا بلکہ نظامِ فطرت کے ذریعے ان کی بقا کا اہتمام بھی کیا۔ جسم کو رزق فراواں عطا کیا تاکہ اس کی نشوونما ہو اور اسے عالمِ اسباب کے رنگارنگ مظاہر سے طمانیتیں ملیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مشیتِ ایزدی نے انسان کی روحانی بالیدگی کا سامان بھی کیا اور اس کی باطنی تربیت کی تاکہ وہ عالمِ لاہوت کی لطافتیں کشید کر سکے۔ ربِ کریم نے "احسنِ تقویم" کی ان دونوں حاجات کا برابر خیال رکھا۔ پیکرِ خاکی چونکہ مادی وجود رکھتا ہے اس لیے اسے عالمِ آب وگِل کی سلطنت سونپی' وہ جب اور جیسے چاہے' اس سے ازخود بھرپور استفادہ کر سکتا ہے' لیکن اس کی روحانی زندگی کی نشوونما اور ہدایت کا ذمہ پروردگار نے خود لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ایک تو جبلّی طور پر مادیت کا اسیر ہے' دوسرے طبعاً ناقص الفہم ہے لہٰذا اسے ہستئ باری تعالیٰ کی رہنمائی درکار ہے۔ اس نے ہر عہد' ہر ملک اور ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے جو بدلتے ہوئے زمانی ومکانی تقاضوں کے مطابق آدم زاد کی روحانی غذا کا بندوبست کرتے رہے۔ تاآنکہ انسانیت شعوری طور پر بالغ ہو گئی۔ تب اسے رسولِ آخر الزّمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے قرآنِ مجید جیسے جامع دستور العمل سے نوازا گیا جو نوعِ بشر کے لیے رہتی دنیا تک ایک مستقل بالذّات ابدی ضابطۂ حیات ہے۔

قرآنِ ذی شان کا ظاہر تو کتابوں جیسا مگر باطن تمام کتابوں سے مختلف ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کا ظہور مدوّن حالت میں نہیں ہوا بلکہ اس کا مواد ریزہ ریزہ' موج موج' پے در پے تیئس برس میں مجتمع ہوا۔ اس کتاب کی فضا تو مذہبی ہے مگر یہ زندگی کے سبھی معاملات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے مضامین غیر مربوط اجزا کی طرح منتشر نظر آتے ہیں مگر

Marfat.com

انہوں نے اولادِ آدم کے فکرو عمل کو باقاعدہ بنانے کا اعجاز دکھایا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس پر گردشِ ایّام اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ یہ کبھی کمیاب ہوئی' نہ اس کا کوئی حرف ذہنوں سے محو ہو پایا۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کے ترجمان حضرت محمد ﷺ کو مروّج معنٰی میں نہ لکھنا پڑھنا آتا تھا' نہ انہوں نے اپنے دستِ مبارک سے کبھی کوئی آیت ہی قلمبند کی مگر اس امّیِ محترم ؐ نے حیات کے تمام کوائف اور مسائل پر بحث کی اور کائنات کے رازہائے سربستہ سے پردے اٹھا دیے۔ اس کتاب نے اپنے مخاطبین کی کایا پلٹ دی۔ انہیں ایسے رنگ میں رنگ دیا کہ اَن پڑھ لوگ اہلِ علم سے زیادہ باشعور بن گئے۔ غیر متمدّن لوگ شائستہ اطوار سے مالا مال ہو گئے اور خوابیدہ دلوں میں تلاطم برپا ہو گیا۔ علاّمہ اقبال نے اس کتاب کی انہی معجز نمائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا ___ ایں کتابے نیست چیزے دیگر است! ___ یعنی یہ عام کتابوں جیسی کتاب نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہے! یہ اپنے موضوع' مضمون اور مواد کے اعتبار سے نرالی شان رکھتی ہے۔ انسانی تصنیف کا نصاب متعیّن ہوتا ہے جس میں خیالات' معلومات اور دلائل کو ایک خاص ترتیب اور تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تاہم قرآن کا اسلوب قطعی جداگانہ ہے۔ اس کا انداز تحریری نہیں بلکہ خطابیہ ہے اور خطابت بھی ایسی جو قلب و ضمیر کا ماحول بدل کر رکھ دے۔ یہ کتاب محض علمی حقائق سے آگاہ نہیں کرتی بلکہ کردار کو نکھارتی ہے اور ان اخلاقی قدروں سے آشنا کرتی ہے جن سے روئے زمیں پر صالح انقلاب کی نمود ہو سکے۔

آخری صحیفۂ آسمانی ___ قرآن کسی ایسی تحریک کا داعی نہیں جو ایک دَور' ایک قبیلے یا ایک علاقے تک محدود ہو۔ اس کا مخاطَب چونکہ شش جہات کا دولھا' آدمی ہے' اس لیے اس نے رنگ و نسل اور زمان و مکان کی تمیز کیے بغیر تمام نوعِ انسانی سے اجتماعی لہجے میں مکالمہ کیا ہے۔ اس کتاب کا مواد کہیں بھی عالمگیر صداقتوں سے نہیں ٹکراتا' نہ پہلے الہامی مذاہب کی تعلیمات کو رد کرتا ہے۔ اس میں فصاحت و بلاغت کے نورِ نطق کی ندیاں رواں ہیں۔ اس کے اوّلین مخاطَب عرب کے وہ قادر الکلام شاعر' شعلہ بیان مقرّر اور زبان آور خطیب تھے جو اپنے ادبی شاہکاروں کو فخر کے ساتھ ہرن کی جھلیوں پر آبِ زر سے لکھواتے اور حرمِ کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کرتے۔ لیکن قرآن عظیم الشان کے جلال و جمال کے آگے ان کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں۔ نامور سخنور خالد بن عتبہ نے چند آیات سنیں تو ششدر رہ گیا اور بے اختیار بول اٹھا ___

Marfat.com

| | | |
|---|---|---|
| وَاللهِ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃ | | بخدا اس کلام میں عجب شیرنی ہے! |
| وَاِنَّ عَلَیہِ لَطَرَاوَۃ | | اس میں عجیب تر و تازگی ہے! |
| وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدَق | | اس کی جڑیں سیراب ہیں! |
| وَاِنَّ الْاَعلَاہُ لَمُثْمَر | | اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں! |
| وَمَا یَقُولُ ھذا لَبَشَر | | کوئی بشر تو ایسا کہہ نہیں سکتا! |

اور یہ الوہی کلام تھا کہ اس کا حرف حرف آنکھوں کو حیران کر رہا تھا' سماعتوں میں رس گھول رہا تھا اور دماغوں پر بارش کی طرح اتر رہا تھا۔ خوش ضمیروں کی دنیا سنور رہی تھی اور بدنہادوں پر قیامت گزر رہی تھی۔ ایسے میں اس کتاب نے ایک چیلنج دیا ____

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَن یَّاْتُوا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَایَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْکَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا" (بنی اسرائیل ۱۷:۸۸) اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے' چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں!

مگر بے مثل کتابِ مقدّس قرآنِ مجید کے اس چیلنج کا جواب کسی سے نہ بن پڑا اور حق کا آوازہ بلند ہوتا چلا گیا۔ یہ للکار اب بھی گونج رہی ہے۔ صدیاں بیت گئیں مگر کتابِ الٰہی کے الفاظ و معانی کی ہم سری ممکن نہ ہوئی اور یکتائی کا ابدتاب دعویٰ فقط اسی کے لیے زیبا ٹھہرا۔ آج جب علوم و معارف کے بیش بہا خزانے' مطالب و مفاہیم سے لبریز زبانیں اور ادب و فن کے دلکشا افسانے نت نئے مکاشفوں کے دریچے کھول رہے ہیں' اس کتابِ زندہ کی ندرتِ تالیف' لطافتِ زبان اور موزونیتِ بیان کا جواب نہیں۔ اس کا حفظ کرنا انتہائی آسان ہے۔ اس کے اصول وضوابط کا کوئی توڑ ہے' نہ جوڑ۔ اس کے متون' تفاسیر اور تراجم کے بے شمار نمونے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لاتعداد علمی ادارے اور ریسرچ انسٹیٹیوٹ' قرآنی علوم وفنون کی توضیحات و تحقیقات میں مصروف ہیں۔ یوں حق تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے ____ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر ۱۵:۹) ہم نے اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے!

حفاظتِ قرآن کے حوالے سے آج کل سپر کمپیوٹر کی اس شہادت کا بڑا چرچا ہو رہا ہے جس نے قرآن شریف کے اس دعوے کی تصدیق کر دی کہ وہ واقعی بے مثال کتاب ہے۔ امریکہ میں کمپیوٹر تیار کرنے والی یہودی کمپنی XT نے ایک عربی کمپیوٹر بنایا ہے جو ہر

Marfat.com

فقرے میں گرامر اور تلفظ کی غلطیاں درست کرنے کی مہارت رکھتا ہے۔ اس کمپنی کے نمائندوں آرتھرڈک اور وولف نے اس میں قرآنِ مجید ریکارڈ کیا اور عربی لغات کے ساتھ انگریزی ڈکشنری بھی محفوظ کردی تاکہ ترجمہ کرنے میں آسانی ہو۔ انہوں نے جیّد عالم علی عبداللہ اور ان جیسے کئی علماء کو کمپیوٹر سنٹر کے معائنے کی دعوت دی۔ مظاہرہ شروع ہوا۔ عربی زبان کے کئی ماہروں نے کی بورڈ (Key Board) کی مدد سے کئی جملے لکھے مگر کمپیوٹر نے فوراً سکرین پر ان کی غلطیاں نمایاں کردیں اور ناظرین حیران رہ گئے۔ یوں وہ فضا تیار ہوگئی جب سازش کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ سپر کمپیوٹر اب الہامی کتاب قرآنِ مجید کی زبان پر اپنی رائے دے گا جسے ہم مسلمان علماء کی موجودگی میں ریکارڈ کرچکے ہیں۔ لیکن انہوں نے نہایت خفیہ طریقے سے یہ ہدایات بھی کوڈ کردی تھیں کہ غلطی ہو نہ ہو، سکرین پر ضرور نظر آئے۔ ہال میں سنّاٹا چھا گیا۔ مگر کرشمۂ قدرت دیکھئے، ڈسک کو جونہی کمپیوٹر میں ڈال کر Keys کو دبایا گیا، سکرین پر یہ فقرہ ابھرا ___

قرآنِ مجید میں غلطیوں کی تعداد : صفر صفر صفر!

یہ دیکھ کر ہال میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نعرے گونجنے لگے اور ہر طرف سے آواز آنے لگی: ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیہِ (البقرہ ۲:۲) قرآنِ والا شان وہ بے مثل اور برحق کتاب ہے جس کے الہامی ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں!

Marfat.com

# البرہان

روئے زمین پر کئی کتابوں کو آسمانی ہونے کا دعویٰ ہے مگر ان سب میں خاصی ترمیم و تحریف ہو چکی ہے۔ ان کی اصل عبارتوں میں انسانی تصورات و معلومات کا مواد اس انداز سے شامل کر دیا گیا ہے کہ اب وہ اصل متن کا حصہ نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان صحیفوں کا "ربّانی" مزاج بدل گیا ہے۔ مگر قرآنِ مجید واحد کلام الٰہی ہے جو ہمارے پاس بالکل اسی صورت میں محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کی زبانِ اطہر کے وسیلے سے عالمِ انسانیت تک پہنچایا۔ قرآنِ مجید نہ صرف تحریری شکل میں دنیا کے چپّے چپّے پر محفوظ ہے بلکہ عہدِ نبوت سے حُفّاظ کے سینوں میں مسلسل چراغاں کرتا آ رہا ہے۔ یہ کلامِ الٰہی کی سالمیّت کی روشن دلیل ہے جسے قرآنِ کریم "برہان" کہتا ہے۔ برہان ایسی دلیل کو کہا جاتا ہے جو ہر حال میں ہمیشہ واضح، سچی، روشن اور ظاہر ہو۔ قرآنِ پاک وہ اوّلین کتابِ مقدس ہے جس نے اس تصوّر پر کاری ضرب لگائی کہ مذہب، عقل و دانش کا حریف اور استدلال کا دشمن ہے۔ اس نے اپنے ہر دعوے کو علم و حکمت اور عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ پیش کیا اور منوایا۔ اس نے ایک ابدی قانونِ حیات عطا کیا۔ اس نے اپنے حریفوں کو بار بار چیلنج دیا کہ ـــــ ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (البقرہ ۲:۱۱۱) یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچّے ہو تو اس کے حق میں دلیل پیش کرو۔ اس فرمانِ خداوندی نے انسانیت کو رہتی دنیا تک وہ بصیرت افروز رویّہ عطا کیا جس کی رُو سے کوئی بات خواہ وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو، دلیل کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ اسلام کو فکری آزادی اور معاملات کو دلائل کی قوّت سے جانچنے کی ترغیب ملی جس سے فقہ و اجتہاد کے راستے کھلے۔

قرآنِ مجید ہر اعتبار سے برہانِ عظیم ہے۔ یہ اپنی ذات میں صحت و سلامتی کی ناقابلِ

Marfat.com

تردید ضمانت لیے ہوئے ہے۔ اس کی حقّانیت کی روشن ترین دلیل یہ ہے کہ یہ سوا چودہ صدیوں سے بعینہٖ محفوظ چلا آرہا ہے۔ اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ عہدِ رسالت مآبؐ سے اب تک یہ نہ صرف اوراق پر نقش ہے بلکہ اس نے کروڑوں سینوں میں جلوہ آرائی کی ہے۔ اس نے سینکڑوں علوم وفنون کو جنم دیا۔ اس کے الفاظ وحروف میں ایک کیمیائی اثر ہے جس سے قلب وذہن کو جلا ملتی ہے۔ جسم، تہذیب کے سانچے میں ڈھلتا ہے اور معمولات میں انقلاب برپا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اسے دنیائے علم وعرفان کا لافانی معجزہ قرار دیا جاتا ہے جس کی پاکیزہ عبارتوں اور اعلیٰ مضامین نے سنگ دلوں کو موم کی طرح پگھلا دیا۔ قرآنِ مجید کے اسی برہانی کرشمے کے متعلق الطاف حسین حالی کہتے ہیں ــــ

کڑک تھی وہ بجلی کی یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی
اک آواز میں سوتی بستی جگادی
پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت وجبل نامِ حق سے

قرآنِ مجید نے حواس اور عقل کی ان تہ در تہ قوتوں کو نمایاں کرنے کے لیے اولادِ آدم کو متحرک کیا ہے جو اس کے لیے قدرت کا بیش بہا عطیہ ہیں۔ قرآن وحیِ الٰہی پر مشتمل ہے جو علم کا قوی اور صحیح ترین ذریعہ ہے۔ چونکہ عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں اس لیے وحیِ الٰہی کو ہدایت کے لیے ضروری سمجھا گیا۔ مگر قرآن حکیم نے روایتی مذاہب کی طرح عقلی وفکری رجحانات کی حوصلہ شکنی نہیں کی بلکہ استدلالی اور منطقی قوتوں سے کام لے کر شعور کی خوابیدہ صلاحیتوں کو ابھارا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنے، کان کھول کر سننے اور ذہن کھول کر سمجھنے کا سلیقہ بخشا۔ اس نے نظامِ کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی جہاں قدرت کے اٹل قوانین ارتقاء کی داستان سنا رہے ہیں۔ قرآنِ پاک نے عام فہم اسلوب میں آدم زادوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اتنی عظیم کائنات خود بخود وجود میں نہیں آگئی بلکہ اس کی خالق کوئی بالاتر ہستی ہے جو فقط ایک ہے کیونکہ اگر اس کے خالق ومنتظم زیادہ ہوتے تو ایک ایسی کشاکش ظہور میں آتی جس سے

۱۱۱۰۴۴۹

Marfat.com

کائنات کی یک رنگی اور ہم آہنگی میں یقیناً بگاڑ پیدا ہو جاتا۔

قرآنِ مجید نے زندگی کی جن حقیقتوں کو جاننے اور ماننے کی ترغیب دی' انہیں حکیمانہ دلائل وبراہین سے واضح کیا۔ آج جب کہ علوم وفنون کے نت نئے افق روشن ہو رہے ہیں' قرآن کے اصول روزِ اوّل کی طرح تروتازہ' دلکش اور موثر ہیں۔ اس کی کوئی بات پرانی نہیں ہوئی' اس کے کسی بیان کی تردید بھی ممکن نہیں۔ کیا یہ عظمتِ قرآنی کی روشن دلیل نہیں کہ اس کا پڑھنا' یاد کرنا اتنا آسان ہے کہ خوشبو کی طرح قلب وجاں میں اترتا چلا جاتا ہے! پھر اس کی بیان کردہ عالمگیر سچائیاں سونے پر سہاگہ ہیں جو پڑھنے سننے والوں کے لیے مانوس اور جانی پہچانی ہیں۔ یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے احوال اس کے پیش کردہ نظام زندگی میں کوئی ترمیم نہ کر سکے۔ قرآن نے خود دعویٰ کیا ـــــ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم السجدہ ۴۱:۴۲) باطل اس کے آگے ٹھہر سکتا ہے' نہ پیچھے سے اس پر اثر انداز ہو سکتا ہے کیونکہ یہ تو حکیم ومحمود اللہ کا نازل کردہ کلام ہے ـــــ چنانچہ یہ کتابِ زندہ ایسی برہانی قوت ہے جو مخاطبوں کو بے دم کر دیتی ہے۔ حضورؐ نے اسی قوت سے کام لے کر باطل پرست حریفوں کو احساس دلایا کہ تم عقلی اعتبار سے ناکارہ ہو' تمہاری زندگی کا کوئی واضح نصب العین نہیں اور تمہارے کردار کو بھی قابلِ تحسین نہیں کہا جا سکتا' جب کہ قرآن نے اپنے پیروکاروں کو ہر اعتبار سے برتری عطا کی ہے۔ اس نے اپنے زمانۂ نزول سے لے کر آج تک ان گنت گمراہوں کو راہِ راست کی طرف موڑا ہے۔ یہی تسخیری طاقت تھی کہ عربی زبان وادب کے ماہر عرب' علم وادب کے شناسا عجم اور روحانیات کے شناور مسیحی اور یہودی اس آفاقی کلام کے سامنے بے بس دکھائی دیتے تھے۔ آج کے مادہ پرست سطحی لوگ بھلا کس طرح اس کلامِ حق کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو اپنے اوراق پر دلیل وبرہان کے ابدی چراغ روشن کیے ہوئے ہے!

Marfat.com

# قرآن ـــــ نصابِ حیات

تاریخ درحقیقت تجربات کا غیر منظم ریکارڈ ہے۔ ہر دور میں افراد اور ان کے مختلف طبقات نے انسانیت اور اس سے متعلق امور کے حوالے سے جو نظام ہائے حیات تشکیل دیے، وہ چونکہ بشری تقاضوں، محدود سوچوں اور مخصوص حالات کی پیداوار تھے، اس لیے آنے والے عہدوں اور نئے سماجوں کے لیے بے سود ثابت ہوئے۔ مدنیات کے سلسلے میں کی گئی یہ کوششیں چونکہ مادی اور عقلی بنیادوں پر استوار تھیں، لہٰذا مسائل کا کوئی پائیدار حل سامنے نہ آیا کیونکہ عقلِ انسانی اپنی تمام تر فتوحات کے باوجود نقص وخطا سے مُبرّا نہیں۔ یوں کاروانِ انسانیت شوقِ آوارگی میں جنگل جنگل بھٹکتا رہا اور اس کے نشو وارتقاء کا خواب ادھورا رہا تاآنکہ روحِ آدمیت کسی ایسے نظامِ زندگی کی آرزومند ہوئی جو ہمہ گیر، دائمی اور پائیدار اصولوں پر قائم ہو۔ ان کی روشنی میں انسان نہ صرف ہر دور کے بدلتے ہوئے حالات اور ابھرتے ہوئے مسائل سے عہدہ برآ ہو سکے بلکہ اپنے کمالِ مطلوب کی جانب کامیابی سے بڑھ سکے۔

خالقِ کائنات نے موجوداتِ عالم کو نہ صرف تخلیق کیا بلکہ ان کی بقا اور نشوونما کے لیے ایک فطری نظام بھی وضع کیا۔ قرآنِ کریم اسے "ہدایت" سے تعبیر کرتا ہے ـــــ اَلَّذِی اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ ۲۰:۵۰) ـــــ اللہ جو تمام حشرات الارض، چرندوں، پرندوں کی رہنمائی کرتا ہے، اس نے انسان کی بھی رہنمائی کی ہے اور اسے عالمگیر اصولوں پر مبنی ایسا جامع ضابطۂ حیات عطا کیا ہے جو اس کی تغیر پذیر فطرت کے لحاظ سے موزوں ترین ہے۔ اس نے قرآن کی صورت میں ذہنِ انسانی سے خطاب کیا۔ اسے فہم وفراست اور دانش وبصیرت کی روشنی بخشی جس سے کام لے کر یہ مشتِ خاک یقین واعتماد کے ان خواص سے مالا مال ہوتی ہے جن سے کامرانیوں کے در کھلتے چلے جاتے

Marfat.com

ہیں۔ قرآن کی تعلیمات فطرتِ انسان سے گہری مطابقت رکھتی ہیں۔ یہ دنیا کو فراموش کرنے کا سبق دیتی ہیں' نہ اس کا دیوانہ بن جانے پر آمادہ کرتی ہیں۔ یہاں نہ بخیلی اور کنجوسی کی تلقین ہے' نہ اسراف اور فضول خرچی کی ترغیب' یہ عفو و درگزر کے شریفانہ رویّوں کے ساتھ ساتھ قصاص وانتقام کا عادلانہ نصاب بھی مہیا کرتی ہیں۔ غرض قرآنِ مجید میانہ روی اور اعتدال کا ایسا نظام فراہم کرتا ہے جو اتنا متنوّع اور ہمہ جہتی ہے جس قدر خود زندگی اور اس کے معاملات۔ قرآن نے انسان کی باطنی قوتوں کو صیقل کر کے اس کی شخصیت کو اتنا قوی تر بنانے کا دعویٰ کیا ہے کہ اس کے سامنے سعی و عمل کی تمام راہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اس کے فرامین کے مطابق زندگی گزار کر نہ صرف اس دنیا میں امن وسکون نصیب ہو سکتا ہے بلکہ آخرت میں بھی ابدی کامرانی حاصل کی جا سکتی ہے۔ قرآن اپنے پیروکاروں کو محض نظریاتی نہیں بلکہ عملی انسان بنانا چاہتا ہے تاکہ وہ اس معرکے کے لیے مستعد ہوں جہاں شرو فساد کے عناصر حق پرستوں کو للکارتے ہیں۔ اس کا انسانِ مطلوب خیرو فلاح کا داعی بن کر میدان میں اترتا ہے اور تیغِ تعمیر سے تخریبی قوتوں کو زخم زخم کر کے نیکی اور سچائی کا علم بلند کرتا ہے۔ اس کی سعیِ مشکور رائگاں نہیں جاتی بلکہ زندگی کے تمام منجمد دھارے آہستہ آہستہ متحرک اور باطل عناصر پسپا ہو جاتے ہیں۔

انسان محض حیوانِ ناطق نہیں بلکہ یہ روح وبدن کا دل آویز مرکب ہے۔ قرآن اسے "اَحْسَنِ تَقْوِیْم" کے نام سے پکارتا ہے۔ یہ جسم کے متنوّع مطالبات ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی روح کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ قرآن روحِ انسانی اور وجودِ بشری' دونوں کی آرزوؤں کا جواب ہے۔ اس کا دعویٰ ہے ـــــ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل ۱۷:۹) قرآن ہی یقینی طور پر سیدھی راہ پر چلانے کا ذریعہ ہے ـــــ اب ساری الہامی کتابوں کے احکام کی پابندی منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ بیشتر کتابیں یا تو ناپید ہو چکی ہیں یا ان میں ترامیم' اضافے اور تحریفیں کر لی گئی ہیں۔ قرآنِ پاک اللہ کا آخری کلام ہے جو بعینہٖ اس شکل میں موجود و محفوظ ہے جیسا نازل ہوا تھا۔ اس میں سابقہ الہامی کتابوں کی تمام صداقتوں کو سمو دیا گیا ہے' لہٰذا اس کتاب پر ایمان لانے سے انسان دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس میں عالمِ انسانی سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا گیا ـــــ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ۭ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (الاعراف ۷:۳) لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے' اس کی پیروی کرو۔

Marfat.com

اللہ کو چھوڑ کر دوسرے مددگاروں کا اتباع مت کرو! ___ تم لوگ بہت کم نصیحت مانتے ہو۔

قرآنِ حکیم ایک ایسا یگانۂ روزگار صحیفۂ آسمانی ہے جو ایک طرف تو انتباہ کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے بدعملی کے سنگین نتائج سے آگاہ کرتا ہے' دوسری جانب ناصحانہ انداز سے دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ اس کی اتباع کا مفہوم یہ ہے کہ سارے اِزموں' مسلکوں اور دستوروں کو رد کر کے فقط پروردگار کے احکام و فرامین کو صدقِ دل سے تسلیم کیا اور ان پر عمل پیرا ہوا جائے۔ قرآنِ حکیم کم وبیش تین سو علوم وفنون کا منبع ہے۔ اس میں ایمانیات اور اقوام کے عروج وزوال کے مباحث کے علاوہ عبادات اور معاشرتی معاملات سے متعلق تقریباً دو سو احکام بیان کیے گئے ہیں جو بندگانِ خدا کی جسمانی اور دنیوی حاجات کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخروی ضروریات کی تکمیل بھی کرتے ہیں۔ جس طرح دنیوی زندگی کو پُرسکون بنانے کے لیے خوراک' لباس اور مکان کی ضرورت ہے' اسی طرح اخروی زندگی کی ابدی راحتیں حاصل کرنے کے لیے اطاعت اور عبادت کی ضرورت ہے۔ یہ کام اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان خود کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کردے کیونکہ کسی اور طاقت سے تعلق قائم کرنے' امیدیں باندھنے اور مدد مانگنے کا مطلب اس کو قادرِ مطلق کے اختیارات میں شریک کرنا ہے جس سے بڑی جسارت اور کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق ومالک ہونے کی حیثیت سے تنہا اقتدارِ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہے لہٰذا وہی ہادی و قانون ساز ہے اور مخلوقات اس کی مطیع ومحکوم ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات سہی مگر وہ مخلوق ومامور ہے جسے کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ربّ العالمین نے قرآنِ مجید کی شکل میں دستورِ بندگی اور آئینِ پرستش عطا کیا ہے۔ یہی وہ کتاب زندہ ہے جس کی سُو بہ سُو پھیلی سرمدی روشنی سے فیضیاب ہو کر ہی انسان اپنے آقا کے سایانِ کرم کے تلے پناہ گزیں ہو سکتا ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے اور آئندہ پیدا ہونے والے تمام افراد' گروہوں اور قوموں کو اصولی اعتبار سے مساوی درجہ دیا جائے۔ وہ انسانوں کی عزت وحرمت کی بنیاد دولت' حکومت یا رنگ ونسل کو قرار نہیں دیتا بلکہ اس کے نزدیک تکریم وتعظیم کا معیار فقط حسنِ عمل ہے۔ وہ مذہبی معاملات میں کسی جبرو تشدد کا قائل نہیں۔ اس کا انقلاب انگیز اصول یہ ہے کہ حقوق العباد میں عدل

Marfat.com

وانصاف کا دامن کسی قیمت پر بھی نہ چھوڑا جائے۔ وہ نیکی کے معاملے میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور بدی سے احتراز کا حکم دیتا ہے۔ اقوامِ متحدہ نے تو ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا جس میں انسانی شخصیت کی قدر و حرمت اور مرد و زن کے مساوی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے لیکن قرآنِ کریم نے ان حقوق کا اعلان آج سے سوا چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا۔

قرآنِ مجید بین الاقوامی احکام و قوانین کا وہ دلآویز گلدستہ ہے جس سے رسولِ آخر الزماں محمد ﷺ نے محفلِ دنیا کو سجا دیا۔ آپؐ ہمہ رنگ ہدایت کے امین بن کر تشریف لائے اور اپنے قول و عمل سے قانونِ الٰہی کے شارح ٹھہرے۔ آپؐ نے اس عمل کا نمونہ پیش کیا جس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا رسولؐ کی ذاتِ گرامی بھی کلامِ الٰہی کی طرح واجب الاطاعت ہے کہ وہی اللہ کے سچے نمائندے کی حیثیت سے انسانوں کو وحیِ الٰہی سے روشناس کرتے ہیں۔ ان کی عظمت مآبی کا عالم یہ ہے کہ ـــــ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۵۳:۳،۴) وہ اپنی مرضی سے تو کچھ بھی نہیں کہتے بلکہ اللہ ان پر وحی کرتا ہے ـــــ چنانچہ جس طرح نزولِ قرآن کے لیے آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس کی ضرورت تھی، اسی طرح قرآنی ہدایات کی تشریح و توضیح کے لیے آپؐ کے ارشادات، فرامین اور اسوہ ہائے عمل کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بار بار اَطِيْعُوا اللّٰهَ کے ساتھ ساتھ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کو لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ حضورؐ کا قول و فعل (یعنی سنت) بھی وحیِ الٰہی کی دوسری شکل ہے۔ اس کی اطاعت بھی اسی طرح واجب ہے جیسے قرآنی وحی پر ایمان لانا فرض ہے۔ آپؐ غارِ حرا کی پرسکون تنہائیوں میں گونجنے والی آسمانی آواز کے امین بنے۔ جس کے منادی نے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (۹۶:۱) ـــــ پڑھیے اپنے رب کا نام لے کر جس نے مخلوقات کو پیدا کیا ـــــ کہہ کر اللہ اور کائنات کی معرفت کو معراجِ انسانیت کا درجہ دیا۔ اس ندائے حق نے زندگی کا جمود توڑ کر چند برسوں میں دلوں کی کایا پلٹ دی۔ وحشتوں کو تہذیب کا لباس پہنا دیا۔ اس کے اعجاز سے نفرتیں، محبتوں کا روپ دھار گئیں اور جہالتوں کی جگہ علوم و فنون کے سرچشمے جاری ہو گئے۔ تب وقت کی آنکھ نے ایک ایسے معاشرے کی نمود ہوتے دیکھی جس کے افراد نے اپنے سمندر جیسے ولولوں کو مہمیز کر کے تسخیرِ قلوب اور تسخیرِ عالم کے ایسے بے مثال مظاہرے کیے کہ قافلۂ انسانیت کے ارتقاء کا سفر آسان ہو گیا۔

Marfat.com

قرآن ایک ایسا خوشنما نصابِ زیست ہے جس میں اجمالی طور پر عقلی و روحانی معارف کے خزینے موجود ہیں۔ اس کے احکام کسی خاص نسل، قوم یا علاقے کے لیے خصوصی طور پر نہیں اترے بلکہ اس نے عالمی معاشرت کی اشرف ترین دائمی اقدار کا درس دیا ہے۔ اس کتابِ زندہ نے کمال درجے کی حکمت و متانت کے ساتھ پیچیدہ اور لاینحل مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ اس کی معجز نمائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے امریکی سکالر وِل ڈیوران (WILL DURANT) اپنی کتاب Story of Civilization میں لکھتا ہے:

"قرآن کے انقلابی پیغام نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی و ثقافتی سطح بلند کی۔ انہیں معاشرتی نظم و اتحاد کا درس دے کر صحت مندانہ اسلوبِ حیات ارزانی کیا۔ ظلم و ستم اور اوہام کی بیخ کنی کی۔ پسماندہ خطوں کا ماحول سنوارا۔ پستیوں کے شکار آدم زادوں کو باوقار مقام عطا کر کے انہیں وہ احساسِ تفاخر عطا کیا جس کی نظیر سفید فام دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ ہمیں قرآن کا احسان مند ہونا چاہئے جس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے مسلمان تاریخ میں اس اوّلین قوم کی حیثیت سے ابھرے جن کی دُوررس نگاہوں میں تہذیبِ انسانی کے عروج و زوال کے تمام پہلو روشن تھے۔"

قرآن کی ابدی صداقت کی گواہی دینے والی یہ کوئی نئی آواز نہیں، ایسی اَن گنت شہادتیں صدیوں سے جریدۂ عالم پر ثبت ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ آج جب کہ دکھی انسانیت گمراہی کے دھندلکوں میں ٹھوکریں کھا رہی ہے اور انسان کے تصنیف کردہ تمام نظام ہائے معاشرت اولادِ آدم کی چارہ جوئی سے عاجز آ چکے ہیں، قرآن کے اوصاف و خصائص کے مطابق زندگی کی قدروں کا استوار ہونا موجودہ تمدنی اداروں کی فلاح و بقا کی ضمانت ٹھہرا ہے۔ ادھر مسلم دنیا کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ اس نے اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود قرآن حکیم کے بہترین نظامِ حیات سے انحراف کر کے کیا کھویا، کیا پایا ہے؟

Marfat.com

# قرآن اور عقل و شعور

دنیا میں بے شمار تہذیبیں جنم لیتی اور فنا ہوتی رہیں' لاتعداد مذاہب پیدا ہو کر ختم ہو گئے۔ ان سب میں بنیادی خامی یہ رہی کہ کسی نے بھی انسانی عقل و شعور کو اس کا جائز مقام نہ دیا حالانکہ پروردگارِ عالم نے ہر ذی شعور کو عقل سے نوازا۔ اسے اشیاءِ کائنات کے علم سے سرفراز کیا۔ اسی بنا پر وہ اشرف المخلوقات کہلایا۔ دینِ اسلام کے منشورِ اعظم ــــ قرآنِ حکیم نے عقل و شعور اور فکر و نظر کی قدر و قیمت بڑھائی تاکہ انسان جہالت اور نادانی کے طوفانوں کا منہ پھیر دینے کے قابل ہو جائے۔ اس آخری کلامِ الٰہی میں عقلی اور روحانی علوم کے دو پُر جوش دریا رواں ہیں جو شکوک و شبہات اور گمانوں کے خس و خاشاک کو بہالے جانے کی قوی صلاحیت رکھتے ہیں۔ قرآنِ مجید نے ذہنِ انسانی کو بے بنیاد توہّمات اور خود ساختہ روایات سے آزادی دلانے کے لیے یقین و ایمان کے جوہر بخشے تاکہ آدم زاد اس قابل ہو جائے کہ زندگی کی حقیقتوں کو عقلِ سلیم کی خداداد روشنی میں پرکھ سکے۔ وہ جان سکے کہ اس کی ذات میں پوشیدہ صلاحیتیں کیا ہیں اور کائنات میں فطرت کے قوانین کس انداز سے جاری و ساری ہیں؟

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے ــــ اَللّٰھُمَّ اَرِنِی حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ! اے اللہ! مجھے حقیقتِ اشیاء سے آگاہ فرما! ــــ اہلِ اسلام نے اس اسوۂ رسول کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا۔ انہوں نے اپنے علوم و فنون کی بنیاد تجربات و مشاہدات پر رکھی۔ قرآنِ حکیم کے تقریباً ایک تہائی موضوعات کائنات کے رنگارنگ مظاہر سے متعلق ہیں جن کا بار بار ذکر کر کے عقل اور حواس کو بروئے کار لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: زمین میں گھومو پھرو اور غور سے دیکھو کہ اللہ نے مخلوقات کو کس طور طریقے سے پیدا کیا ــــ اللہ نے تمھارے لیے دن رات' چاند

Marfat.com

سورج اور ستاروں کو مسخّر کر دیا۔ اس منظرنامے میں اہلِ خرد کے لیے دلائل موجود ہیں ـــــ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں' یکے بعد دیگرے دن رات کے آنے جانے میں' سمندروں میں چلنے والے جہازوں میں جو مفید چیزیں لے کر چلتے ہیں' بارش کے پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے برسایا' پھراس سے خشک زمین کو ترو تازہ کیا اور اس میں ہر قسم کے حیوانات پھیلا دیے۔ ہواؤں کے رخ بدلنے میں اور بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان معلّق رہتے ہیں' دلائل موجود ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقلِ سلیم کے مالک ہیں ـــــ ان آیات میں مظاہرِ قدرت کو اللہ کی نشانیاں ٹھہرا کر حکم دیا گیا ہے کہ ان کے مطالعے سے روشنئ فکر حاصل کرو۔ چنانچہ ذہنِ انسانی کی قدر افزائی اور فکر کی تربیت دینِ اسلام کا امتیازی نشان ہے۔ اس نے اسلام کی داخلی توانائی سے جنم لیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نبوت کا سلسلہ منقطع ہونے اور وحیِ الٰہی کا رابطہ ٹوٹنے کے بعد مسلمانوں نے عقلِ سلیم کو علم کا سب سے بڑا وسیلہ ٹھیرایا کیونکہ اب معرفتِ اشیاء کا اور کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔

قرآنِ مجید میں بار بار "اَفَلَا تَعقِلُون ' اَفَلَا تُبصِرُون ' اَفَلَا یَتَدَبَّرُون اور اَفَلَا یَنظُرون" ؟ کہ کر وجدانی صلاحیتوں کو آزمانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ـــــ مُن یُّوتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ' وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُو الْاَلْبَابِ (البقرہ ۲: ۲۶۹) جس شخص کو حکمت و دانائی ملی' اسے تو بے شمار بھلائیاں مل گئیں اور نصیحت تو اہلِ بصیرت ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ دینِ اسلام کا ذہنِ رسا سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ اسی رشتے کے حوالے سے حضورؐ نے فرمایا ـــــ دِیْنُ الْمَرءِ عَقْلُہٗ وَمَنْ لَّا دِیْنَ لَہٗ لَا عَقْلَ لَہٗ ' ـــــ انسان کا دین اس کی عقلِ سلیم ہے اور جس کا کوئی دین نہیں' اس کو عقل نہیں۔

انبیاءِ کرامؑ کی دعوت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے پس منظر میں عقل و شعور کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ انھوں نے روایت شکنی کر کے عقل و شعور کی قدروں کو فروغ دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آبائی مذہب (صنم پرستی) کو عقلی دلائل سے رد کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے بچھڑے کی پرستش کو طاقت سے روکا کہ یہ ایک احمقانہ رسم کی جانب اشارہ دیتی تھی۔ پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کا روح پرور پیغام بھی غور و فکر اور فہم و فراست پر استوار ہے۔ کوہِ صفا پر آپؐ کا اوّلین خطاب شعوری و عقلی لہجے سے معمور ہے۔ آپؐ

Marfat.com

نے توحیدِ الٰہی اور اپنی شخصیت کو مدلل انداز سے اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک فوج تم پر حملہ آور ہو رہی ہے تو کیا تم مجھ پر اعتبار کرلو گے؟"

"کیوں نہیں' ہم نے آپ ؐ کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے"! سب نے بیک زبان کہا۔

اپنی صداقت کا اعتراف کرانے کے بعد آنحضرت ؐ نے فرمایا: "تو پھر اس سچے آدمی کی حق بات سنو! اللہ پر ایمان لاؤ ورنہ تم پر عذاب نازل ہو گا"!

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور کائنات اس کا فعل۔ اس قول و فعل میں مطابقت منشائے ایزدی ہے۔ چنانچہ اس نے حواس اور عقل کی ان تہ در تہ قوتوں کو اجاگر کرنے کے لیے اولادِ آدم کو متحرک کیا ہے جو اس کے لیے قدرت کا بیش بہا عطیہ ہیں۔ اس نے روایتی مذاہب کی طرح عقلی و فکری رجحانات کی حوصلہ شکنی نہیں کی بلکہ آنکھیں کھول کر کائنات کو دیکھنے' کان کھول کر سننے اور دماغ کھول کر سمجھنے کا سلیقہ بخشا۔ اس نے نظامِ عالم میں غور و فکر کی دعوت دی جہاں قدرت کے اٹل قوانین ارتقاء کی داستان سنا رہے ہیں۔

جارج واشنگٹن گارور (George Washingtion Garver) نے سائنس اور روحانیت کی قدرِ مشترک کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا ـــــ

"میں مظاہرِ قدرت کو ایک ایسا لامحدود نظام نشریات سمجھتا ہوں جس کے وسیلے سے خدا ہر لمحہ ہم سے مخاطب رہتا ہے۔ ہم اس کی آواز سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں بشرطیکہ ہم اس نشریاتی آلے کے صحیح استعمال سے واقف ہوں۔"

اسلام ایک ابدی ضابطۂ حیات ہے چنانچہ اس کا فطرت سے ہم آہنگ ہونا لازم ہے۔ اس کائنات کو نہایت حکیمانہ انداز سے تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ کوئی مکمل' بے حرکت اور غیر تغیر پذیر چیز نہیں بلکہ یہاں ـــــ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ـــــ کا سرمدی نغمہ گونج رہا ہے اور تقدیرِ الٰہی ہر لحظ ایک نئی شان سے ظہور میں آ رہی ہے۔ چونکہ زمانہ' حرکت و انقلاب سے عبارت ہے اور مسلسل تخلیقی عمل کا نام ہے اس لیے نت نئے حالات و واقعات کا ظہور' زندگی کا فطری عمل ہے۔ اہلِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ حیات و کائنات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو ٹھنڈے دل سے عقل و حکمت کی کسوٹی پر پرکھیں اور وقت کی مصلحتوں اور مطالبات پر دانشمندانہ ردِعمل کا اظہار کریں۔

Marfat.com

حضورؐ نے دس ہجری میں حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو پوچھا:
"فیصلہ کس طرح کرو گے"؟
حضرت معاذؓ نے جواب دیا: "کتاب اللہ کی رو سے"۔
فرمایا: "اگر کتاب اللہ میں نہ ہو"؟
بولے: سنتِ رسولؐ کو چراغ راہ بناؤں گا"!
فرمایا: "اگر سنتِ نبویؐ میں بھی نہ ہو"؟
کہنے لگے: "تب اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا"!

یہ سن کر حضور رسالت مآبؐ خوش ہوئے اور ہمیشہ کے لیے عقل و دانش کی فتوحات کا باب کھل گیا۔

اسلامی دنیا کی ابتدائی صدیوں میں شعوری تجربے اور عقلی مشاہدے سے قوانینِ فطرت کی تفہیم اور مسائلِ حیات کے حل کی جستجو جزوِ دین و عبادت رہی ہے۔ پہلی صدی کے وسط سے چوتھی صدی کے آغاز تک فقہ اسلامی کے انیس مختلف مذاہب سامنے آئے۔ ریاضتِ فکری کے حوالے سے یہ عہد اس اعتبار سے بھی قابلِ رشک ہے کہ اس میں مسلمان سائنسی و معاشرتی علوم اور تہذیب و ثقافت کے مشعل بردار کی حیثیت سے کرۂ ارضی کو بقعۂ نور بنانے میں مصروف رہے۔ ان کی علمی خدمات کے باعث انسانیت نے جہالت اور اوہام کی بھول بھلیوں سے نجات پاکر دانش و حکمت کی کھلی فضاؤں میں سانس لینا سیکھا۔ یوں دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام کی روشن خیالی نے عالمی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور سائنسی ارتقا کے خوشگوار سفر کا آغاز ہوا۔ لیکن سیاسی ابتری اور اخلاقی زوال سے اس صاف شفاف چشمے کی روانی رک گئی۔ جمود کی مسندیں بچھ گئیں، اندھی تقلید کا بازار گرم ہوگیا، تاریکیوں نے روشنی کی جگہ لے لی، عقل و شعور کی آزمائش عبادت کا جزو نہ رہی اور عروج، زوال میں بدل گیا۔ جب مسلمان فکری لحاظ سے بیدار تھے تو مغربی اقوام خوابیدہ تھیں مگر انھوں نے مسلمانوں کے فکری سرمائے سے فیض پاکر اس میں مسلسل اضافہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے علم و فضل کی مشعل مغرب کے ہاتھوں میں چلی گئی ___

قرآنِ مجید میں رسول اللہؐ کے مقدس مشن کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے ___
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (اٰلِ عِمرٰن) ۳: ۱۶۴)۔ وہ لوگوں

Marfat.com

کو اللہ کی آیات سناتے' ان کی زندگیوں کو سنوارتے اور دانائی کی تعلیم دیتے ہیں ــــــ ان کے پیش کردہ اسلام نے وہم و گمان کی تاریکیاں دور کردیں اور انسان نے کائنات کے ظاہری و باطنی پہلوؤں پر غور و فکر کرنا سیکھا۔ قرآنِ حکیم میں جو کم و بیش تین سو دینی و دنیوی علوم و فنون کا سرچشمہ ہے' مشاہدۂ کائنات کی تاکید میں ۷۵٦ آیات موجود ہیں۔ چنانچہ جدید سائنس اس اعتبار سے عین اسلامی ہے کہ یہ مسلم تہذیب و تمدن کا شاندار عطیہ ہے اور اس کی بنیاد صحیفۂ فطرت کے مطالعے پر رکھی گئی ہے۔ جو لوگ مظاہر قدرت سے بصیرت حاصل نہیں کرتے' ان کے متعلق قرآن کہتا ہے ــــــ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ــــــ جو لوگ دنیا کے حقائق سے بے خبر رہیں گے' وہ آخرت کے انعامات سے محروم رہیں گے ــــــ فکری قوتوں سے کام نہ لینے والوں کا تجزیہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم اعلان کرتا ہے ــــــ کیا دنیا کے لوگ آسمانوں' زمین اور مخلوقاتِ الٰہی پر غور و فکر نہیں کرتے؟ شاید ان کی موت ان کے سامنے پہنچ چکی ہے۔ (الاعراف) ــــــ مظاہرِ قدرت میں عقل والوں کے لیے اتنی کشش ہے کہ آئن اسٹائن (EINSTEIN) جیسا عظیم سائنس دان یہ کہنے پر مجبور ہوگیا ــــــ

> "کائنات کی سب سے خوبصورت واردات اس کی اسراریت (Mysterious) ہے۔ جو کوئی اسے نہیں جانتا' حیرت زدہ نہیں ہوتا اور تعجب میں نہیں ڈوبتا' وہ ایسے ہی ہے جیسے مرچکا ہے اور اس کی آنکھیں پتھرا چکی ہیں .....ہمیں ایک ہمہ گیر عقل اور نورانی حسن کا سامنا ہے جہاں تک ہمارے ذہن بہت ہی ابتدائی صورت میں رسائی پاتے ہیں۔ یہ وہی آگہی ہے' یہ وہی جذبہ ہے جو حقیقی مذہبیت کی تشکیل کرتا ہے!"

Marfat.com

# قرآن اور علمی انقلاب

عالمِ انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے قرآنِ حکیم جیسے لافانی صحیفے سے نوازا' یہ آفاقی اور ابدی تعلیمات کا دلکش مرقع ہے۔ اس میں دیگر مذاہب کے برعکس ہر قسم کے علوم و فنون کی تحصیل' ترویج اور اشاعت کی دعوت ملتی ہے۔ حکمت و دانش کا یہ سرچشمہ عرب کی بے آب و گیاہ وادی سے پھوٹا تو روئے زمین پر جہالت' گمراہی اور ذلت کے گھنے سائے پھیل چکے تھے۔ چین میں کسی حد تک اخلاقیات اور ہندوستان میں الٰہیات اور طب کا سراغ ملتا ہے۔ یونان میں علم کا چرچا تھا مگر یہ چند افراد تک محدود تھا۔ دنیا کی باقی اقوام اندھی تقلید' جمود' توہمات اور خرافات پر مبنی عقائد کی بھول بھلیوں میں سرگرداں تھیں۔ اس تاریک ماحول میں قرآنِ ذی شان کی روشنی اٹھی اور اسپین سے لے کر ہندوستان تک اولادِ آدم کو علم' اخلاق اور تہذیب سے مالامال کرتی چلی گئی۔ مسلمانوں نے قرآن کی اس پہلی وحی کو اپنا نصابِ حیات قرار دیا جس میں کہا گیا تھا ــــ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق ۹۶:۱) ــــ پڑھو' اپنے رب کے نام سے جس نے ہر چیز کو تخلیق کیا ــــ چنانچہ مسلمانوں نے پہلے تو خود علم حاصل کیا' پھر اپنے علمی سرمائے کو دوسری دنیاؤں تک پہنچایا۔

کلامِ الٰہی' قرآنِ مجید نے انسان کی جسمانی قوتوں' فکری امنگوں اور روحانی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف پیرائے اختیار کیے ہیں۔ کبھی دعائیہ انداز میں تلقین کی گئی ــــ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴) ــــ اے میرے رب میرا علم زیادہ کر! ــــ کہیں استفہامیہ اسلوب میں پوچھا گیا ــــ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ؟ (الزمر ۳۹:۹) کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ ــــ کبھی کائنات کا منظر نامہ دکھا کر ارشاد ہوا ــــ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (الملک ۶۷:۳) مظاہرِ

Marfat.com

قدرت پر گہری نظر ڈال کر دیکھو' کیا تمھیں کہیں کوئی بد نظمی دکھائی دیتی ہے؟ ـــــ نبی کریمؐ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے ـــــ اَللّٰھُمَّ اَرِنِی حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ ـــــ اے اللہ مجھے اشیاء کے حقائق کا علم عطا فرما! ـــــ یہ فرامین حصولِ علم کی رغبت دلاتے ہیں۔ چنانچہ اشیاءِ کائنات کا مشاہدہ اور تجربات کے ذریعے ان کی تہ در تہ حقیقتوں تک رسائی پیغمبرؐ اسلام کی عظیم الشان انقلابی تحریک کا مرکزی نکتہ ہے۔ مسلمانوں نے حضورؐ کی اسی آرزو کو مطمحِ نظر بناتے ہوئے ماہیتِ اشیا کے حوالے سے اپنی تحقیقات اور دریافتوں کا آغاز کیا۔ ان کے ایجاد کردہ سائنسی علوم ـــــ طبیعیات' کیمیا' حیاتیات' ارضیات اور فلکیات وغیرہ مادی چیزوں اور ان کی خصوصیات ہی سے متعلق ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معجز نمائیوں کی ناقابلِ انکار دلیلیں فراہم کرتی ہیں۔

خالقِ کائنات نے حصولِ علم کا حکم دیتے ہوئے نوعِ بشر سے کہا ـــــ سِیْرُوا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوا کَیْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ۔ زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے کیسی کیسی تخلیقات کی ہیں! ساتھ ہی انسان کی پیدائش کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد کیا ـــــ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (الذریات ۵۱:۵۶) میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ـــــ ان دونوں فرامین کے اشتراک سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ علم و ہنر کا مقصود' انسان کو پروردگار کے قریب کرنا ہے۔ علامہ ابنِ خلدون نے فلسفۂ علم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ علوم دو طرح کے ہیں:

(الف) ایک علومِ شرعیہ جنھیں مقصدِ حیات کا درجہ حاصل ہے۔ ان میں قرآن و سنّت اور ان کے متعلّقات تفسیر' فقہ' علم الکلام اور تصوّف وغیرہ شامل ہیں۔

(ب) دوسرے علومِ آلیہ جن میں تمام مادی علوم' زبانیں' ادب' فلسفہ اور منطق وغیرہ آتے ہیں۔ یہ علوم انسان کا مقصودِ اصلی نہیں بلکہ یہ علومِ شرعیہ کے اسرار و رموز آشکار کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے زمانۂ عروج میں علومِ آلیہ کو معرفتِ الٰہی اور حقائق تک پہنچنے کا محض آلہ سمجھا۔ انھوں نے ان دونوں وسائلِ معارف میں کبھی تفریق نہ کی۔ ان کے پیشِ نگاہ تو بس محسنِ انسانیتؐ کا یہ قولِ مبارک رہا۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحَدِ ـــــ گہوارے سے لے کر قبر تک طلبِ علم میں مصروف رہو! اور یہ کہ اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤمِنِ ـــــ حکمت و دانش مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ فرزندانِ اسلام نے ان ارشادات پر عمل کرکے دکھا دیا۔ ان کا اوّلین دارالعلوم مسجد

Marfat.com

نبوی میں صُفّہ کے نام سے قائم ہوا۔ اس کے معلّمِ اوّل خود پیغمبرِ آخرالزماںؐ تھے۔ مسلم اور نو مسلم یہاں سے درسِ ہدایت لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مدرسہ و مسجد کی یکجائی سنّتِ رسول ٹھہری۔ پھر جوں جوں مسجدیں تعمیر ہوتی گئیں' مدارس کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا جن میں قرآن و سنت کے ساتھ' ریاضی' کتابت' لغت اور طب کی تدریس ہوتی تھی۔ بنی اُمیّہ کے زوال تک مسلمانوں نے ان علوم کے ساتھ ساتھ تاریخ' جغرافیے اور نجوم کا مطالعہ بھی شروع کر دیا تھا۔ عہدِ عباسیہ سے علم و حکمت کا سنہری سلسلہ شروع ہوا۔ بصرہ' کوفہ' دمشق' بغداد' نیشاپور' ہرات' بلخ' تبریز' شیراز' جیلان' قاہرہ اور اندلس کے شہر قرطبہ و غرناطہ مختلف علوم و فنون کے سرچشمے بن گئے۔ ان سے استفادہ کرنے کے لیے طلبہ کٹھن منزلیں طے کرتے۔ یہی نہیں بلکہ ان علمی مراکز کے رہنے والے بھی دوسرے علاقوں کے اہلِ کمال سے فیض اٹھانے کے لیے مشرق و مغرب کی خاک چھانتے۔ ان کے ذوقِ علمی کی بدولت یونان و مصر کے قدیم علوم و فنون کا احیاء ہوا۔ یہ خزانے یورپ کے تہذیبی جمود کے باعث گوشۂ گمنامی میں پڑے تھے۔ مسلمانوں نے انھیں طاقِ نسیاں سے اٹھا کر اولادِ آدم کی دسترس کے قابل بنایا۔ ان لائقِ ستائش کاوشوں سے فلسفہ' ہندسہ' منطق' نجوم' طب' کیمیا اور ہیئت جیسے علوم و فنون میں خاصی پیش رفت ہوئی اور ذہنِ انسانی نے فکر و نظر کی نئی راہیں تلاش کیں۔ مسلمانوں کی اسی علمی پیاس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے الطاف حسین حالی نے کہا تھا ؎

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر
ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر
گرہ میں لیا باندھ حکمِ پیمبر
کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو!
جہاں پاؤ' اپنا اسے مال سمجھو!

مسلمانوں نے ایشیا یورپ اور افریقہ میں جو تہذیبی و سیاسی انقلاب برپا کیا' اس میں علم و دانش کی روح رواں تھی۔ عیسائی دنیا میں اسلام سے پہلے ایک ایسا دور بھی آیا تھا کہ مسیحیت کے نشے سے چور ہو کر ہر غیر مسیحی چیز کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ ایتھنز اور اسکندریہ کے علمی مراکز کو مقفّل کر دیا گیا تاکہ ذہنِ انسانی کو بنجر بنا کر رکھ دیا

Marfat.com

جائے لیکن مسلمانوں نے اپنی عظیم ترین سلطنت کے قیام کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف خِطّوں میں ہمہ گیر تعلیمی نظام مستحکم کیا۔ تیونس میں جامعہ زیتون اور مصر میں جامعہ ازہر قائم کی۔ خواجہ نظام الملک طوسی نے نظامیہ کے نام سے جابجا مدارس بنوائے۔ غزنی میں محمود غزنوی نے بے مثال کتب خانہ اور مدرسہ قائم کیا۔ روشنی کا سفر تیز تر ہوا تو عالمِ اسلام کے ہر شہر میں مدارس و مکاتب کا جال بچھ گیا۔ اندلس میں کتب خانوں اور علمی مراکز کی فراوانی ہوئی۔ اس دَور میں قرطبہ اور طلیطلہ کی یونیورسٹیاں دُور رس نتائج پیدا کر رہی تھیں جن میں یورپ کے دُور دراز علاقوں اور انگلستان اور سکاٹ لینڈ تک کے ہزاروں طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔

قرآنِ پاک میں منصبِ نبوت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا ــــ هُوَالَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (اٰلِ عِمرٰن ۳ : ۱۶۴) وہی اللہ ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں' انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں آیتیں پڑھ کر سناتا' انھیں پاک کرتا اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے ــــ اس آیتِ کریمہ میں انسانی شخصیت کی تہذیب کو تعلیم سے مشروط کیا گیا ہے' اور شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے' روحانی و مادی ہر دو اعتبار سے باوقار اور ترقی یافتہ انسان بننے سے۔ چنانچہ دین و دنیا میں ترقی کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسلامی دنیا کی ابتدائی چار صدیوں میں تمام علوم و فنون کی تحصیل دین و عبادت کا جزو بنی رہی۔ مسلمانوں نے سخت ریاضتِ فکری اور مشقّتِ بدنی سے عالمِ انسانیت پر تازہ امکانات کے در کھولے ــــ عظیم محدّث امام بخاریؒ طویل سفر کے دوران میں جنگل کی جڑی بوٹیاں کھاکر گزارا کرتے رہے۔ مشہور فلسفی ابو نصرفارابی' پاسبانوں کی قندیلوں کی روشنی میں مطالعہ کیا کرتے تھے۔ امام بو علی بلخیؒ کھانا خریدنے کی استطاعت نہ پاکر نانبائی کی دکان پر چلے جاتے اور کھانے کی خوشبو پر قناعت کرتے ہوئے پڑھا کرتے۔ شیخ سعدی شیرازی علم کی طلب میں دور دراز خِطّوں میں بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ علم کی یہ سچی لگن مسلمانوں کے مزاج میں اس لیے دخیل رہی ہے کہ ان کے نزدیک علم کی جستجو دراصل راہِ خدا میں نکلنا تھا۔ انھیں کی حق میں اعلان ہوا ــــ اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ــــ جو لوگ خلوصِ دل سے اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں' اللہ قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتا اور ہر موڑ پر انھیں روشنی دکھاتا ہے۔ اسی حوالے سے الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

Marfat.com

کرو یاد اپنے بزرگوں کی حالت    شدائد میں جو ہارتے تھے نہ ہمت
اٹھاتے تھے برسوں سفر کی مشقت    غریبی میں کرتے تھے کسبِ فضیلت
جہاں کھوج پاتے تھے علم و ہنر کا    نکل گھر سے لیتے تھے رستہ ادھر کا

سورۃ البقرہ میں انسان کی پیدائش کے مقصد اور اس کے منصب خلافت کے جوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ___ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ ہم نے آدم کو تمام اسماء سکھا دیے۔ یعنی علمِ اسماء وجودِ انسانی اور منصبِ خلافت کی روحِ رواں ہے۔ یہ علمِ اسماء کیا ہے؟ ___ قرآنِ مجید نے ۷۵۶ مقامات پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مظاہرِ قدرت پر غور و فکر کرو۔ موجوداتِ عالم کے اسرار کی آگاہی حاصل کرو اور اشیاءِ کائنات کے آثار و خواص جاننے کی کوشش کرو کیونکہ بقولِ علامہ قاضی بیضاوی ___ "اللہ تعالیٰ نے علمِ اسماء کے ذریعے حضرت آدمؑ کو چیزوں کی اصل شناخت، ان کے خواص، ان کے نام، اصولِ علم، صناعتوں کے قوانین اور ان صنعتوں میں استعمال ہونے والے اوزار کی کیفیتیں، غرض سب کچھ بذریعۂ الہام بتا دیا تھا" ___ اسی بنا پر آدم نے فرشتوں پر اپنی فوقیت ظاہر کی۔ اہلِ اسلام نے اپنے باپ آدم کے اسی وصف کو اپنایا۔ ان کی گرانقدر خدمات سے دنیا میں قدیم وجدید افکار و نظریات اور علوم و فنون کی کہکشاں اتری۔ یہ اسلامی دنیا کا ایسا عطیہ خاص تھا جس نے پندرھویں صدی میں تحریکِ احیاءِ علوم کو جنم دیا اور مغربی اقوام سائنس اور ٹیکنالوجی کی روشن دہلیز پر آن کھڑی ہوئیں۔

یہ انقلاب اپنے وسیع تر تناظر میں عالمِ انسانیت کے لیے جہاں باعث فخر ہے، وہاں اہلِ اسلام کے لیے لمحہ فکریہ بھی ہے کہ وہ اپنے خرد مند اسلاف کی میراث، سائنسی علوم و فنون سے کیوں دستکش ہوگئے جبکہ دوسری اقوام اسی حوالے سے آفاقِ عالم پر اپنی عظمتوں کے پرچم لہرا رہی ہیں؟ ___ کیا اپنے علمی سرمائے کو حریفوں کے حوالے کرکے گوشۂ عافیت میں بیٹھے رہنا غیرت و حمیت کے منافی نہیں؟ ___ کیا دین و ایماں کے شکاریوں کے آگے ہتھیار پھینک دینا قرینِ انصاف ہے؟ ___ اور کیا ارتقاء کے سفر میں تیز گام قوموں سے پیچھے رہ جانا اسلام کی عزت افزائی ہوگی؟ ___

قرآن عصرِ حاضر کے مسلمانوں سے ان سوالوں کے جوابات مانگتا ہے!

Marfat.com

# قرآن اور سائنسی تحقیق

غارِ حرا میں اترنے والی پہلی وحی ــــ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق ۹۶:۱) ــــ پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا ــــ دراصل ایک ضربِ کاری تھی، اس فکری جمود پر جس کے باعث دیوی، دیوتاؤں اور مَوہُوم قوتوں کی پوجاپاٹ ہی کو زندگی کا نصب العین قرار دے دیا گیا تھا۔ اس آفاقی پیغام نے سب سے پہلے عربوں کی ان خوابیدہ صلاحیتوں کو جگایا جن پر محض شاعری، خطابت اور علم نجوم کی عکس ریزی ہوتی تھی۔ چنانچہ محسنِ انسانیت محمد ﷺ کی حیاتِ طیّبہ ہی میں دانش گاہِ صُفّہ کی شکل میں اس اوّلین تعلیمی ادارے کی داغ بیل پڑی جس کی توسیع بغداد، سلرنو، غرناطہ، قرطبہ اور قاہرہ کی یونیورسٹیاں تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ دو سو سال کے قلیل عرصے میں مسلم دنیا کے اطراف و جوانب میں پھیلی رصد گاہوں میں تجربات و مشاہدات کا حیرت انگیز سلسلہ شروع ہوگیا اور مختلف سائنسوں کے حوالے سے تازہ افق دریافت کیے جانے لگے۔ یوں مسلم مفکّرین اور سائنس دان آدمِ اوّل کے اس ورثے کو ترقی دینے کے لیے میدانِ عمل میں اتر آئے جو علمِ فطرت یعنی موجوداتِ عالم کے اسماء اور ان کے خواص کی صورت میں انھیں عطا کیا گیا تھا ــــ تسخیرِ اشیاء ان کا وظیفۂ حیات ٹھہرا۔ ان کی ریاضتوں سے سربستہ راز بے نقاب ہوئے۔ سات سو پچاس عیسوی سے گیارہ سو عیسوی سن تک، ساڑھے تین سَو سال، مسلم محقّقین تمام سائنسوں کے بلا شرکتِ غیرے امام رہے۔ اگلے اڑھائی سو برسوں میں مغربی دنیا سفرِ ارتقاء میں ان کے ہمراہ ہوگئی۔ انھی کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ اب انسان کم و بیش ساڑھے بارہ لاکھ حیوانات و نباتات کے آثار و خواص سے آگاہ ہے۔ علمِ کیمیا میں اس کی پیشرفت کا عالم یہ ہے کہ لاکھوں نامیاتی اور غیر نامیاتی مرکّبات اس کے زیرِ مطالعہ ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خلا میں بکھرے ہوئے اَن گنت ستارے، سیّارے اور

Marfat.com

کہکشائیں اس کے وجدان کی دسترس میں ہیں۔

قرآنِ حکیم چونکہ ایک کتابِ زندہ ہے اس لیے یہ ابدیت کی حامل ہے۔ اس نے کسی ایک عہد کی ترجمانی نہیں کی۔ یہ مسلسل تخلیق کرنے والی ہستی' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا اس کا مطالعہ نت نئی تخلیق کا ولولہ پیدا کرتا ہے۔ اس کی ۷۵۶ آیات جو کل آیات کا آٹھواں حصہ ہیں' تلقین کرتی ہیں کہ انسان مطالعۂ فطرت کریں' عقل و شعور سے کام لیں اور سائنسی علوم کو اپنی معاشرت کا لازمی حصہ بنائیں۔ گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے جو انکشافات کیے' وہ قرآن کے گہرے مطالعے کا نتیجہ تھے۔ آئندہ زمانوں میں بھی انسان کے تجربات و مشاہدات کے جو نتائج سامنے آئیں گے' ان کا سرچشمہ بھی یہی کلام الٰہی ہوگا۔ خالقِ کائنات اس کے بارے میں اعلان کرتا ہے ___ مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام ۳۸:۶) "ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کے درج کرنے میں کوتاہی نہیں کی" تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن محض سائنسی نظریات کی کتاب نہیں۔ اس نے تو ہر دَور کے آدم زاد کی پوری زندگی کو موضوعِ بحث بنا کر اس کی عقل و خرد کو روشنی دی ہے تاکہ وہ کائنات میں آزادانہ تگ و تاز کرے اور اس کے رازوں سے پردہ اٹھائے۔ اس نے سائنسی تفکر کی بالیدگی کے لیے تین بنیادی مباحث ___ ہستیٔ باری تعالیٰ' کائنات اور انسان کو اوّلیت دی۔

(الف) قرآنِ حکیم نے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان ہستی کا احساس دلانے کے لیے یہ ٹھوس دلیل پیش کی ___ وَمِنْ اٰیَاتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَابَثَّ فِیْھِمَا مِنْ دَآبَّۃٍ" ___ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اللہ کی ناقابلِ تردید نشانیوں میں سے ہے۔ یہ جاندار مخلوقات اللہ تعالیٰ کے ہونے کی دلیل ہیں جنھیں ان دونوں میں پھیلا دیا گیا ہے ___ موجودہ سائنسی تحقیقات کے مطابق تمام نباتات و حیوانات کا اساسی عنصر پروٹو پلازم (Protoplasm) ہے جس کے کیمائی اجزا آکسیجن' ہائیڈروجن' نائٹروجن' کلورین' کاربن' فاسفورس' سلفر' سوڈیم' کیلشیم اور میگنیشیم وغیرہ ہیں۔ یہ ایک قدرتی طریقے سے ملیں تو زندگی کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر ماہرینِ حیاتیات ان تمام عناصر کے سائنسی ملاپ کے باوجود پروٹو پلازم کی تشکیل میں ناکام رہے ___ تو پھر کون ہے' جو عناصر کو نادیدہ انداز سے تحلیل کرتا اور ان میں زندگی کی رَو دوڑا دیتا ہے؟ بیسویں صدی کے عظیم سائنس دان آئن سٹائن نے اس بالاترین ہستی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا ___

Marfat.com

"ہمیں ایک نہایت گہری اور ہمہ گیر عقل اور ایک نورافشاں حسن کا سامنا ہے جو اپنی بہت ہی ابتدائی صورت میں ہمارے ذہنوں کی رسائی میں آتا ہے۔ یہ وہی آگہی ہے' یہ وہی جذبہ ہے' جو حقیقی مذہب کو تشکیل دیتا ہے۔ ان معنوں میں اور صرف انھی معنوں میں میں گہرا مذہبی آدمی ہوں"!

اس آیت سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ دوسرے ستاروں اور سیّاروں میں بھی حیات کا سلسلہ موجود ہے جس کا علم اب ہو رہا ہے۔

(ب) کائنات کے اَن گنت مظاہر کی توضیح و تفسیر علمِ فلکیات کا موضوع ہے۔ قبل ازیں انھیں ازلی طور پر جداگانہ اجسام قرار دیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر صدیوں پہلے قرآن حکیم کا یہ فرمان تعجب خیز ٹھہرا تھا: اَوَلَمۡ يَرَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَىۡءٍ حَىٍّ (الانبیا۲۱:۳۰) ـــــ رسولِ برحق کی باتوں کے منکر اس امر پر غور نہیں کرتے کہ آسمان و زمین پہلے باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انھیں جدا کر دیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کر دی۔ آج اس کلّیے کو علمِ فلکیات کی بنیادی صداقت کا درجہ حاصل ہے کہ نظامِ شمسی کے ارکان ـــــ سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سیّارے جن میں چاند اور زمین بھی شامل ہیں' پہلے سب ایک تھے' بعد میں وہ سب الگ الگ کُروں میں بٹ گئے۔

اس آیت میں حیاتیات کی شروعات کی طرف بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ زندگی کی نشوونما کا سرچشمہ پانی ہے۔ اس نظریے کو انیسویں صدی کے ماہرِ حیاتیات چارلس ڈارون (Charles Darwin) سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ قرآنِ مجید صدیوں پہلے اس حقیقت کو واشگاف کر چکا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حیوانیات کی طرح نباتات میں بھی تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔ قرآن کا اعلان ہے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا يَعۡلَمُوۡنَ (یٰسٓ۳۶:۳۶) پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود انسانوں کی جنس میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں۔

اہلِ دنیا کے لیے یہ قرآنی نظریہ بھی حیرت کا باعث بنا رہا کہ کیا مظاہرِ کائنات پر قیامت بھی گذر سکتی ہے؟ اور کیا یہ فنا ہو جائیں گے؟ مگر قرآن مجید نے صدیوں پہلے خبر دے دی تھی کہ ـــــ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۙ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انْكَدَرَتۡ ۙ وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ

Marfat.com

(التکویر ۸۱:۳) جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے ـــــ مگر جدید سائنس نے اب جا کر کہیں اس صداقت کو تسلیم کیا ہے کہ یہ سورج اور تمام اجرام ہائیڈروجن گیس سے بنے ہوئے ہیں جس میں ہر لحہ کمی واقع ہو رہی ہے۔ سورج دو ملین ٹن فی سیکنڈ اپنی حرارت سے محروم ہو رہا ہے' چنانچہ ایک نہ ایک دن وہ ٹھنڈا ہو کر سارے نظامِ شمسی کی شکست وریخت کا باعث بن جائے گا۔

(ج) انسان کی پیدائش اور اس کی نشوونما کی کڑیاں عصرِ حاضر تک الجھی رہیں۔ آخر کار دنیا کو قرآن کا یہی نظریہ تسلیم کرنا پڑا ـــــ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون ۲۳:۱۲'۱۴) ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا' پھر اس کی اٹھان ایک دوسری ہی مخلوق کی حیثیت سے کردی' یعنی اسے حیوان سے ممتاز بنا کر انسان کی صورت بخشی ـــــ ڈارون کا نظریہ یہ ہے کہ انسان حیوانی ترقی ہی کا ایک مرحلہ ہے لیکن قرآن نے سائنسی دلائل وبراہین ہی سے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا۔ موجودہ سائنسی حقائق بتاتے ہیں کہ انسانی اور حیوانی خلقت مرحلہ وار تو ہوتی ہے مگر حیوان ہمیشہ اپنی حیوانی جنس کی آخری حد سے آگے نہیں بڑھ پاتا اور اسی حیثیت سے اس کی پیدائش ہو جاتی ہے مگر انسان کا حیوانی ارتقا رحمِ مادر میں جاری رہتا ہے اور وہ احسنِ تقویم یعنی خوشنما شکل وصورت اور کمپیوٹرائزڈ دماغ لے کر دنیا میں آتا ہے جہاں کائنات کی وسعتیں اس کی بے مثال صلاحیتوں کی نمود کی منتظر ہوتی ہیں۔

یہ وسیع وعریض کائنات محض انسان کی بلند ہمتی کو آزمانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ـــــ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن ۵۵:۳۳) اے گروہِ جن وانس تم سے اگر ہو سکے کہ آسمانوں اور زمین کے کُروں سے گذر جاؤ تو کر گذرو مگر تم ایسا نہیں کر پاؤ گے سوائے "سلطان" کے ـــــ اس آیت میں نفوذ' اقطار اور سلطان کے الفاظ کی معنویت جدید تحقیقات سے پہلے واضح نہ تھی مگر اب ان کے مفاہیم میں کوئی الجھاؤ باقی نہیں رہا ـــــ نفوذ کا لغوی معنی ہے' ایک چیز کی کشش سے آزاد ہو کر کسی دوسری چیز کی جانب کھنچے چلے جانا۔ سائنسی محاورے میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین کی کشش کے حلقے سے چاند یا کسی دوسرے سیّارے کی کشش کے دائرے میں چلے جانا ـــــ اقطار قطر کی جمع ہے جس کا مطلب ہے زمین وآسمان کی جہتیں' گول کُروں کی موٹائی ـــــ سلطان

Marfat.com

قرآن مجید کی ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں' زبردست طاقت' پوری قدرت اور انتہائی سرعت۔ جدید ٹیکنالوجی کے تناظر میں یہ اپالو' کولمبیا' سویز (Swez) چیلنجر اور ایسے راکٹ ہیں جو زبردست طاقت اور برق رفتاری کے ساتھ زمینی کشش کے دائرے کو توڑ کر باہر نکل جاتے ہیں جہاں خلا باز کائنات کی بے اَنت وسعتوں میں اللہ کی آیات کے نظارے دیکھ کر دم بخود ہو جاتے ہیں اور ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے ـــــ

کئی بار اس کی خاطر ذرّے ذرّے کا جگر چیرا
مگر یہ چشمِ حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی

اس منظر نامے سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم وہ واحد کتاب ہے جس نے اس کائنات اور اس کی اشیاء کے خارجی وجود کو تسلیم کیا۔ اس نے انسان کو یونانی تصوّریت کے خول سے نکال کر تحقیقی و تخلیقی نقطۂ نظر عطا کیا تاکہ وہ اپنے مورثِ اعلیٰ کے علمِ اسماء کے ذخیرے میں اضافہ کرے' اپنی خداداد عقلی بصیرت سے کائنات کے فطری قوانین کو سمجھے' اس کے متحرک وجامد اور ظاہر وپوشیدہ خزانوں کا پتا لگا کر ان سے استفادہ کرے۔ غیر مسلم اقوام انہی رہنما خطوط پر چل کر آفاقِ عالم پر اپنی برتری کا سکّہ جمائے ہوئے ہیں۔ قرآن والوں کا منصب یہ ہے کہ وہ اپنی لافانی کتاب کی طرف رجوع کریں' اس کے اَسرار ورُموز سے آشنا ہوں اور جدید تحقیقات سے اس کے علوم وفنون کو آشکار کریں تاکہ دنیا میں اس کی حقّانیت کی خوشبو پھیلے اور جہل وضلالت سے بھری فضا گلشن روشن ہو جائے!

Marfat.com

کعبے پر سب سے پہلا غلاف حضرت اسماعیلؑ نے چڑھایا تھا۔ پھر عدنان نے یہ خدمت انجام دی۔ حضورؐ سے دو سو برس پہلے یمن کے بادشاہ اسعد نے سرخ رنگ کے دھاری دار یمنی کپڑے (الوصائل) کا مکمل غلاف چڑھایا۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور بھی رہا کہ قبائلِ عرب کے سردار مختلف رنگوں کے پردے بھی لٹکاتے تھے۔ حضورؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بچپن میں گم ہوگئے تو ان کی والدہ نے کعبے پر سفید ریشمی غلاف چڑھانے کی منّت مانی جوان کے ملنے پر پوری کی گئی۔ حضورؐ کی نبوت سے پانچ سال پہلے کعبے کی از سرِ نَو تعمیر پر قریش نے بڑے اہتمام سے غلاف چڑھایا ــــ نبیؐ اور حضرت ابوبکرصدیقؓ نے کعبے پر یمنی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ قباطی (مصری کپڑے) کا غلاف بنوانے لگے۔ ریشمی غلاف چڑھانے کی رسم امیر معاویہؓ سے شروع ہوئی ..... پہلے غلاف مختلف رنگوں کے ہوا کرتے تھے۔ مامون الرشید نے سفید اور محمود غزنوی نے زرد رنگ کا غلاف چڑھایا۔ مصر کے فاطمی خلفاء سفید رنگ کے غلاف بھیجتے تھے۔ خلیفہ ناصر عباسی (۵۷۵۔ ۶۲۶ھ) نے سیاہ ریشم کا غلاف بھجوایا۔ اس کے بعد سے اسی رنگ کا غلاف تیار ہو رہا ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی: غلافِ کعبہ کی تاریخ

Marfat.com

# رسول صلی اللہ علیہ وسلم

## زندگی! زندگی

Marfat.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاَحزاب : ۲۱)

تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے!

Marfat.com

# رہبرِ صراطِ مستقیم

عالمِ روحانی کے احوال ہوں یا مادی دنیا کے مسائل ـــــ اولادِ آدم کے لیے ہمیشہ سے اضطراب کا باعث بنے رہے ہیں۔ روحانی کوائف چونکہ اس کی محدود ذہنی رسائیوں سے ماورا ہیں، اس لیے عقل و شعور کی نیرنگ تگ و تاز کے باوجود وہ اس حیرت کدے میں کوئی دریچہ کھولنے پر قادر نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تمدنی مسائل کے روز افزوں پیچ در پیچ سلسلے بھی اس کی عقلیات کی تنگ دامانی اور حسّیات کی بے چارگی کی شہادت دیتے ہیں کیونکہ وہ بے شمار وسائل کے باوجود ان کے حل سے قاصر ہے۔ چنانچہ اہلِ دنیا کو ہمیشہ کسی عالی مرتبت قائد کی ضرورت رہی ہے جس کا شخصی مقام ساری مخلوق سے برتر ہو۔ کائنات کے خالق و مالک نے اپنی مخلوق کی دوسری فطری خواہشات کی طرح اس حاجت کو بھی پورا کیا اور اپنے بلند کردار اور خوش اطوار انبیاءِ کرام ؑ کو مبعوث فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ ایک نظامِ حیات بھی عطا فرمایا تاکہ اس کی روشنی میں اس کے بندے باوقار طریقے سے جینا سیکھیں۔

دینِ اسلام ایک ایسی شمعِ ہدایت ہے جو حضرت آدم ؑ سے روشن ہوئی۔ ان کے بعد انبیاءِ کرام ؑ ظہور کرتے رہے اور چراغ سے چراغ جلتے رہے۔ گردشِ زمانہ کے باعث لوگ جب بھی تعلیماتِ الٰہیہ سے غافل ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتے۔ یوں اسلام باربار تازہ ہوتا اور بھلایا جاتا رہا۔ سرکش قوتیں موقع پاتے ہی انسانیت کے پھولتے پھلتے گلزار کو ریگزاروں میں بدلنے کے لیے مصروف ہو جاتیں۔ ہمدردی اور رفاقت کی بسی بسائی جنت دیکھتے ہی دیکھتے عناد و فساد کا دوزخ بن جاتی۔ ظلم و استبداد کے عفریت امن و آشتی کے متوالوں کا قلع قمع کرنے پر تل جاتے۔ رشد و ہدایت کے نام پر گمراہی کا درس دیا جاتا۔ فنونِ لطیفہ اور ثقافت کے وسیلے سے ذہنی آوارگی اور الحاد کو فروغ

Marfat.com

دیا جاتا۔ تاآنکہ روئے زمیں پر گھٹا ٹوپ کا تسلّط ہوگیا۔ تب خِطّۂ عرب میں ہدایتِ ربّانی کا آفتابِ عالمتاب طلوع ہوا۔ قافلۂ انبیاء کے آخری سالار حضرت محمد ﷺ کا ورودِ مسعود دو انتہاؤں کا منظر نامہ پیش کرتا ہے۔ آپ ؐ اگر علم و حکمت اور رحم و کرم کے ارفع و اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے تو آپ ؐ کے اوّلین مخاطب، عرب جہل و عصیاں کے عروج کو پہنچے ہوئے تھے۔ اس ماحول میں فقط آپ ؐ کی ذاتِ گرامی تھی جو اس لوحِ تاریک پر روشن روشن لفظ تحریر کر سکتی تھی۔ اور آپ ؐ نے اپنی مسیحا نفسی سے یہ معجزہ کر دکھایا۔ تاریخ عالم ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ محض تیئیس برس کے قلیل عرصے میں ایک ستم پرور سماج کی کایا پلٹ گئی ہو۔ کدورتوں کی جگہ محبتوں کی ندیاں رواں ہوگئی ہوں اور زندگی کا جہنم فردوس نما ہوگیا ہو۔ قرآنِ حکیم نے عالمِ انسانیت کے اس انقلاب کو ظلمت سے نور کی طرف اور ضلالت سے صراطِ مستقیم کی جانب سفر سے تعبیر کیا ہے۔

یہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ ــــ قرآنِ مجید میں تیس مقامات پر اسے اہلِ ایمان کے طریقِ زندگی کا نام دیا گیا ہے۔ صراطِ مستقیم ایسے راستے کو کہتے ہیں جو سیدھا، کشادہ، متوازن، آسان اور منزل تک پہنچانے والا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے ــــ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ــــ میرا رب کائنات کو موزوں روش پر چلا رہا ہے۔ دولتِ ایمان سے سرفراز افراد بارگاہِ ایزدی میں متواتر یہ دعا کرتے ہیں ــــ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (الفاتحہ ۱:۵) اے اللہ ہمیں فکر و عمل کی صاف اور درست شاہراہ پر چلا۔ اس دعا کا جواب آتا ہے ــــ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (الفتح ۴۸:۲۰) پروردگار تمھیں ایسا راستہ ضرور دکھائے گا! ــــ یہ وعدہ ہمیشہ پورا ہوا ہے۔ قرآن مجید اور اس کے مبلّغِ اعظم ؐ نے جس طرح مکّہ مکرمہ کی گلیوں میں صراطِ مستقیم کی طرف پکارا تھا، یہ پکار ہر دور کی فضاؤں میں گونجی ہے اور ہدایت کا یہ فیضان ابد تک جاری رہے گا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ؐ نے علامتی اسلوب میں صراطِ مستقیم کی وضاحت فرمائی۔ آپ ؐ نے اپنی انگشتِ مبارک سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا، یوں سمجھو، یہ اللہ کا مقررہ راستہ ہے، بالکل سیدھا۔ بعد ازاں اس لکیر کی دونوں جانب ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا ــــ یہ طرح طرح کے مردود راستے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کی طرف بلانے کے لیے کوئی شیطان موجود نہ ہو۔ پھر آپ ؐ نے سیدھی لکیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرمائی ــــ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ ــــ یہ میرا راستہ ہے،

Marfat.com

بالکل سیدھا' اس پر چلتے جاؤ! واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کے پیش کردہ دینِ اسلام کے سبیل الرشاد پر کاروانِ حیات کا گامزن ہونا ہی فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔ اس کی موجودگی میں دوسرے تمام نظام ایسی پگڈنڈیاں ہیں جن پر چلنا بدی کی وحشتناک اندھیری وادیوں میں کھوجانا ہے' کیونکہ انسان کے تمدنی احوال ہی ایسے ہیں کہ وہ جابجا لغزشیں کھاتا ہے۔ کہیں گھریلو اور معاشرتی زندگی میں ہم جنسوں کی الفت اسے اتنا کمزور کر دیتی ہے کہ شیطان اسے بہکانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کہیں مال و متاعِ دنیا اس خاک کے پتلے پر ایسا جادو کر دیتا ہے کہ وہ جرم و گناہ سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ اس المناک منظرنامے میں وسیلۂ نجات فقط ایک ہے ___ حضورؐ کی سیرت! جس کی روشنی انسان کو راہِ راست سے بھٹکنے نہیں دیتی اور ابلیسیت کا دامِ تزویر ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو حضورؐ کی ذاتِ بابرکات کسی احسانِ عظیم سے کم نہیں۔ اسی لیے قرآنِ پاک کہتا ہے ___ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (ال عمران ۳:۱۶۴) اللہ نے اہلِ ایمان پر احسان فرمایا کہ ان کے اندر خود انھی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا' ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس آیت میں حضورؐ کی بعثت کے تین مقاصد بیان کیے گئے ہیں ___ کلامِ الٰہی کی تعلیمات سے روشناس کرنا۔ انسانوں کی ایسی تربیت کرنا جس سے ان میں عمدہ اوصاف و اطوار نشوونما پائیں۔ منشائے قرآن کے مطابق دانائی سکھانا ___ یہ تینوں مقاصد درحقیقت آپؐ کے منصبِ رسالت کے خوشنما زاویے ہیں۔ ان کے حوالے سے آپؐ نے بندگانِ خدا کو صراطِ مستقیم پر چلایا اور ان کو دنیا و عقبیٰ میں کامرانیوں کی بشارتیں ارزانی کیں۔ بلاشبہ

نجاتِ اخروی و فوزِ دنیوی کے لیے
بس آپ نور کا جادہ ہیں ہر کسی کے لیے

آپؐ کے پیکرِ نوریں سے ہر عہد میں اجالا ہے۔ آپؐ ابدی سرچشمۂ رشد و ہدایت ہیں۔ آپؐ ہی مدارِ حقانیت اور محورِ صداقت ہیں اس لیے آپؐ کی اتباع کے سوا ہر قدم بے اماں اور ہر سفر رائگاں ہے ___ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب ۳۳:۴۵'۴۶) اے نبیؐ محترم! ہم نے آپؐ کو گواہ بنا کر' خوش خبری سنانے والا اور نصیحت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اللہ کے

Marfat.com

اشارے پر اللہ کی طرف بلانے والے ایک روشن چراغ بنائے گئے ہیں ـــــ حضرت جنید بغدادیؒ مقاصد السالکین میں لکھتے ہیں ـــــ خدا تک رسائی کے سبب راستے بند ہیں، بجز راہِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کے۔ جو شخص اس راہِ ہدایت پر چلے گا، وہ یقیناً قربِ الٰہی کے مفازیِ رفیعہ سے ہمکنار ہوگا ـــــ یہ مفازیِ رفیعہ مشروط ہیں صراطِ مستقیم سے جس پر گامزن ہونا دین و دنیا کے انعامات اور ظاہر و باطن کے کمالات سے مشرّف ہونا ہے۔ یہ سلسلہ کسی ایک دَور سے خاص نہیں بلکہ دائمی ہے ـــــ

ازل سے تا بہ ابد وہ محیطِ دَوراں ہیں
ملا ہے وقت کو دستورِ سرمدی اُن سے

یہ دستورِ سرمدی، حیاتِ انسانی کے ایک ایک شعبے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ آپؐ نے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور ملنے جلنے کے آداب سکھائے۔ حکمرانی و جہاں بانی کے اصول و قواعد سمجھائے۔ حرب و دفاع اور صلح و جنگ کے قوانین بتائے۔ حاکم اور رعایا کے تعلقات پر روشنی ڈالی۔ نظم و نسق اور عدل و انصاف کے عالمگیر ضابطے بتائے۔ معلّم و متعلّم کے حقوق و فرائض متعیّن فرمائے۔ علم کی فضیلت اور عمل کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اخوّت و مساوات کے تقاضے ذہن نشین کرائے۔ ہمسایوں اور ہم جلیسوں سے برتاؤ کے قرینے سکھائے۔ ماں باپ اور اولاد کے تعلقات و معاملات سے آشنا کیا۔ خالق کائنات سے مناجات کے سلیقے بتائے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد کی جزئیات و تفصیلات کا تعیّن کرتے ہوئے ان کی عملی ہیئت اور نفاذ کی صورت واضح فرمائی۔ امیروں، غریبوں، اسیروں اور غلاموں سے برتاؤ کے طریقے بتائے۔ ازدواجی زندگی کے رہنما اصول مقرر فرمائے۔ عورت کو کسمپرسی کے عالَم سے نکالا اور ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے اس کے درجات و فضائل بیان فرمائے۔ غمی اور خوشی میں جذبات پر قابو رکھتے ہوئے افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ بخل و اسراف سے پرہیز اور خرید و فروخت میں دھوکہ دہی سے اجتناب کی تلقین فرمائی۔ دوستی اور دشمنی کا معیار مقرر فرماتے ہوئے راہِ اعتدال کا تعیّن فرمایا۔ تجارت اور صنعت و حرفت کے ضوابط بیان فرمائے۔ غرض کیا عبادات اور کیا معاملات، کیا حقوق اللہ اور کیا حقوق العباد ـــــ پیدائش سے موت تک انسانی زندگی کا وہ کونسا پہلو ہے جس کے بارے میں معلّمِ انسانیتؐ کی سیرتِ طیبہ ہماری رہنمائی نہیں کرتی!

تاریخ نے پیغمبرانِ برحق کے صالح کردار اور ان کی قوموں کے نامعقول رویّوں کا

Marfat.com

ریکارڈ محفوظ رکھا ہے۔ اس آئینے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے یہ برگزیدہ بندے کس طرح صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے رہے اور کور چشم لوگ کیونکر خود ساختہ قیاسی فلسفوں کی بھول بھلیّوں میں سرگرداں رہے۔ یوں حق و باطل کی آویزش نمو پاتی رہی اور صراطِ مستقیم پر خدا ناشناسی کی دھند گہری ہوتی چلی گئی۔ یونان، ایران، ہند اور مصر کے افکار و نظریات کا مرکزی نکتہ یہ رہا کہ زندگی متحرک تو ہے مگر یہ حرکت دائرے میں ہوتی ہے۔ عہدِ کہن کے اس عقیدے کو اجرامِ فلکی ـــــ سورج، چاند، سیّاروں اور ستاروں کی گول شکلوں سے تقویت ملی اور یہ فرض کرلیا گیا کہ کائنات ایک مقرّرہ دائرے میں گردش کر رہی ہے۔ اسی بنیاد پر آواگون کا عقیدہ ظہور میں آیا جس کی رُو سے روحِ انسانی اپنی اصل ـــــ روحِ خداوند سے وصال کے لیے زندگی کے "چکر" میں مضطرب رہتی ہے۔ لیکن نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے ان موہوم عقائد کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا اور فرمایا کہ فطرت کا مقصودومنتہا دائرے میں سفر کرنا نہیں کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ جمود ہے۔ انسان کا منصب یہ ہے کہ وہ حرکت و عمل کے ساتھ سیدھے اور ہموار راستے پر قدم آگے بڑھائے تاکہ کون و مکاں کی حقیقتوں سے پردہ اٹھے اور اسے ارتقائی منزلیں نصیب ہوں۔ حضور ؐ کی یہ تعلیم دراصل قرآنِ حکیم کا خلاصہ ہے۔ علاّمہ اقبال اپنے خطبات ـــــ "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> The Quran is a book which emphasizes 'deed' rather than 'idea.'

قرآنِ مجید میں "تصوّر" کے برعکس "عمل" پر زور دیا گیا ہے۔ گویا روحِ اسلام عمل میں ہے اور اسوۂ رسول ؐ اسی عمل کی برقی لہروں کا سرچشمہ ہے۔ اس سے استفادہ کرکے بندگانِ الٰہی اندازِ بندگی سیکھتے ہیں۔

اسلام میں اندازِ بندگی کا مفہوم محض چند مذہبی رسوم کی ادائیگی یا رہبانی عملیات نہیں۔ انسان اللہ کا نائب ہے لہٰذا صرف روئے زمین کی عمل داری اس کا نصب العین نہیں۔ اسے تو تسخیرِ جہاں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ شخصی اعتبار سے ناقص الطبع، ناقص العقل اور ناقص العمل ہے اس لیے موجودات کی وسیع و عریض نظارہ گاہ میں اس کا بھٹک جانا یقینی ہے۔ چنانچہ اس کے باطن کو نورِ یزدانی سے منوّر رکھنے کے لیے کامل الطبع، کامل العقل اور کامل العمل رحمۃ للعالمین ؐ کو رہنما و مقتدا ٹھہرایا گیا

Marfat.com

تاکہ آپؐ کی رہبری میں شعورِ انسانی کی فتوحات کا آغاز ہو۔ یوں بین العالمی تناظر میں آپؐ دنیائے قدیم و جدید کی سرحد پر استادہ نظر آتے ہیں۔ انفس و آفاق کی تمام حقیقتیں آپؐ کی بے نظیر شخصیت کا جلال و جمال ہیں۔ روایت ہے کہ حضورؐ کے دستِ مبارک دعا کے لیے بلند ہوتے تو اکثر یہ صدا آتی ــــ اَللّٰھُمَّ اَرِنِی حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ ــــ الٰہی، مجھے اشیاء کی ماہیتوں سے آگاہ فرما! ــــ اگر حضورؐ ماہیتِ اشیا جاننے کے آرزو مند ہیں تو یہ واضح اشارہ ہے کہ ان کے پیروکار بھی کائنات کے احوال و آثار سے باخبر ہوں۔ چونکہ ان سے ازخود ایسا ہونا ممکن نہیں اس لیے انھیں سرکارِ دو عالمؐ کی رہبری درکار ہے تاکہ وادیٔ امکاں کے سفر میں کوئی گنجلک، کوئی کجی اور کوئی اونچ نیچ مزاحم نہ ہو اور وہ عزیمتوں کے سائبان تلے ارتقا کی منزلیں طے کرتے چلے جائیں۔

فراخیٔ افلاک میں انسان کی موجودہ تگاپو پر معراجِ رسولؐ کا پرتَو نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز کیا جہاں کسی آدمی یا فرشتے کی رسائی نہیں۔ اس حوالے سے آپ کو ارتقاء کے سفر کا بانی مبانی کہنا زیبا ہے۔ یہ صراطِ مستقیم کا آخری پڑاؤ تھا جہاں آپؐ پر ان رازہائے سربستہ کی چہرہ نمائی ہوئی جو ذہنِ انسانی پر کبھی نہ کھلے تھے۔ ان گوشوں تک آپؐ کی رسائی ہوئی جو چشمِ انسان سے مخفی تھے۔ پیکرِ نبوتؐ نے وہ تمام حجابات الٹ دیے جن کی موجودگی میں خاک زادوں کے افکار و حواس معرفتِ الٰہی سے قاصر رہتے۔ اس امّیِ محترمؐ نے خود شناسی اور خدا شناسی کے باب کھولے۔ آپؐ کی ذاتِ گرامی پر علم و عرفان کا اختتام ہوگیا اور اب آپ ہی تا ابد ادراک و بصیرت کا نا مختتم سرچشمہ ہیں ــــ

وہ قبلہ گاہِ اہلِ دل، حکیم ہیں، عظیم ہیں!
مرے حضور، رہبرِ صراط مستقیم ہیں!

Marfat.com

# ابلاغ کا نبوی معیار

محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم برسوں کی جسمانی، ذہنی اور روحانی ریاضتوں کے بعد، غارِ حرا کے خلوت کدے سے باہر تشریف لائے تو حق و صداقت کی نورانی مشعل ان کے ہاتھ میں تھی۔ ان کی شخصیت ان تمام اعلیٰ کمالات سے جگمگا رہی تھی جنھوں نے نوعِ انسان کی ظاہری و باطنی کائنات کو بدل ڈالا۔ اس انقلاب میں حضورؐ کے منفرد اندازِ تکلم نے معجز نما اثر دکھایا۔ ان کے افکار نے جب لفظوں کا روپ دھارا تو مفاہیم کی پھلجھڑیاں چھوٹیں اور ہر طرف خوشنما رنگ بکھر گئے۔ یہ صبغتہ اللہ کی صبحِ عالمتاب کا اجالا تھا۔ اس الوہی رنگ نے حیاتِ انسانی کا اسلوب تبدیل کر دیا اور مطلعِ تہذیب پر پھول ہی پھول کھل گئے۔

ہر تحریک اپنے داعی کے کردار سے نمو حاصل کرتی ہے جسے اندازِ تکلم بے نقاب کرتا ہے۔ آواز، لہجے اور الفاظ سے باطنی وارداتوں کی عکاسی ہوتی ہے جس سے اس شخصیت کے مقام و مرتبے کا تعین ہوتا ہے۔ چونکہ ہر تحریک انسانوں سے متعلق ہوتی ہے، للٰذا ہر طرح کے لوگوں سے اس کا رابطہ ضروری ہوتا ہے۔ رابطے کا اہم ترین وسیلہ گفتگو ہے، چنانچہ عمدہ اسلوبِ بیان ہی کسی داعیِ تحریک کا بنیادی وصف ٹھہرتا ہے۔ رسول اللہؐ نے تیئیس برس تک، کلامِ الٰہی بندگانِ خدا تک پہنچایا اور اپنے بے نظیر اندازِ خطابت سے اس کی تفسیر کی۔ ساتھ ہی ساتھ دعوت وارشاد کی تربیتی محفلیں برپا کیں۔ چونکہ آپؐ کے مخاطبین بالعموم عرب تھے جن کی شناخت ہی شعرو ادب تھی، اس لیے اللہ نے آپؐ کو بھی زبان و بیان کی تمام تر خوبیوں سے نوازا۔

فصاحت، زبان و بیان کا کرشمہ ساز عمل ہے۔ اس میں اگر بلاغت بھی شامل ہو جائے تو اعجازِ کلام پیدا ہوتا ہے ___

Marfat.com

سمجھ میں سب کے آجائے، فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والوں پر، بلاغت اس کو کہتے ہیں

فصاحت و بلاغت قدرتِ اظہار کے اعلیٰ معیار سے جنم لیتی ہے۔ اس سے الفاظ پُر مغز، طاقت ور اور مؤثّر بن کر سماعتوں کو خوشگوار کرتے ہیں۔ حکمت و معرفت کے دریچے کھلتے ہیں اور عملی قوتوں کو مہمیز ملتی ہے۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا:

My Words are life to them that find them and health to all their flesh.

(میرے الفاظ میرے ماننے والوں کے (دلوں کے) لیے نویدِ زندگی اور ان کے اجسام کے لیے پیامِ صحت ہیں۔

حضورؐ نے اظہار کے سارے وسائل سے کام لیا اور فقروں کی ساخت میں ایسے الفاظ کا انتخاب کیا کہ حسن کلام بھی جھوم جھوم اٹھا۔ آپؐ نے اپنے رب کے اس حکم کو منصبِ نبوت سمجھ کر ادا کیا ــــ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶:۱۲۵) ــــ اے رسولؐ! لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلایئے تو دانشمندی اور دلآویز وعظ و نصیحت سے۔ بحث و مباحثے کی صورت میں احسن طریقے سے استدلال فرمایئے! ــــ چنانچہ کلامِ نبوت کے الفاظ جلال و جمالِ گویائی کا شاہکار ہیں۔ کوزے میں سمندر سمو دینے میں آپؐ کو کمال حاصل تھا۔ ان میں کوئی ابہام یا مغالطہ محسوس نہ ہوتا اور سامع کو تفہیم میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔ آپؐ تمام رعایاتِ لفظی سے کام لیتے۔ کبھی تمثیلی انداز اختیار فرماتے تو کبھی علامتوں سے اپنی بات واضح فرماتے۔ آپ کا مرغوب طریقِ گفتگو یہ تھا کہ آپؐ روزمرّہ کی اشیاء سے استدلال و استشہاد فرماتے تاکہ ابلاغ میں کوئی الجھاؤ باقی نہ رہے۔

○ ایک بار اہلِ علم کے مقام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ــــ علماء زمین پر اس طرح ہیں جیسے آسمان پر ستارے کہ بحروبر کی تاریکیوں میں ان سے رہنمائی لی جاتی ہے۔ جس طرح ستاروں کے اوجھل ہونے سے مسافروں کے راستے بھولنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی طرح علما کے بغیر انسانوں کی گمراہی کا خدشہ ہوتا ہے۔

○ خطبے کے دوران میں ایک مرتبہ ڈوبتے سورج پر نگاہ پڑی تو فرمایا ــــ دنیا کی بے ثبات زندگی اتنی ہی باقی ہے جتنی دن کے گذرتے وقت کے مقابلے میں غروبِ آفتاب کی

Marfat.com

یہ مختصر ساعتیں! ___ میرانیس کے وجدان پر اس ارشادِ نبوت کا نزول ہوا تو انہوں نے کہا ___

امید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام

جناب رسالتمآبؐ کی تربیت براہِ راست اللہ تعالیٰ نے فرمائی' اسی لیے آپؐ نے فرمایا: اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ' تَادِیْبِی ___ اللہ نے مجھے شائستگی اور ادب سے مالا مال کیا ہے ___ آپؐ نے فطرتِ انسانی کو بھی آدابِ زندگی سے روشناس کیا۔ اس عمل کے دوران میں آپؐ مخاطب کی ذہنی سطح کا پورا خیال رکھتے۔ آپؐ کو شہری اور دیہاتی بول چال پر عبور حاصل تھا' اس لیے شریکِ گفتگو سے اسی کے لہجے میں ہمکلام ہوتے۔ آپؐ نے اپنی زباندانی کے عناصر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ___ میں عرب میں سب سے زیادہ فصاحت کلام کا مالک ہوں۔ قرآنِ مجید میری منجھی ہوئی عربی زبان میں نازل ہوا۔ میں قریش میں پیدا ہوا اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی تو میرے کلام میں اعراب و قرأت اور فصاحت و بلاغت میں نقص کیسے آسکتا ہے؟

چوتھے سالِ نبوی میں جب اعلانِ حق کا حکم ہوا تو آپؐ نے کوہِ صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اس عہد کے رواج کے مطابق "یَا صَبَاحَا"! "یَا صَبَاحَا"! کی تکرار فرمائی۔ اس پکار پر قریشِ مکہ جمع ہوگئے تو آپؐ نے دلیل و برہان سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

"اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر کچھ شہسوار تم پر حملہ آور ہوا چاہتے ہیں تو کیا تم اس بات کو سچ مان لوگے؟" ___

سب نے بیک زبان کہا: "ہاں! کیوں نہیں' کہ ہم نے آپؐ کو کبھی غلط بیانی کرتے نہیں دیکھا"! ___

تب آپؐ نے توحیدِ الٰہی کی تبلیغ کرتے ہوئے انھیں بت پرستی کے انجام سے باخبر کیا اور فرمایا: میں تمھیں شدید عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں!

ایجاز و اختصار' فصیح و بلیغ زبان کی گراں بہا خصوصیت ہے۔ آپؐ کے پُر حکمت اقوال ایسے ادب پارے ہیں جن سے دلکش مفاہیم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ غالب کی زبان میں' ___ گنجینۂ معنی کا طلسم ان کو سمجھیے! ___ آپؐ نے فرمایا:

اَلشَّوْقُ مَرْکَبِی
شوق میری سواری ہے۔

Marfat.com

| | |
|---|---|
| اَلعِلْمُ سِلَاحِی | علم میرا ہتھیار ہے۔ |
| اَلوَلَدُ لِلْفِرَاش | بچہ اسی کا جس کے بستر پر پیدا ہو۔ |
| اَلشَّبَابُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْجُنُوْنِ | جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ |
| اَلنَّاسُ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ | لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔ |
| رِفْقاً بِالْقَوَارِیْر | شیشوں کو ٹھیس مت پہنچاؤ! (اپنے قول و فعل سے کسی کو دکھ نہ دو!) |

ہمارے شاعروں نے اسی قولِ مبارک سے استنباط کرتے ہوئے کہا ہے ___

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
(میر انیس)

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا
(میر تقی میرا)

خطابت کے دوران میں آپؐ بعض اوقات جوش و جذبے سے سرشار ہو جاتے تو آواز گرجدار اور بلند ہو جاتی۔ الفاظ میں تیقّن کا عنصر شامل ہو جاتا اور آپؐ ہاتھوں اور انگلیوں کے اشارات سے مدد لیتے۔ جس بات پر زور دینا ہوتا' اسے بار بار دہراتے۔ خطبۂ حجتہ الوداع میں غلاموں کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ___ اَرِقَّاءَ کُمْ! اَرِقَّاءَ کُمْ! ___ خطبے کے آخر میں حاضرین سے تین مرتبہ استفسار کیا ___ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ؟ اَلَاھَلْ بَلَّغْتُ! ___ کیا میں نے پیغامِ حق تم تک پہنچا دیا؟ ___ سب نے بیک زبان کہا: بے شک' بے شک! تب آپؐ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھاکر تین مرتبہ فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! اے اللہ تو گواہ رہنا' اے اللہ تو گواہ رہنا' اے اللہ تو گواہ رہنا! تاکیدی کلمات کے آغاز میں اَلَا (خبردار ہو جاؤ!) وَاللہِ (بخدا) وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ (اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے!) کے الفاظ کا اضافہ فرماتے۔

محمد صلّی اللہ علیہ وسلم نبیِ اُمّی تھے تاہم آپؐ کی زبانِ معجز بیان سے ایسے الفاظ و

Marfat.com

محاورات ادا ہوئے جو زبان و ادب میں گرانقدر اضافہ بنے۔ انھیں بجا طور پر انشا پردازی اور خطابت کی روحِ رواں کہا جاسکتا ہے۔ آپ وعظ کا آغاز اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے فرماتے پھر حمد و ثنا کے بعد "اَمَّابَعْدُ" سے موضوعِ تقریر کی طرف آتے۔ یہ الفاظ آج تک اسلامی خطابت کی مستقل روایت چلے آتے ہیں۔ ارشادِ گرامی ہے ___ بُعِثْتُ فِی نَفَسِ السَّاعَۃِ (میں قیامت کے سانس میں بھیجا گیا ہوں) یعنی ایسے دور میں بھیجا گیا ہوں جب کہ باطل قوتوں کے فتنہ و فساد کے باعث "حق" قیامت کی گھڑیوں سے دو چار ہے ___ سرخ گارے والی عمارت کے لیے "مُھْرُوذَۃ" اور تہبند کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے تکبر سے چلنے کے لیے المَخِیْلَہ کا لفظ آپؐ ہی کی ایجاد ہے۔ نسوانی پیکروں کو قواریر (شیشے) فرما کر ان کی ذات و صفات کے کئی پہلو اجاگر فرما دیے۔ حضورؐ کے بیشتر ارشادات اپنی معنویت کے اعتبار سے کلاسیکی مسلّمات کا درجہ اختیار کر گئے ہیں:

(الف) صلح حدیبیہ کشیدگی کی فضا میں ہوئی تھی۔ آپؐ نے اس کے لیے "ھُدْنَۃٌ عَلٰی دَخَنٍ" کا محاورہ استعمال کیا۔ یعنی ایسی صلح جس کے نیچے لڑائی کا دھواں سلگ رہا ہو گویا ___ بغل میں چھری، منہ میں رام رام!

(ب) یَبْصِرُ اَحَدُکُمُ القَذٰی فِی عَیْنِ اَخِیْہِ وَیَدَعُ الْجِذْعِ فِی عَیْنِہٖ ___ تم میں سے کسی کو اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہیں دیتا ___ "اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت" اور "چراغ تلے اندھیرا" کی اس معنویت کو مصطفیٰ زیدی نے اپنے قطعے میں یوں سمویا ہے ___

حدیث ہے کہ اصولاً" گناہگار نہ ہوں
گناہگار پہ پتھر اچھالنے والے
اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر نظر رکھیں
ہماری آنکھ سے تنکے نکالنے والے

(ج) اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ ___ حالی نے اس قولِ رسولؐ کو یوں شعر کا جامہ پہنایا ___

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

(د) اَلْمَاشُ خَیْرٌ مِنْ لَاشٍ معمولی سامان، کچھ نہ ہونے سے بہتر ہے۔

Something is better than nothing .

Marfat.com

(د) اِبْدَاء بِمَنْ تَعُوْلُ — پہلے اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کرو ___
اول خویش بعد درویش۔

Charity begins at home.

(و) لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَہ — سنی سنائی بات دیکھی ہوئی نہیں ہوتی۔
شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

(ر) اِنَّمَا الْاَ عْمَالُ بِالْخَوَاتِم — کام وہی اچھے جن کے نتائج اچھے۔

All is well that ends well.

شیریں کلامی آپ ؐ کا امتیازی وصف تھا۔ آپ فطرۃً کم گو تھے لیکن جب بھی دہنِ مبارک واہوتا' فضاؤں میں رس سا گھل جاتا۔ ہر بات نہایت واضح ہوتی۔ نہ ادھوری گفتگو فرماتے' نہ زیادہ۔ ہر بات خوبصورت موتیوں کی لڑی جیسی ہوتی۔ بعض اوقات الفاظ کا صوتی آہنگ اتنا خوبصورت ہوتا کہ موسیقیت کا گمان ہونے لگتا ___

○ اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمِ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب، ستاروں جیسے ہیں۔ تم جس کی بھی پیروی کروگے' ہدایت پاؤگے)

○ کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ' ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ' حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمَانِ' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْم۔ (دو کلمات ایسے ہیں جو ادائیگی کے لحاظ سے زبان پر نہایت آسان ہیں۔ اجر کے اعتبار سے میزانِ قیامت میں بہت وزنی ہیں۔ یہ دونوں اللہ کو بہت پسند ہیں ___ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْم۔

ان اقوالِ مبارک میں "م" اور "ن" کی تکرار سماعت پر بڑا خوشگوار اثر چھوڑتی ہے۔ بعض مواقع پر ایسا بھی ہوا کہ آپ ؐ کی زبانِ اطہر سے بے ساختہ نیم شاعرانہ کلام موزوں ہوگیا۔ غزوۂ حنین کے دوران میں جب دشمن کے تند و تیز حملے سے جمعیتِ اسلامی تتر بتر ہوگئی تو آپ ؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا ___

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

(میں سچا نبی ہوں اور عبدالمطلب کا پوتا ہوں)

ایک مرتبہ فرمایا:

مَنْ ضَارَ ضَارَ اللّٰه مَنْ شَاقَ شَاقَ اللّٰه

(جو دوسروں کو تکلیف دے' اللہ اسے تکلیف دے۔ جو دوسروں کو مشقت میں

Marfat.com

ڈالے' اللہ اسے مشقت میں ڈالے)

معیاری بول چال کا خاصہ یہ ہے کہ وہ کم ہو مگر استدلال پر مبنی ہو (خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ) گفتارِ رسالت مآب ؐ اس میزان پر پوری اترتی ہے۔ یہ آپ ؐ کی سحرالبیانی کا اعجاز ہی تو تھا ـــــ

جس نے فصیح اللسان اہلِ عرب کو دنگ کر کے ان کے پتھر دلوں کو گداز کر دیا تھا۔ آپ ؐ کے چھوٹے چھوٹے کلمات اپنے مطلب کے اعتبار سے حکمت و دانش کے آبدار موتی ہیں جن کی چمک دمک سے عالمِ وجدان جگمگا اٹھتا ہے' دل مفتوح ہوتے چلے جاتے ہیں اور فکری و عملی قوتوں کو نورِ ہدایت ارزانی ہوتا ہے۔

اپنے دین کی سچائی کو لاٹھی نہ بناؤ! ـــــ اپنے دین کی سچائی کو میزبان بنا کر دوسرے ادیان کی سچائی کو مہمان بناؤ! ـــــ دوسروں کا ذوقِ یقین بھی ان کے اندر وہی یا اس جیسی کیفیت پیدا کر رہا ہے جیسے آپ کے ساتھ آپ کا ذوقِ یقین۔ بڑا دین یا بہت سچا دین' بڑے دریا کی طرح ہوتا ہے جو سب ندی نالوں کو اپنے ساتھ ملا کر سمندر سے واصل کرتا ہے ـــــ دریا' ملاپ کرتے ہیں' لڑائیاں نہیں کرتے!

واصف علی واصف: کرن کرن سورج

Marfat.com

# دین کی بنیاد' وحی و نبوّت

کائنات ایک ایسی نظارہ گاہ ہے جس کی ایک ایک شے اپنے اندر جہانِ معنی رکھتی ہے۔ یہ معنویت اس محدّب عدسے کی طرح ہے جس میں لحہ بہ لحہ نیرنگیاں منعکس ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر اہلِ بصیرت حیران رہ جاتے ہیں۔ تخلیق کا ہر مظہر امرِ الٰہی کے مطابق نت نئی شان سے سرگرمِ عمل ہے۔ عرفِ عام میں اسے قانونِ فطرت کہا جاتا ہے۔ حیوانات میں یہ جبلّت کے نام سے موجود ہوتا ہے جس کی رہنمائی میں وہ زندگی گزارتے ہیں۔ اس قانونِ فطرت یا امرِ الٰہی کو "وحی" کہا جاتا ہے جس کے معنی اشارۂ لطیف (Inspiration) کے ہیں۔ اس کے ذریعے قدرت' معاملہ فہمی بخشتی اور الجھن میں تدبیر سمجھاتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں شہد کی مکھی کے متعلق کہا گیا۔ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتاً ___ تمھارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں میں گھر بنالے! ___

انسان بھی طبعی (Physical) اعتبار سے قانونِ فطرت کے مطابق روز و شب گزارتے ہیں۔ ان کی پیدائش' موت' بیماری' بیداری' نیند' بھوک' پیاس وغیرہ تمام بشری تقاضے اور فطری مطالبات اسی کے اشارے سے رُوبہ عمل آتے ہیں۔ تاہم وہ اپنے شرفِ انسانیت کے بموجب چونکہ اپنی ذات و صفات سے الگ ایک تمدنی زندگی بھی بسر کرتے ہیں' اس تناظر میں ان کو دوسری مخلوق سے جداگانہ ایک ایسے آئینِ معاشرت کی حاجت بھی ہے جو ان کے انفرادی' گھریلو' خاندانی' معاشرتی' ملی اور بین الاقوامی معاملات کو حسن و خوبی سے نمٹا سکے۔

اپنے تمدنی مسائل کے حل کے لیے انسان نے ہر عہد میں ایسا آئین تراشنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اس سلسلے میں کبھی اس نے عقل کو اپنا رہنما قرار دیا مگر ناقص انسان کی

Marfat.com

ناقص عقل نے اس سے اکثر ناقص فیصلے کرائے۔ کبھی انسان نے علمِ طبیعی یا سائنس پر تکیہ کیا لیکن سائنس جو فقط موجودات کے مشاہدات و تجربات پر بھروسہ کرتی ہے، اپنی محدودیت کے باعث روحانی مسائل واقدار تک رسائی اور ان کی تشریح و توضیح سے قاصر ہے، حالانکہ یہ آدمی کی عمرانی زندگی کا ایک ناگزیر اور وسیع حصہ ہیں۔ اب رہا واقعات کا تاریخی ریکارڈ جس کے حوالے سے کسی ضابطۂ حیات کا تعین ممکن ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ تاریخی ریکارڈ خود مستند ہے؟ اور کیا اگلی نسلوں تک اس کے پہنچنے کے ذرائع کو باوثوق ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ ــــ ظاہر ہے۔ تاریخ کے پاس ان سوالات کا تسلی بخش جواب نہیں لہٰذا زندگی بسر کرنے کے لیے یہ ذریعہ بھی قابلِ اعتماد نہیں!

تو پھر کیا کیا جائے؟ ــــ آدم زاد کو دنیا کے نشیب و فراز میں ٹامک ٹوئیے مارنے کے لیے آوارہ چھوڑ دیا جائے؟ ــــ نہیں! جس خالق و مالک نے اسے پیدا کیا اور ایک رہنما فطرت صحیحہ سے نوازا جو اسے کارزارِ حیات میں روشنی دیتی ہے، اسی اللہ نے اسے ایک قانونِ معاشرت بھی عطا کیا جسے "دین" کیا جاتا ہے۔ یہ بھی "وحی" کی ایک صورت ہے مگر اس کا قاعدہ یہ ہے کہ قانونِ طبیعی کی طرح اسے ہر شخص کو تفویض نہیں کیا جاتا بلکہ مخصوص انسانوں کو اس سے مشرف کیا جاتا ہے جنھیں پیغمبر، نبی یا رسول کہتے ہیں۔ تلاشِ حقیقت کے سلسلے میں ہمیشہ انھی دو وسیلوں سے کام لیا جاتا رہا۔ متوازن عقل و خرد کے حامل افراد نے اپنی فکری و تجرباتی تگ ودو سے عالمِ موجودات کے سربستہ راز منکشف کیے۔ وحی کی صورت میں فیضانِ ربوبیت کا وہ کرشمہ ظہور میں آیا جس نے نوعِ بشر کو روحانی و اخلاقی اور فکری و عملی اعتبار سے رفعت مآب کیا۔ دراصل اللہ کریم کی حکمت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ ہر انسان طبیعی دنیا کے اسرارِ نہاں کی دریافت کے لیے پیہم کاوشیں کرے، نیز نبی اور رسول، الوہی تعلیمات سے اولادِ آدم کو رشد و ہدایت کے راستے پر گامزن کریں۔ دریافت اور وحی کے ان دونوں سلسلوں کا نصب العین یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کی تکمیل ہو۔ وہ فطرت کا راز دان ہو اور صفحۂ ہستی پر اپنی کامرانیوں کی داستان رقم کرکے احسنِ تقویم کے اعزاز کو حق بجانب ثابت کرے۔

وحی کے ان دونوں سلسلوں میں ایک حدِ فاصل موجود ہے۔ وہ یہ کہ انسان اپنی جبلی کوشش سے محض مادی دنیا کی پوشیدہ حقیقتوں کا انکشاف کرسکتا ہے مگر "الدین" کی شکل میں جو حقائق منکشف ہوتے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ براہِ راست اپنے اصحابِ وحی، انبیاء

Marfat.com

تک منتقل کرتا ہے۔ انتقالِ وحی کسی فرشتے کے توسّط سے الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ کسی خیال کی صورت میں بھی پیغمبر کے وجدان میں اتر سکتا ہے اور کسی معاملے کو سلجھانے کے لیے یہ کوئی سچا خواب بھی ہو سکتا ہے ـــــ صورت کوئی بھی ہو، مقصد فقط انسان کو مادی، معاشرتی اور روحانی لحاظ سے صراطِ مستقیم پر چلانا ہے۔

تاریخِ عالم نے اللہ کے برگزیدہ بندوں ـــــ پیغمبروں، نبیوں اور رسولوں کے تذکرے کو محفوظ رکھا ہے۔ محمد ﷺ کے ذکرِ جمیل پر اس باب کا اختتام ہوگیا۔ اب آخری، مکمل اور برحق دین وہی ہے جو آپ ؐ نے "اسلام" کی شکل میں پیش فرما دیا۔ یہ کوئی ایسا طریقِ زندگی نہیں جسے کسی فلسفی، کسی مصلح، کسی سائنسدان یا کسی حکمران نے تصنیف کیا ہو بلکہ یہ وہ آفاقی نصابِ زیست ہے جس کی صداقت کے لیے تین ناقابلِ تردید دلائل موجود ہیں ـــــ ایک یہ کہ اسے عقلِ کُل اور سرچشمۂ معرفت، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے مرتّب کیا ـــــ دوسرے یہ کہ اسے وحی کے انتہائی قابلِ اعتبار حوالے سے اپنے خوش خصال پیغمبروں تک پہنچایا ـــــ تیسرے یہ کہ اس کی تکمیل محمد ﷺ کی عظیم الشان ہستی کے ہاتھوں سے ہوئی جن کی ذہنی و فکری سطح ماضی، حال اور مستقبل کے ایک ایک انسان سے بالاتر ہے۔ ان کی سیرت بنی آدم کے تمام اہلِ صفا سے پاکیزہ تر ہے۔ انھی اوصاف کی بنا پر انھیں خالق و مخلوق کی محبوبیت کا درجہ حاصل ہوا اور وہ دائمی طور پر لائقِ اطاعت ٹھہرے۔ کردار کی یہ غیر معمولی برتری اور فوقیت جہاں ان کے نبیِ برحق ہونے کی روشن دلیل ہے، وہاں وحی کی چھاپ کے ساتھ ان کے پیش کردہ اسلام کی صداقت کا ثبوت بھی ہے۔

وحی اور نبوت لازم و ملزوم ہیں۔ ان دونوں اوصاف کا متّصف وہی عظمت مآب انسان ہو سکتا ہے جو شخصی اور اجتماعی لحاظ سے اپنے دور کا ممتاز ترین فرد ہو۔ تبھی اس کی زندگی نمونۂ تقلید بن سکتی ہے، تبھی اس کے کلام میں الُوہیت کی لہریں دوڑ سکتی ہیں، تبھی اس کی تعلیمات مؤثّر ہو سکتی ہیں۔ رسولِ ختمی مرتبت ؐ کی رفعت مآبی کا عالم یہ ہے کہ وہ تمام پیغمبرانِ عالی مقام سے بھی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جمالی و جلالی شخصیت کا قول و عمل رہتی دنیا تک واجب الاطاعت ہے۔ ان کی تعلیم وہ بالا تر قانون (Supreme Law) ہے جو وحی کی صورت میں فرمانروائے اعظم اللہ تعالیٰ نے ان کو سونپا ہے، خواہ وہ اس فرمانروا کے سرمدی کلام پر مشتمل ہو جسے قرآن کہتے ہیں، خواہ

Marfat.com

رسولِ اکرم ؐ کا اسوۂ حسنہ یا آپ ؐ کی سنّت ہو جو قرآنی فرامین و احکام کی توضیحات و تشریحات پر مشتمل ہے ـــــ انہی دونوں ستونوں پر دینِ اسلام کی عمارت استوار ہے جس کے سائے میں بھُولے بھٹکے انسان بادلِ نخواستہ نہیں بلکہ برضا و رغبت پناہ لیتے ہیں۔ اس کا اعجاز یہ ہے کہ علیم و خبیر رب کائنات کے غیر محدود علم و حکمت کا شاہکار ہونے کے باعث اس کے اندر جامعیت اور ہمہ گیری کا وصف موجود ہے۔ اس کی حقّانیت کی دلیل یہ ہے کہ یہ ہر زمانے کے لوگوں کے لیے کامل و اکمل اسلُوبِ حیات پیش کرتا ہے۔ اسی بنا پر اسے کامیاب زندگی گزارنے کی مستند دستاویز قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے ـــــ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام ـــــ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے!

اسلام کو ابھی انسانیت کی ایک اور خدمت انجام دینی ہے۔ مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی سوسائٹی نے اس جیسی کامیابی حاصل نہیں کی۔ افریقہ‘ ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں‘ روایات اور نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کر دیتا ہے ـــــ اگر مشرق و مغرب کی عظیم سوسائٹیوں میں مخالفت کی بجائے باہمی تعاون پیدا کرنا ہے تو اس کے لیے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا۔

مُستشرق ـــ گب (Gibb) Whither Islam:

Marfat.com

# سُنّت ـــــ سرچشمۂ ہدایت

دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے' ان کا فرضِ منصبی یہ قرار پایا تھا کہ وہ نسلِ انسانی کو عقائد و اعمال کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و اسلام کی تابناک راہگزر پر گامزن کریں اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو محیط ایسا نظامِ فکرو عمل پیش کریں جو تمام نوعِ بشر کے لیے یکساں مفید ہو۔ اس مقصد کے پیشِ نظر انھوں نے قندیلِ الٰہی سے روشنی حاصل کی جس سے ان کے قلب و ضمیر اور فکرو وجدان کی پہنائیاں جگمگا اٹھیں۔ ان کی نگاہوں کے سامنے جہانِ بصیرت بے نقاب ہوا ور وہ اسرارِ حیات سے آگاہ ہوکر انسانی معاشرے کو اعلیٰ کردار و اخلاق کے سانچے میں ڈھالنے کے قابل ہوگئے۔

اللہ کی جانب سے بندوں کے لیے احکام و ہدایات کی ترسیل کا جو سلسلہ اوّلین پیغمبر حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا' محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر منقطع ہوگیا۔ اس لیے آخری آسمانی کتاب قرآنِ مجید میں پیغمبر آخر الزمانؐ کی تعلیمات اور ان کے اخلاق و کردار کو عالمِ انسانیت کے لیے ابدی معیار زندگی اور مثالی نمونۂ حیات قرار دیا گیا۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ درجۂ معنویت سے بھرپُور یہ تبصرہ ـــــ کَانَ خُلقُهٗ قُرآن ـــــ آنحضرتؐ کی گراں قدر شخصیت کے تمام بے مثال پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ آپؐ کا اسوۂ حسنہ (Excellent Model) قرآنِ کریم کی حسین و جمیل عملی تفسیر ہے جسے دینی اصطلاح میں سنّت کہا جاتا ہے۔ گویا قرآن کو سمجھنے کے لیے محمد ﷺ اور محمد ﷺ کو سمجھنے کے لیے قرآن کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے تناظر میں سمجھنا اسلام کو بتمام و کمال جاننا ہے کیونکہ ان دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے ـــــ وحیِ الٰہی!

مذہبی عقائد ہوں یا امورِ دنیا ـــــ انسان کے لیے ہمیشہ سے ایک چیلنج بنے ہوئے

Marfat.com

ہیں۔ جہاں تک عقائد کا تعلق ہے' یہ فوق الادراک بنیادوں پر قائم اور ذہنِ انسانی کی رسائی سے ماورا ہیں۔ رہے امورِ دنیا تو انسان اپنی عقل و دانش کی بلند پروازی کے باوجود ابھی تک کارخانۂ قدرت اور طلسمِ زندگی کی حقیقت کو نہیں جان سکا اور اپنے ہی پیدا کردہ مسائل کو حل کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا ایک ایسے غیر معمولی رہنما کی ضرورت ہے جو ہر اعتبار سے لائقِ اعتماد ہو۔ اس معیار پر بالاتفاق صرف محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی پوری اترتی ہے۔ ہم آپؐ کے حوالے سے اللہ کی ہستی پر ایمان لائے ہیں۔ آپؐ کے کہنے پر قرآن کو کلام الٰہی مانا ہے لہٰذا توضیحِ قرآن اور مسائلِ حیات کے سلسلے میں آپؐ ہی کے افکار و کردار کو سند ماننا لازم آتا ہے کیونکہ آپؐ معرفتِ ربانی کے اس مقامِ محمود پر فائز ہیں جہاں بقولِ قرآن ـــــ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ـــــ آپؐ اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے' یہ تو وحیِ الٰہی ہے جس کا فیضان آپؐ پر ہوتا ہے۔

قرآن میں اللہ اور بندے کے درمیان رابطے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں ـــــ براہِ راست وحی یعنی الہامی اسلوب میں کوئی خیال یا اشارۂ لطیف (Inspiration) پیدا کر دیا جائے۔ یا پردے کے پیچھے سے کلام کیا جائے جیسے طورِ سینا پر حضرت موسیٰؑ سے تخاطب ہوا۔ یا کسی فرشتے کے وسیلے سے اللہ کا پیغام پہنچایا جائے ـــــ قرآنِ حکیم تیسری وحی پر مشتمل ہے جسے جبریل لے کر آئے۔ تاہم اس بالواسطہ وحی کے علاوہ باقی دونوں صورتوں میں بھی رسول اللہؐ کو ہدایات ملتی رہی ہیں ـــــ مثلاً قرآن میں نماز' روزے' زکوٰۃ اور حج کا حکم آیا ہے مگر ان کے مسائل و احکام کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ ان کے متعلق آپؐ نے نہ صرف زبانی صراحت فرمائی بلکہ عمل کر کے بھی دکھایا۔ قرآن میں صرف چار چیزوں ـــــ مُردار' خون' خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر ذبیحے کو حرام ٹھہرا کر کہا گیا ـــــ "رسولؐ کو پاکیزہ چیزیں حلال کرنے اور ناپاک اشیاء کو حرام ٹھہرانے کا حق دیا گیا ہے"۔ چنانچہ سانپ' کوے اور گدھ وغیرہ کی حرمت اور حلال جانوروں کی تفصیل سنّتِ رسول کے سوا اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔ اسی طرح قرآن نے چند عورتوں سے نکاح کو حرام ٹھہرا کر کہہ دیا ـــــ "ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں" لیکن ان احکام شریعت کی جزئیات رسول اللہؐ نے ارشاد فرمائیں۔ مثلاً کوئی عورت اپنی چچی یا ممانی کی موجودگی میں کسی مرد کی منکوحہ نہیں بن سکتی۔ چنانچہ قرآنی اجمال کی تفصیل کے لیے سنّت کی طرف رجوع کرنا لازم آتا ہے جو وحی ہی کی ایک صورت ہے۔

Marfat.com

مطالعۂ قرآن سے براہِ راست وحی کی متعدد مثالیں سامنے آتی ہیں ــــــ مثلاً بیتُ المقدِس کی بجائے خانۂ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے کا حکم دیا گیا۔ سارے قرآن کا مطالعہ کر جائیے مگر قبلۂ اوّل بیتُ المقدِس کی جانب رخ کرنے کا کوئی حکم نظر نہیں آتا حالانکہ آپؐ چودہ سال تک متواتر اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے' پڑھاتے رہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی آپؐ کو اللہ کی ہدایات موصول ہوتی تھیں۔ جنگِ بدر کے بعد اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ (الانفال ۸:۸)

"مسلمانو' اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں "(تجارتی قافلے اور قریشی لشکر) میں سے ایک تمہارے قابو میں آجائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ غیر مسلّح جماعت (تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ لگے مگر اللہ کو منظور تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھائے اور کفّار کی کمر توڑ دے ــــــ سارے قرآن میں کہیں کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے اللہ کے اس وعدے کا پتا چلے کہ قریش کی ایک جماعت پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ یہ اس دعوے کا بیّن ثبوت ہے کہ حضورؐ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کی جانی چاہیے کہ ہیئت کے لحاظ سے وحی کی دو قسمیں ہیں ــــــ ایک وحیِ جلی یا مَتلُو' دوسری وحیِ خفی یا غیر مَتلُو۔ قرآنِ مجید وحیِ مَتلُو ہے یعنی اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ کے ہیں اور نبی اکرمؐ انہیں بعینہٖ مخلوقِ خدا تک پہنچانے پر مامُور ہیں۔ لیکن سنّتِ نبوی وحیِ غیر مَتلُو ہے یعنی اس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ حضورؐ یہ وحی' اللہ کے الفاظ میں نہیں بلکہ اپنے ارشادات' افعال اور فیصلوں کی صورت میں لوگوں تک پہنچاتے تھے ــــــ اگر ایک شخص یہ تسلیم کرتا ہو کہ نبی کے پاس پہلی قسم کی وحی آسکتی ہے تو آخر اسے یہ ماننے میں کیا چیز مانع ہے کہ اس نبی کے پاس دوسری وحی بھی آسکتی ہے۔ اگر قرآن کا معجزانہ کلام ہمیں یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہو سکتا ہے تو کیا رسولِ پاکؐ کی معجزانہ زندگی اور آپؐ کے معجزانہ کارنامے ہمیں یہ یقین نہیں دلاتے کہ یہ بھی خدا کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں۔

جس طرح زندگی کی نشوونما اور رونقِ صبح و شام کے لیے چاند اور سورج ارزانی کیے

Marfat.com

گئے ہیں' اسی طرح عالمِ انسانیت کو دو انمول تحفے عطا ہوئے ہیں۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ـــــ ایک نورِ حقیقت یعنی ذاتِ رسالت مآب ؐ اور دوسرا خزینۂ حقائق و معارف' قرآن ـــــ یہ دونوں ایک ہی قندیل کا سرمدی اجالا ہیں اس لیے صحیح فہمِ قرآن اسی شخص کو نصیب ہو سکتا ہے جو سنّتِ رسول ؐ سے آگاہ ہو' ورنہ عقلِ عیّار کی بے سمت تگ و تاز اسے شکوک و شبہات کی وادیوں میں بھٹکا دے گی۔ چنانچہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے قرآن اتارا گیا اور قرآن کو سمجھنے کے لیے محسنِ انسانیت ؐ کو مبعوث کیا گیا۔ آپ ؐ نے زندگی گزارنے کے لیے عقائد' عبادات اور اخلاق سے متعلق جو اصول اور مسائل بیان فرمائے' وہ اس قدر کامل اور اعلیٰ پائے کے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے دانشور اور قانون دان کے تصوّر میں نہیں آسکتے اور وحیِ الٰہی کے بغیر ان کا خیال بھی کسی کے دل میں نہیں گزر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ؐ کی پیش کردہ آفاقی تعلیم و ہدایت ابدی اہمیت کی حامل ہے جو ہر دور کے تقاضوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ امن و محبت کے سدا بہار پھولوں سے گلپاشی کرتی ہے' کہیں قرآنی آیات کی شکل میں' کہیں سیرتِ مبارکہ کے اعلیٰ انسانی مظاہرے میں تو کہیں سنّت کے قابلِ تقلید اسلوب میں۔ اسی لیے مخبرِ صادق ؐ نے فرمایا ـــــ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ ـــــ "یاد رکھو مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور"!

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ "اتنا ہی اور" کیا ہے؟ ظاہر ہے یہ قرآن کے علاوہ کچھ اور ہے۔ اس کی وضاحت اللہ نے فرمائی ـــــ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲۰:۱۰) ـــــ اس آیت میں محمد ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں ـــــ آیاتِ قرآنی سنانا' لوگوں کو عمدہ اوصاف و اخلاق سے مزیّن کرنا' قرآن کے انقلابی نصب العین کو ذہنوں میں جاگزیں کرنے کے لیے حکمت کی تعلیم دینا اور زندگی کے حقائق سے پردہ اٹھانا ـــــ یہاں الکتاب اور الحکمہ کے ایک ساتھ ذکر سے مراد حکمتِ کتاب ہے یعنی اسرار و معارف کے خزینے قرآن میں جن احکام و فرامین اور اخلاقی و اصلاحی موضوعات پر مواد موجود ہے' اس کا صحیح علم اور درست عمل رسولِ اکرم ؐ کو بخشا گیا ہے۔ آپ کا یہ علم و عمل سنّت کہلاتا ہے جسے آپ ؐ نے اپنی تیئس سالہ پیغمبرانہ حیاتِ مبارکہ میں پیش کیا۔ چونکہ آپ ؐ کی ہر سنّت کا تعلق قرآنی تعلیمات سے ہے لہٰذا وہ بھی قرآن کی طرح مُنزّل

Marfat.com

منَ اللہ اور من جانبِ اللہ ہے جس سے انکار دراصل آپ ؐ کی رسالت کا انکار ہے۔
قرآن و سنّت کے اسی نازک رشتے کے بارے میں بجا طور پر کہا گیا ہے ـــــ

محمد ﷺ کی "اطاعت" دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

دین کا زیادہ تعلق چونکہ انسان کے باطن سے ہے اس لیے وہ فطری طور پر انھیں باتوں کو خوش دلی سے قبول کرتا ہے جن کے متعلق اس کا ضمیر مطمئن ہو کہ یہی منشاءِ خداوندی ہے۔ چنانچہ وہ فقہاء اور ائمہ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوتا ہے کہ جن احکام کی وضاحت میں اللہ کے رسول ؐ نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا' ان کے متعلق دینی احکام حاصل کیے جائیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس نازک کام کے لیے عوام ہر شخص پر تو اعتماد نہیں کر سکتے۔ وہ اس معاملے میں صرف انھی حضرات کی تصریحات اور فیصلوں پر اعتماد کر سکتے ہیں جن کے زہد و تقویٰ' جن کی للّٰہیت' جن کی علمی استعداد' حالات کے صحیح فہم و ادراک اور پھر دینی تعلیمات کو حالات پر منطبق کرنے کی صلاحیت پر انھیں پورا بھروسہ ہو۔

**عبدالحمید صدیقی: مذہب اور تجدیدِ مذہب**

Marfat.com

# سُنّت و سیرت ـــــ ضامنِ ایمان

اسلام کوئی ایسا نظامِ فکر و عمل نہیں جسے پیغمبرِ آخر الزّماں محمد ﷺ نے ایجاد کیا بلکہ یہ تو وہی الوہی پیغام ہے جو کرۂ ارض پر انسان کو اس کی تخلیق کے ساتھ ہی بخشا گیا اور جس کی دعوت حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء دیتے آئے۔ یہ الگ بات کہ ان انبیاء کے پیش کردہ اسلام میں ان کے پیروکاروں نے تخیلاتی، علمی اور عملی عناصر کی آمیزش کر کے اس کی اصل شکل مسخ کر دی۔ بالآخر اسلام کو اس کی ساری توانائیوں سمیت اجاگر کرنے کے لیے محمد ﷺ کا ظہورِ قدسی ہوا۔ اب نوعِ بشر کے لیے آخری، مکمّل اور برحق دین وہی ہے جو محمد ﷺ نے پیش فرمایا۔ آپؐ کی تشریف آوری عالمِ انسانیت کے لیے فوز و فلاح کی بشارت ثابت ہوئی۔ اللہ نے اعلان کیا ـــــ كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنكُمْ يَتْلُوْاعَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲:۱۵۱) ہم نے تمہاری اندر تمھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیات سناتا اور تمہارے ظاہر و باطن کی صفائی کرتا ہے۔ تمہیں کتاب اللہ اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے اور وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ـــــ لہٰذا آپؐ کا فیضان قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے لیے معیارِ صداقت ٹھہرتا ہے۔ آپؐ نے ان حقائق کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا جن تک انسان کی رسائی ممکن نہ تھی۔ یوں خاک نشین اللہ سے ہم سخن ہوئے اور انسانیت باوقار ہوئی۔

رسالتِ محمدی ﷺ آخری سفارتِ الٰہی ہے۔ چونکہ اللہ غیر مرئی ہے اور انسان کے احاطۂ ادراک سے باہر، اس لیے اس کی ذات و صفات اور احکامات سے آگاہی کے لیے ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جس کا عقلی مرتبہ مادی فلسفے کی عطا کردہ صلاحیتوں سے بالاتر ہو۔ کائنات میں ایسی مُسلّمہ شخصیت محمد ﷺ کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ نے آپؐ کو

Marfat.com

معلّم، پیشوا، شارع، مفسّرِ کلامِ الٰہی، منصفِ عادل، حاکم اور ہادی و رہنما بنا کر بھیجا۔ یہ تمام مناصب آپؐ کی رسالت کا لازمہ ہیں۔ زندگی چونکہ مسائل و معاملات کی رنگارنگی سے عبارت ہے اس لیے ان کا حل آپ کی عظیم روحانی ہستی کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ حق آگاہی کا اعلیٰ ترین ذریعہ آپؐ ہی کی ذات گرامی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ___ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران ۳:۳۱) حبِّ الٰہی کے دعوے داروں سے فرما دیجئے کہ اگر وہ اتباعِ رسول کریں گے تبھی اپنے دعوے میں سچے ہوں گے ___ گویا اللہ کی رضاجوئی کے لیے حضورؐ کی اطاعت ضروری ہے، جس کی تصریح کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے ___ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ___ رسول اللہ جو کچھ تمہیں دیں، لے لو اور جس سے منع فرمائیں، رک جاؤ!

محمد ﷺ کی تعلیمات نسلِ انسانی تک دو طرح سے پہنچی ہیں۔ ایک کلامِ الٰہی جو حرف بحرف اللہ کے فرامین اور ارشادات پر مشتمل ہے۔ دوسرے آپؐ کا اسوۂ حسنہ جو درحقیقت کلامِ الٰہی کی تشریح و توضیح ہے جس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے كَانَ خُلُقُهٗ قُرْاٰنٌ ۔ محمد ﷺ نے مسلسل تیئس برس تک افراد کی تربیت کی، ایک جاندار مہذّب معاشرہ قائم کیا۔ ایک بے مثال فلاحی ریاست کی تشکیل کی اور آئندہ زمانوں کے لیے صالح زندگی گذارنے کا اسلوب وضع فرمایا۔ یہ اصلاحی تحریک اور نصابِ حیات اصطلاحِ شریعت میں ''سنّت'' کے نام سے موسُوم ہے جو آپؐ کے اقوال و اعمال کے مستند ذخیرے کی شکل میں موجود ہے۔ اس میں وہ قابلِ قدر مواد بھی شامل ہے جسے اصطلاح میں تقریر کہا جاتا ہے۔ یعنی آپؐ نے اپنے سامنے کوئی کام ہوتے دیکھا اور منع نہیں فرمایا۔ یہ بھی سنّت کے زمرے میں آتا ہے۔

رسول اللہؐ محض ایک روحانی شخصیت یا فصیح البیان واعظ نہیں تھے بلکہ ''عقائد و تصورات سے لے کر عملی زندگی کے تمام گوشوں تک مسلم سوسائٹی کی پوری تشکیل آپؐ ہی کے بتائے، سکھائے اور مقرر کیے ہوئے طریقوں پر ہوئی تھی۔ اس لیے کبھی یہ نہیں ہوا کہ آپؐ نے نماز، روزے اور مناسکِ حج کی جو تعلیم دی ہو، بس وہی مسلمانوں میں رواج پا گئی ہو، باقی باتیں محض وعظ و ارشاد میں مسلمان سُن کر رہ جاتے ہوں۔ بلکہ فی الواقع جو کچھ ہوا، وہ یہ تھا کہ جس طرح آپ کی سکھائی ہوئی نماز فوراً مسجدوں میں رائج ہوئی اور اسی وقت جماعتیں اس پر قائم ہونے لگیں، اسی طرح شادی بیاہ اور طلاق

Marfat.com

وراثت کے متعلق جو قوانین آپ ؐ نے مقرر کیے' انہی پر مسلم خاندانوں میں عمل شروع ہوگیا۔ لین دین کے جو ضابطے آپ ؐ نے مقرر کیے' انہی کا بازاروں میں چلن ہونے لگا۔ مقدّمات کے جو فیصلے آپ ؐ نے کیے' وہی ملک کا قانون قرار پائے۔ لڑائیوں میں جو معاملات آپ ؐ نے دشمنوں کے ساتھ اور فتح پا کر مفتوح علاقوں کی آبادی کے ساتھ کیے' وہی مسلم مملکت کے ضابطے بن گئے اور فی الجملہ اسلامی معاشرہ اور اس کا نظام حیات اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ انہی سنّتوں پر قائم ہوا جو آپ نے خود رائج کیں یا جنہیں پہلے کے مروّج طریقوں میں سے بعض کو برقرار رکھ کر آپ ؐ نے سنّتِ اسلام کا جزو بنالیا ـــــ یہ وہ معلوم و متعارف سنّتیں تھیں جن پر مسجد سے لے کر خاندان' منڈی' عدالت' ایوان حکومت اور بین الاقوامی سیاست تک مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تمام ادارات نے حضور ؐ کی زندگی ہی میں عمل درآمد شروع کر دیا تھا اور بعد میں خلفاءِ راشدین کے عہد سے لے کر دورِ حاضر تک ہمارے اجتماعی ادارات کا ڈھانچہ انہی پر قائم ہے۔" ☆

اسلام محض چند اعتقادات و افکار کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک آفاقی تحریک ہے جو انسان کو مثبت تہذیبی اقدار سے روشناس کر کے اسے فعّال اور کرشمہ ساز شخصیت میں بدل دیتی ہے۔ اس کا سرچشمہ قرآن ہے۔ یہ انسانیت کے نام اللہ کا وہ سرمدی پیغام ہے جس کے بارے میں اقبال نے یہ جامع بات کہی ہے:

Quran is a book which emphasizes "deed" rather than "idea."

یعنی قرآنِ مجید میں تصور کے برخلاف عمل پر زور دیا گیا ہے۔ گویا اسلام کی روح عمل ہے اور سنّتِ رسول ؐ اسی عمل کی برقی لہروں کا سرچشمہ ہے جو قرآن کے بعد دوسرا ماخذ قانون (Source of Law) ہے۔ اسی سے روحِ اسلام زندہ ہے۔ اس کے بغیر اسلام و ایمان کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ سنتِ رسول ؐ کو قلبی اور شعوری انداز سے ماننا اور اس پر کاربند ہونا مسلم و مومن ہونے کی دلیل ہے۔ بصورتِ دیگر ـــــ

زباں سے کہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جب کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ کر دائرۂ اسلام میں آتا ہے تو وہ بیک وقت دو اعترافات کرتا ہے کہ اللہ ہی یکتا معبود ہے اور محمد ﷺ اس کے آخری

Marfat.com

رسول ہیں۔ ان اعترافات کا اگلا درجہ ایمان ہے جس کے معنی ہیں ـــــ تسلیم کرنا، جاننا اور یقین رکھنا۔ مومن وہ شخص ہے جو ان تمام نادیدہ حقائق کو خلوصِ دل سے تسلیم کرے، حق جانے اور ان پر پختہ یقین رکھے جن کی اطلاع حضورؐ نے دی ہے۔ اگر ہم ایسا طرزِ عمل اختیار کر لیتے ہیں تو درحقیقت ہم سنّتِ نبویؐ کی پیروی کا اعلان کرتے ہیں۔ اور پھر اخلاقی طور پر ہی نہیں بلکہ عقلی نقطۂ نظر سے بھی اس امر کے پابند ہو جاتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی رہنمائی پر بلا حیل وحجت اعتماد کریں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم عقل وفراست کو پسِ پشت ڈال دیں بلکہ اس کے برعکس اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپؐ کے ارشادات کے پس منظر میں پنہاں حکمتوں کی تہ تک پہنچیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے ـــــ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم:۳،۴) جناب رسالت مآبؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ اللہ ان پر اپنی ہدایات القا کرتا ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ سنّت کو ایمانیات کا حصہ بنا کر ہمیں اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپؐ کی اطاعت عین اسلام ہے اور اس سے روگردانی اپنے اسلام کو مشکوک بنا دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ ایمان بالرسول کا تقاضا ہے کہ جب ہم حضور ﷺ کو اپنا رہنما جانتے اور مانتے ہیں تو خود کو آپؐ کی سیرت وصورت کے سانچے میں ڈھالیں اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے کر دنیا وآخرت میں اپنی سرخروئی کا سامان کریں۔

☆ منصبِ رسالت نمبر ـــــ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

Marfat.com

# طائف ـــــ بارشِ سنگ' دعا کے پھول

حق وباطل کی کشمکش تاریخ کا عنوانِ جلی ہے۔ سچ کے علمبردار جہاں استقامت کے ساتھ اپنے مَوقِف پر قائم رہ کر کامراں رہے' جھوٹ کے پرستاروں نے بھی جلد ہار نہیں مانی اور عقلِ عیّار نے سو بھیس بنا کر صداقت کے چشمۂ صافی کو کثافت آلودہ کرنے کی امکانی کوشش کی۔ لیکن ایمان کا نشہ تو ترشیٔ جَور و جفا سے تیز تر ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ تبلیغِ دین کے تین مراحل سے گذرے ـــــ پہلا مرحلہ "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَ تَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" کا تھا۔ آپؐ کی اہلیۂ محترمہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ' ساتھی ابو بکر صدیقؓ' بھائی علی مرتضٰیؓ اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کے علاوہ ۱۲۹ سلیم الفطرت انسان حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ـــــ دوسرا مرحلہ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُریٰ کا تھا کہ اہلِ مکہ کو دعوتِ عام دی گئی اور ایک دورِ پُرفتن کا آغاز ہو گیا۔ متاعِ ایماں کے راہزن قریش خوشبوئے توحید کو فصیلوں میں محبوس کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرنے لگے۔ مُوَحِّدین تشدد کا نشانہ بننے لگے اور صادق وامین کی ذاتِ اقدس پر کیچڑ اچھالا جانے لگا لیکن تحریکِ اسلامی کی چاندنی زینہ زینہ' آنگن آنگن اترتی رہی اور ندائے غیب اعداءِ اسلام کو للکارتی رہی ـــــ

ہزار برق گرے' لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کِھل کے رہیں گے جو کِھلنے والے ہیں

اب آفتابِ رسالت کو طلوع ہوئے دس سال ہونے کو آئے تھے۔ مکہ کی کھیتی بنجر ہو چلی تھی کیونکہ اس سے جو فصل میسر آنا تھی' آچکی تھی۔ سیاہ دلوں پر کفر و شرک کا اتنا گہرا رنگ چڑھ چکا تھا کہ ان میں رشد وہدایت کا رنگ قبول کرنے کی صلاحیت بھی باقی نہ رہی تھی۔ تب حضور رسالتمآبؐ نے دعوتِ دین کے تیسرے مرحلے "وَمَنْ حَوْلَھَا" سے گذرنے کے لیے گردونواح کا سفر اختیار کیا۔ آپ ۲۷ شوال ۱۰ نبوی کو مکّے سے نکلے اور

Marfat.com

اپنے غلام زید بن حارثہؓ کی معیّت میں مختلف قبائل کو وعظ سناتے ہوئے طائف پہنچے۔ یہ سرسبز و شاداب علاقہ مکّہ کے جنوب مشرق میں تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں بنو ثقیف کی سرداریاں تھیں۔ زمین کی زرخیزی' فصلوں کی بہتات اور خوشحالی و فارغ البالی نے اہلِ طائف کو متکبّر و سرکش بنا دیا تھا۔ وہ لات کے پرستار تھے اور اسے خدا کی بیٹی مانتے تھے۔ یہاں بنو ہاشم کی قرابت داریاں بھی تھیں اور رسول اللہ کے ماموؤں کا خاندان آباد تھا جن کے ساتھ بنو ہاشم کے خاندانی' تجارتی اور اقتصادی روابط قائم تھے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے اپنے ہم وطن اہلِ مکہ کا حوصلہ شکن رویّہ دیکھ کر ادھر کا رخ کیا۔ حضورؐ کو اہلِ طائف سے خیر کی توقع اس لیے بھی تھی کہ طائف کے مضافات میں بنو سعد بن بکر کا قبیلہ آباد تھا جہاں آپ نے اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی آغوشِ شفقت میں عمر کے ابتدائی چار سال گزارے تھے۔

طائف میں ان دنوں زمامِ اقتدار بنو ثقیف کے تین بھائیوں عبد یا لیل' مسعود اور حبیب کے ہاتھوں میں تھی۔ ان کے گھروں میں قریش کے قبیلے بنی جمح کی خواتین تھیں اس لیے رسول اللہؐ نے لحاظ داری کے خیال سے ان تک رسائی حاصل کی اور بطریقِ احسن دعوتِ اسلام دے کر اقامتِ دین میں ان کی حمایت طلب کی۔ لیکن اونچی دکان والوں کے گستاخانہ جوابات نے اس مہمانِ محترم کو حیران کر دیا۔ ایک نے غرورِ نسب سے اترا کر کہا ــــ "ارے' خدا کو تمہارے سوا اور کوئی نہ ملا جسے نبی بناتا۔ رسول تو کسی قبیلے کے سردار کو ہونا چاہیے تھا نہ کہ تم جیسے کو جسے سواری تک میسّر نہیں۔" دوسرے نے استہزائیہ انداز اختیار کیا ــــ "غلافِ کعبہ کی توہین اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ تم سا شخص پیغمبر ہو"! تیسرے نے تحقیر آمیز منطق چھانٹی ــــ "بخدا میں تم سے بات نہیں کرنے کا کیونکہ اگر تم اپنے کہنے کے مطابق واقعی خدا کے رسول ہو تو پھر تمہیں جواب دینا خلافِ ادب ہے۔ بصورتِ دیگر میری توہین ہے کہ کسی غلط بیان آدمی سے بولوں"!

ان تلخ و تیز فقروں نے محسنِ انسانیتؐ کے وجود کو چٹخا کے رکھ دیا لیکن آپؐ نے ہر زہریلے تیر کو برداشت کرتے ہوئے فرمایا ــــ "بس ایک بات مان لو کہ ان خیالات کو اپنے تک محدود رکھو' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوسروں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔" لیکن ان بے فکر رئیسوں کو تو ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا۔ انہوں نے اپنے حاشیہ نشینوں' نوکروں' غلاموں اور شہر کے اوباشوں کو اشارہ کیا جو اس شریف النفس انسان سے

Marfat.com

دست درازی کرنے لگے جس کی عفت و عصمت کی قسم کھائی گئی ہے۔ ان لفنگوں نے ان مبارک قدموں پر سنگ زنی شروع کر دی جن پر کونین کی عظمتیں نچھاور ہیں۔ یہ لوگ مغلظات بکتے' تالیاں پیٹتے' پھبتیاں کستے تہذیب کے اس فلک بوس مینار کو گرانے چلے تھے جو انہیں روشن سمت میں رہنمائی دینے ان کے درمیان استادہ تھا۔ مگر کور چشموں کو جلوۂ آفتاب دکھائی نہ دے تو اس میں روشنی کا کیا قصور! نظر نہ ہو تو منظر سے کیا گِلہ! ___ کان بہرے ہوں تو آواز پر کیا الزام! ___ چٹانوں پر شبنم افشانی چہ معنیٰ! ___ اور لینے والے ہی اگر بد قسمت ہوں تو دینے والا کیا کرے! اسی لیے قرآنِ مجید نے اعلان کیا ___ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ___ گم کردہ راہ باطل پرستوں کے دل و دماغ تو ہوتے ہیں مگر فہم و فراست سے عاری۔ آنکھیں تو ہوتی ہیں مگر بصارت سے معذور۔ کان تو ہوتے ہیں مگر سماعتوں سے محروم۔ یہ تو مویشی ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ طائف میں کون و مکان کی رازدار آنکھ نے یہی منظر دیکھا کہ ___

نشۂ غفلت میں ہیں ڈوبے ہوئے سب خاص و عام
آہ! یہ محفل کہ جس میں باخبر کوئی نہیں

کائنات کی عظیم ترین ہستی کی بے قدری کا یہ تماشا دیکھ کر وقت کی نبضیں ٹوٹنے لگیں۔ سراپا زخمی' کپڑے لہو رنگ اور نعلین خون کی گوند سے تلوؤں کے ساتھ چسپاں ___ آپ گھائل ہو کر گرتے تو بازو کا سہارا دے کر اٹھا دیے جاتے اور مشقِ ستم کا سلسلہ پھر سے جاری ہو جاتا۔ آپؐ کے ہم سفر زید بن حارثہ نے ان قیامت خیز گھڑیوں میں اپنے آقائے نامدارؐ کے لیے جاں نثاری کا حق ادا کر دیا۔ وہ پتھروں کی بارش کو اپنے جسم پر روکتے ہوئے چھلنی ہو گئے تاہم وہ بارِ نبوت کو اپنی کمر پر اٹھا کر حریفانِ کج فطرت کے نرغے سے بچا لائے اور رئیسِ مکہ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ و شیبہ کے باغ میں پہنچایا۔ انہوں نے عربی شائستگی برتی اور اپنے نصرانی غلام عدّاس کے ہاتھ' زخموں سے نڈھال اور بھوک پیاس سے بے دم مسافروں کے لیے انگوروں کا ایک خوشہ بھجوایا۔ حضورؐ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہہ کر دانۂ انگور منہ میں رکھا تو عدّاس نے چونک کر کہا کہ "یہ کلام تو یہاں کے باشندے نہیں بولتے!" آپؐ نے پوچھا: "تم کہاں سے ہو اور کس مذہب سے

Marfat.com

تعلق رکھتے ہو؟" ___ اس نے جواب دیا "میں عیسائی ہوں اور نینوٰی کا باشندہ ہوں۔" آپؐ نے مسکرا کر اپنائیت بھرے لہجے میں فرمایا: "اچھا تو تم مردِ صالح یونس بن متی کی بستی کے ہو! وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے' میں بھی نبی ہوں!" اس نے حیرت سے آپؐ کا نام نامی دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا "محمد ﷺ"! ___ اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ وہ جھک جھک کر بے ساختہ آپؐ کے سر' ہاتھ اور پاؤں پر عقیدت کے بوسے نچھاور کرنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ کہتا جا رہا تھا' "یقیناً آپ وہی ہیں۔ میں نے تورات میں آپؐ کا نام دیکھا ہے اور آپؐ کے اوصاف بھی پڑھے ہیں" ___ اس طرح عدّاس سائبانِ توحید کے تلے دنیا و عقبیٰ کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوا۔

مکّہ کے اطراف و جوانب میں تبلیغ وارشاد کا یہ سفر تقریباً ایک ماہ پر محیط تھا۔ اس دوران میں آپ پر تکلیفوں اور ایذاؤں کا ناقابلِ بیان سلسلہ دراز رہا۔ صفا کے دامن سے جس انکار کی ابتدا ہوئی تھی' طائف کی گھاٹی میں اس کی انتہا ہو گئی اور امتحان وابتلا کی طویل مکّی زندگی کا تکملہ طائف میں ہوا۔ اس تبلیغی دورے کی ناکامی کے بعد قرن الثّعالب کے مقام پر سخت رنج اور صدمے کی کیفیت میں آپ کے ہونٹوں سے یہ درد بھری دعا نکلی ___ "اے ربِّ جلیل! میں تیری بارگاہ میں اپنی بے کسی' بے سروسامانی اور بے حرمتی کی فریاد لایا ہوں ___ کیونکہ تو ہی سب سے زیادہ مہربان ہے۔ میرے مالک! تو ہی درماندہ وعاجز کا مددگار ہے۔ آخر تُو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے؟ کیا اس حریف کے جو مجھ سے بددماغی کرتا ہے یا ایسے دشمن کے جسے تو نے مجھ پر بالادستی بخشی ہے۔ اگر تو مجھ سے خفا نہیں تو مجھے کسی کی پروا نہیں۔ تیری حفاظت وعافیت میرے لیے وسیع تر ہے۔ میں تیرے غیظ وغضب کے مقابلے میں تیری ذات کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے سارے اندھیرے اجالوں میں بدل جاتے ہیں اور دنیا وآخرت کے جملہ معاملات سنور جاتے ہیں۔ مجھے تو تیری رضامندی اور خوشنودی کی تمنا ہے کیونکہ نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی جانب سے ملتی ہے"!

انتقام فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے مگر خیر البشر محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ذات کی خاطر کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا۔ خونیوں میں پلنے والے اس انسان نے کسی سے درشت کلامی تک نہ کی۔ دوستوں کی دوست تو سبھی ہوتے ہیں لیکن دشمنوں سے ٹوٹ کر پیار کرنے والا اور ان کے نسلوں تک کی بھلائی چاہنے والا حضرت آمنہؓ کے سوا کسی ماں کی

Marfat.com

کوکھ سے پیدا نہیں۔ نوعمر رفیقِ سفر نے جبر و تعدّی کے ردِّ عمل میں اہلِ طائف کے لیے بددعا کی التجا کی تو ہمتِ عالی نے فرمایا: "میں ان کی تباہی کے لیے بددعا کیوں کروں۔ یہ لوگ تو اللہ پر ایمان نہیں لاتے' لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کی نسلیں ایک معبود کی عبادت کریں گی"! ــــ اپنے مؤقف پر پختہ یقین' اپنے نصب العین سے گہرا اخلاص اور بندگانِ خدا کے لیے بے پایاں شفقت کا مظاہرہ بھی اسی سفر میں دیکھا گیا۔ ایک لکۂ ابر سے جبریلِ امینؑ نے آواز دی کہ اللہ نے شیطان صفت ستمگروں کی ساری بدسلوکیاں دیکھ لی ہیں۔ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے' اجازت ہو تو وہ ابو قبیس اور قعیقعان کے دونوں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دے اور مکّہ اور طائف کو پیس کر رکھ دے"! شانِ رحمت تڑپ کر گویا ہوئی ــــ "نہیں! مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے"!

سنگ باری کے جواب میں استقامت بھری دعائیں دینے والی اس شخصیت کے بارے میں سوچتے ہوئے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ذاتِ گرامیؐ نے زندگی کے ہر موڑ پر رحم و کرم کی ندیاں رواں کیں جن کے آبِ شیریں نے نفرت و عناد کو مہر و محبت میں بدل دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے قریب وہی ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہو اور جسے اللہ سے محبت ہو' وہی اس کی مخلوق سے محبت کر سکتا ہے۔ چنانچہ جو انسان اللہ کے قریب ہو' وہی کائنات کے لیے رحمت بن سکتا ہے۔ محمد ﷺ کا ابرِ رحمت ہر جگہ چھا کر برسا اور اس کی بوندوں نے گنگنا گنگنا کر دنیا کو یہ پیغام دیا ــــ "نفرت کو نفرت سے ختم نہیں کیا جا سکتا' اس پر محبت سے غلبہ حاصل کرو۔ دنیا میں محبت کو پھیلاؤ' جنت اپنی تمام تر رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ حقیقت بن کر تمہارے سامنے آجائے گی۔ محبت کے بغیر زندگی بے معنیٰ ہے۔ جو شخص سب سے پیار کرتا ہے اس کی زندگی بھرپور اور مکمل کہلاتی ہے کی زیبائی اور طاقت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔"

رسول ﷺ کو ان کے اوصافِ کریمانہ کے باعث رحمۃ للعالمین کہا گیا۔ اس خزانۂ رحمت سے سب کو برابر کا حصہ ملا۔ آپ کے فضائل و اخلاق نے وہ ابدی انقلاب برپا کیا کہ چند برسوں کے اندر اندر عرب کے سارے نفرت کدے اسلام کی نعمت سے فیضیاب ہو کر محبت گاہوں میں بدل گئے۔

Marfat.com

# وادئ عُقبہ میں نُور کی ندی

روشنی اور خوشبو اپنی راہ خود تراشتی ہے۔ گھٹاؤں کی دبیز چادر میں چہرۂ آفتاب تو چھپ سکتا ہے لیکن سیلِ نور گوشوں سے پھوٹ پھوٹ بہتا ہے۔ پیکرِ گل کو فصیلوں میں محبوس کیا جاسکتا ہے مگر خوشبو کو زنجیر کرنا ممکن نہیں۔ داعئ اسلام محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تیرہ برس تک وادئ مکّہ میں آوازۂ حق بلند کیا۔ آپ کے اوّلین مخاطب قریش تھے جن کی بد قسمتی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے آنگن میں لہلہاتے شجرِ سایہ دار کی آبیاری کرنے کی بجائے اس کی جڑیں کاٹنے پر تُلے ہوئے تھے۔ جھوٹ کے سوداگر' سچ کی گرانمایہ جنس کی قدر کیا جانتے! کاذب' صادق کے ہم سفر کیوں کر ہوتے! ___ مگر پیغمبرِ صداقت کی استقامت بار بار انہیں للکار رہی تھی ___

ہزار برق گرے' لاکھ آندھیاں اٹھّیں
وہ پھول کِھل کے رہیں گے جو کِھلنے والے ہیں

آہستہ آہستہ امکانات کے نئے در کھلنے لگے اور صدائے حق اطرافِ عرب میں پھیلنے لگی۔ تجارت پیشہ افراد مکّے میں آتے تو رسول اللہؐ کی تعلیمات سے اپنی سماعتوں کو خوشگوار کرکے لَوٹتے۔ عکاظ' مجنہ اور ذوالحجاز کے میلوں میں ملک کے طول و عرض سے قبائل امڈے چلے آتے تو آپؐ کے دل کی کلی کِھل اٹھتی۔ آپؐ ان کی قیام گاہوں پر جاجاکر کلامِ الٰہی سناتے۔ حج کے موسم میں بڑا اجتماع منیٰ میں ہوتا جہاں زائرینِ حرم کے قافلے پڑاؤ ڈالتے۔ تب ہمتِ عالی کی سرگرمیاں تیز تر ہو جاتیں۔ فضاؤں میں آپؐ کی آواز گونجتی ___ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قُولُوْا لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا ___ لوگو' بولو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فلاح پاجاؤ گے! اور جن کے نصیب میں دارَین کی کامرانیاں ہوتیں' اپنی جھولیوں میں دولتِ اسلام سمیٹ لے جاتے۔ یوں آپ کا مقدّس مشن دھیرے دھیرے

Marfat.com

انجان سرزمین کی جانب سفر کرتا رہا۔

وادئ مکّہ میں تحریکِ اسلامی کی رفتار بے حد سُست رہی کیونکہ توحیدِ الٰہی پر مبنی یہ تحریک صنم پرست قریش کے لیے کھُلا چیلنج تھی۔ چنانچہ رقصِ ابلیس میں تیزی آتی گئی اور عہدِ ستم طویل تر ہوتا چلا گیا۔ کائنات کے سب سے زیادہ ہوشمند انسان کو مجنون اور ساحر کے زہریلے خطابات سے ذہنی کچوکے دیے گئے۔ سنگ و خشت کی خونیں بارش سے جسمِ اطہر چھلنی کیا گیا اور آقائے دو جہاں کی درویشی و ناداری کو نشانۂ تضحیک بنا کر جگر فگاری کی گئی۔ آپ ؐ نے تبلیغی مہم کے سلسلے میں مختلف قبائل سے رابطہ قائم کیا تو حوصلہ شکن جواب ملا۔ طائف تشریف لے گئے تو زخم زخم واپس آئے۔ یوں لگتا تھا کہ نہ صرف سر زمینِ مکّہ بنجر ہو چکی ہے بلکہ اس کے مضافات میں بھی صدق و صفا کے سر چشمے خشک ہو چکے ہیں۔

ایسے میں دیارِ شمال سے تازہ ہوا کا ایک خنک جھونکا آیا ـــــ نبوت کا گیارھواں سال تھا۔ حج کی گلاب رُت آئی تو رسولِ رحمت ؐ حسبِ معمول وعظ و تبلیغ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ ؐ نے منیٰ کے چٹیل خطّے میں پندرہ قبائل سے ملاقاتیں کیں مگر وہ قریش کے زبردست اسلام دشمن پراپیگنڈے کے باعث متاعِ ایمان سے محروم رہے تاہم آپ ؐ کی سولھویں کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ آپ ؐ پھرتے پھراتے جبلِ نور اور منیٰ کے درمیان ایک سنگلاخ گھاٹی ـــــ عُقبہ سے گزرے تو آپ ؐ کو تاریکئ شب میں چھ آدمی دکھائی دیے۔ یہ یثرب کے حاجی تھے۔ محسنِ انسانیت ؐ اپنے مخصوص انداز میں ان سے ہمکلام ہوئے، آیاتِ قرآنی سنائیں اور اپنی زبانِ بلاغت بیان سے اسلام کی دعوت دی۔ مخاطبین نے اگرچہ اس چہرۂ انور کی اوّلین زیارت کی تھی اور ان کے کان اس رسیلی آواز سے پہلی بار آشنا ہوئے تھے لیکن نبی آخر الزماں ؐ کے ظہورِ قدسی اور اشاعتِ اسلام کی خبریں یثرب پہنچ چکی تھیں۔ یہاں دو بڑے قبیلے اوس و خزرج آباد تھے جن کے مابین مدت سے کشیدگی چلی آتی تھی اور وہ کئی بار خون کی ہولی کھیل چکے تھے۔ ان قبائل کے صلح پسند افراد اس کوشش میں تھے کہ ان تنازعات کا خاتمہ ہو اور کوئی مقتدر شخصیت انہیں اتحاد کی لڑی میں پرو دے۔ وہ ان سرمایہ دار یہودیوں سے بھی چھٹکارا پانا چاہتے تھے جو اپنی گھناؤنی سازشوں سے انہیں نفرت کی آگ میں دھکیل کر یثرب پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے تھے اور علی الاعلان کہتے پھرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کے

Marfat.com

ذریعے یہود کو مذہبی سیادت ملے گی۔

اس رات عُقبہ کے سناٹوں میں جب ابوامامہ اسعد بن زرارہ' عوف بن حارث' رافع بن مالک' قطبہ بن عامر' عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ نے کلامِ الٰہی سنا اور رسول اللہؐ کی عظیم المرتبت شخصیت کو دیکھا تو ان کی روحوں نے تصدیق کی کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ یہودی کیا کرتے ہیں اور یہی وہ ذاتِ گرامی ہے جس کے ذریعے ان پر دنیا و آخرت کی سعادتوں کے در کھل سکتے ہیں۔ چنانچہ ان پاکباز انسانوں نے اپنے دامنوں میں دولتِ ایمان سمیٹنے میں پہل کی اور حق و صداقت کی مشعل مکّے سے یثرب جا پہنچی۔ وہاں حضرت رافع بن مالک نے اپنے محلّے بنی زریق میں اوّلین مسجد تعمیر کی اور یہیں سب سے پہلے قرآن پڑھا گیا جس نے گھر گھر میں نورِ ہدایت کی کرنوں کے جال بن دیے ___ مطلعِ یثرب پر صبح دمک اٹھی تھی اور مکّہ ردائے شام اوڑھے ہوئے تھا۔ کتنی حیرت کی بات تھی کہ اِدھر خیر البشرؐ کے سرمدی افکار کی بشارتیں گونج رہی تھیں تو اُدھر طاغوتی عناصر نے دردناک بے حسی کا جادو جگار رکھا تھا۔ یہاں امن و آشتی کی قوتیں زندگی کا روپ سنوار رہی تھیں تو وہاں صاحبِ عزیمت پیغمبر کے گرد مکروہ وحشتوں نے حصار باندھ رکھا تھا اور وقت کی آنکھ دیکھ رہی تھی ___

بدن گلاب کا گو سب کی دسترس میں ہے
مہک کو ڈال دے زنجیر' کس کے بس میں ہے!

نبوّت کے بارھویں سال زمانۂ حج میں عقبہ کے درے سے دوبارہ نور کی ندی رواں ہوئی۔ گذشتہ برس چھ یثربی خوش بختوں کے سینوں میں کلمۂ حق کا امرت ٹپکا تھا۔ ان میں سے جابر بن عبداللہ کے سوا باقی پانچ افراد اپنے ساتھ متاعِ ایمان کے سات نئے خریداروں کو لے آئے جن میں اوس و خزرج کی نمائندہ شخصیات معاذ بن حارث' ذکوان بن عبدالقیس' عبادہ بن صامت' یزید بن ثعلبہ' عباس بن عبادہ' ابو الہیثم مالک بن التیہان اور عویم بن ساعدہ شامل تھیں۔ ان بارہ انصار نے رسالتمآبؐ کے دستِ مبارک پر عقیدۂ توحیدِ الٰہی' اطاعتِ رسول کے اقرار' چوری' قتل' فحاشی' بہتان طرازی اور سود سے پرہیز پر بیعت کی۔ سرچشمۂ رشد و ہدایت سے روحانی پیاس بجھانے کا یہ واقعہ بیعتِ عقبہ اولیٰ کہلاتا ہے۔

آنحضرتؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اپنا سفیر بنا کر اس وفد کے ساتھ یثرب بھیجا

Marfat.com

جن کی سرگرم کاوشوں سے کھیتوں' کھلیانوں' باغوں' چوپالوں' گلیوں اور گھروں میں اسلام اور داعئ اسلام ؐ کا ذکرِ خیر ہونے لگا۔ ان کے شاندار اسلوبِ تبلیغ' شیریں بیانی اور بلند اخلاق نے کفر و شرک کے بیابانوں میں بھٹکتی ہوئی مخلوقِ خدا کو راہِ راست دکھائی ___ اس بیعت کے بعد اوّلین یثربی مسلمان اسعد بن زرارہ نے باجماعت نماز کا اہتمام کیا۔ جب مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تو انہوں نے یہودیوں کی اجتماعی عبادت "السّبت" (ہفتہ) اور عیسائیوں کی Sunday Prayer کی طرح مسلمانوں کی اجتماعی عبادت کے لیے جمعے کا دن مقرر کیا۔ سب سے پہلی نمازِ جمعہ انہی کی امامت میں ادا کی گئی۔ اللہ کو انصار کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ جمعے کو فرض عبادت کا درجہ دیا گیا۔

بیعتِ عقبۂ اولیٰ تاریخ اسلام کا زرّیں باب ہے جس سے نغمۂ توحید کو دُور دیسوں تک رسائی ملی۔ چراغ سے چراغ جلا اور عالمِ انسانیت پر زندگی کے اَسرار منکشف ہونے لگے۔ ۱۳ نبوی کے ایّامِ حج میں چشمِ تاریخ نے یہ بہار آفریں نظارہ پھر دیکھا کہ ایک بھیگتی رات میں جب اہلبیت تھک ہار کر سو چکی تھی' یثرب کے تہتر مردوں اور دو عورتوں نے اپنے سینوں کو نورِ ایمان سے جلا بخشی۔ انہوں نے جان نثاری کے عہدو پیمان کرتے ہوئے سرکارِ دو عالم ؐ کو خطۂ یثرب کے نصیب جگانے کی مخلصانہ پیشکش کی جس پر رسولِ اکرم ؐ کے چچا عباس بن عبدالمطّلب نے جو آپ ؐ کی رفاقت میں تشریف لائے تھے' کہا ___ "لوگو اگر تم ان سے کوئی عہد و پیمان کرنے لگے ہو تو یہ سمجھ لینا کہ یہ بہت کٹھن اور نازک کام ہے۔ یہ سرخ و سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے۔ خوب سوچ سمجھ لو۔ اگر تم سارے عرب کی مخالفت مول لے کر ان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہو تو ٹھیک' ورنہ انہیں لے جا کر ان کا ساتھ چھوڑ دینے اور دشمنوں کے حوالے کرنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو انہیں یہیں رہنے دو۔ اس شہر میں انہیں اپنی قوم کی حفاظت حاصل ہے۔"

اہلِ یثرب کی آوازیں آئیں ___ "یارسول اللہ' آپ ہم سے جو عہد لینا چاہیں' ہم حاضر ہیں۔ اس پر حضور ؐ نے قرآن حکیم کی چند آیات تلاوت فرمائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ___ "میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت اپنے بیوی بچوں کی طرح کرو گے"۔ اس پر سب کے ہاتھ بے تابانہ آگے بڑھے اور بیعت ہونے لگی۔ انصار نے آپ ؐ سے عہد لیا "کہ آپ غلبہ حاصل کرنے کے بعد ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تو نہیں پلٹ آئیں گے؟" ___ آپ ؐ نے مسکرا کر فرمایا: "تم

Marfat.com

میرے ہو، میں تمہارا ہوں، میرا جینا مرنا سب تمہارے ساتھ ہوگا"! ___ بیعت کے بعد رسالتمآب ؐ نے اہلِ یثرب کی تعلیم و تربیت کے لیے بارہ نقیب مقرر فرمائے جن کی قیادت اسعد بن زرارہ کے سپرد کی ___ بیعتِ عقبۂ ثانیہ نہایت خفیہ طریقے سے ہوئی تھی لیکن کسی نہ کسی طرح اس کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑگئی۔ وہ لوگ یثربی حجاج کی اقامت گاہوں میں نَو مسلموں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے لیکن کاروانِ اسلام کے غبارِ راہ کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور وہ اپنے زخم چاٹتے رہ گئے۔

بیعتِ عقبہ تاریخِ انسانیت کا ایک اہم واقعہ ہے جسے نبی اُمی ؐ کی سیاستِ خارجہ کا سنگِ میل قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ محض اہلِ یثرب کے قبولِ اسلام کا منظرنامہ پیش نہیں کرتی بلکہ اس سے تحریکِ اسلامی کا قافلۂ سخت جاں پشتۂ باطل کو توڑ کر وسعتوں کی طرف بڑھتا دکھائی دیتا ہے، جس کی پہلی منزل یثرب ہے جہاں اللہ والوں کو جائے عافیت میسّر آئی۔ اس معاہدے نے قریش اور یہود کی آمرانہ سیاسی قہرمانی کا غرور توڑ کر رکھ دیا۔ تین ماہ بعد انسانِ کامل محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری سے یثرب کو مدینۃ النبی کے بابرکت نام سے نوازا گیا جہاں سے نورِ حق کی ابدی مشعل فروزاں ہوئی اور انسانیت کو روشن مستقبل کی بشارت ملی ___

Marfat.com

# غزوۂ بدر ـــــ اوّلین معرکۂ حق و باطل

حضرت عمر فاروقؓ کا عہدِ خلافت تھا۔ مجاہدینِ اسلام' سلطنتِ روما کے ہزاروں سال پرانے جغرافیے کے خدوخال تبدیل کر رہے تھے۔ شہنشاہِ ہرقل (Heraclius) رومی افواج کی لگاتار شکستوں سے سخت ہراساں تھا۔ ایک روز اس نے اپنے جنگی مشیروں کا ہنگامی اجلاس طلب کیا اور ان سے پوچھا ـــــ "عرب سپاہیوں کی تعداد ہم سے کئی گنا کم ہے۔ ہمارے مقابلے میں ان کے ہتھیار بھی تھوڑے اور ادنیٰ قسم کے ہیں۔ پھر بھی وہ ہمارے علاقے میں آزادانہ دادِ شجاعت دیتے پھرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہماری فوجیں ان پر غلبہ نہیں پا رہیں؟" ـــــ یہ سوال سن کر ایوانِ خاص کے سنجیدہ ماحول پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک تجربہ کار کمانڈر کی آواز بلند ہوئی ـــــ "عربی سپاہیوں کی کامیابی کا باعث ان کی اخلاقی بلندی اور صداقت شعاری ہے۔ وہ رات کا کچھ حصہ خدا کی عبادت میں گذارتے ہیں۔ ان کے درمیان مساوات ہے۔ ان کا عزم چٹان کی طرح مضبوط و مستحکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لڑائی کے میدان میں دلیری سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ہم مغرور ہیں۔ ہم میں صدہا اخلاقی عیب ہیں۔ ہم وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ ہم ظالم و جابر ہیں اسی لیے ہم میں استقلال اور بہادری کی کمی ہے"!

روما کے دربار میں گونجنے والے اس سچ نے مہذّب دنیا کی قلعی کھول دی تھی کہ متاعِ دنیا پر تکیہ کرنے والے کجکلاہی کے مارے لوگوں کا ظاہر تو چکاچوند پیدا کر سکتا ہے مگر روحانی قوتیں کمزور ہوتی ہیں۔ ۱۶ رمضان المبارک ۲ ہجری کو دیارِ بدر کا منظر نامہ بھی ایسا ہی تھا۔ قریشِ مکّہ' ایک ہزار مسلّح افراد اور سامانِ جنگ کی کثرت پر پھولے نہ سماتے تھے۔ شرابوں کے دَور چل رہے تھے اور رقاصائیں ان کا دل بہلا رہی تھیں۔ دوسری جانب اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ اور ان کے گنے چُنے ساتھی اَحَد' اَحَد کے رزمیہ وِرد سے

Marfat.com

اپنے پروردگار کی عظمت کا ثبوت فراہم کر رہے تھے۔ اخلاقی انضباط ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ سر سجدے میں جھکے تھے اور وجود روزے کی برکات سمیٹ رہے تھے۔ مدینۂ منوّرہ میں سرورِ کائنات ؐ کی تشریف آوری کا یہ دوسرا سال تھا۔ اپنے ورودِ مسعود کے فوراً بعد آپ ؐ اوّلین اسلامی ریاست کی تشکیل فرما چکے تھے۔ اردگرد پھیلے مشرک قبائل اور یہود سے کیے گئے معاہدات کے باعث داخلی وخارجی استحکام پیدا ہو چکا تھا۔ پیغمبرانہ سیاسی بصیرت کے یہ اقدامات قریشِ مکّہ کے لیے ایک اذیت ناک چیلنج تھے۔ وہ اس نئی مملکت کا آفتاب طلوع ہوتے دیکھ کر خون کے گھونٹ پی رہے تھے۔ تب ایک روز اچانک اہلِ اسلام کے لیے تگ وتاز کا راستہ کھل گیا۔ فرمانِ الٰہی موصول ہوا ___ "مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا۔ اللہ انہیں غالب کرنے پر قادر ہے۔ یہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق محض اس بنا پر نکالے گئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کیا ہے۔"

پُرامن زندگی عطیۂ خداوندی ہے مگر انسان نے اسے شروفساد سے آلودہ کر کے اپنے راستے میں خود کانٹے بوئے ہیں۔ کتنی عجیب بات تھی کہ رحمتہ للعالمین نوعِ بشر کو سلامتی کی نوید سنا رہے تھے اور قریش' اسلام کے نہالِ تازہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر مصر تھے۔ اس مذموم مقصد کے لیے انہوں نے مدینۂ منوّرہ کے گردو نواح میں آباد اسلام دشمن طاقتوں سے گٹھ جوڑ کرنا شروع کر دیا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ کسی بھی لمحے وہ جارحیت پر اتر آئیں گے۔ اس فضا میں رسول اللہ ؐ نے بے مثال سیاسی وحربی تدبُّر سے کام لیتے ہوئے جاسوسی اور مخبری کا مؤثّر نظام وضع فرمایا جس کے وسیلے سے ایک طرف تو آپ ؐ نے قبائل میں ابھرتی شورشوں کو دبا دیا تو دوسری جانب مکّے میں ہونے والی جنگی تیاریوں سے آپ ؐ مکمل طور پر باخبر رہے۔ اسی نظامِ جاسوسی کا ثمرہ تھا کہ جونہی دشمن ابوجہل کی قیادت میں اسلامی ریاست کے دارالخلافہ کی طرف بڑھا' آپ ؐ بدر کے مقام پر یکایک اس کے مقابل آ گئے۔

بدر' مدینۂ منوّرہ سے اسّی میل جنوب مغرب میں اس شاہراہ پر واقع ہے جو شام اور مکہ کے تجارتی قافلوں کی جولاں گاہ رہی ہے۔ قریش نے میدانِ بدر کی نسبتاً ہموار جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ ان کی تعداد کم وبیش ایک ہزار تھی جس میں کئی نامور سردار' جنگجو شہسوار اور آزمودہ کار سپاہی شامل تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ___ "مکّہ

Marfat.com

نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہارے سامنے لا ڈالا ہے"۔ سپاہِ اسلام تین سو تیرہ جانبازوں پر مشتمل تھی جن میں بیاسی مہاجر اور دو سو اکتیس انصار شامل تھے۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ یہ جمعیت تین پرچموں کے زیر سایہ تھی۔ عمومی پرچمِ جہاد حضرت معصب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے دائیں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ مہاجرین کا پرچم اور سعد بن معاذؓ انصار کا پرچم لیے کھڑے تھے۔ یہ جگہ ریتلی تھی اور پاؤں دھنس رہے تھے۔ لیکن رات بھیگتے ہی تائیدِ ایزدی کا پہلا مظاہرہ ہوا اور موسلادھار بارش ہوگئی جس سے ریت بیٹھ گئی اور مسلمانوں نے پانی روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے۔ فریقِ مخالف کے لیے یہ بارانِ رحمت' زحمت ثابت ہوا۔ قریشی چھاؤنی نشیب میں ہونے کے باعث دلدل بن گئی جس سے ان کے شیطانی عزائم پر پہلے مرحلے ہی میں اوس پڑ گئی۔

۱۷ رمضان المبارک کو بروز منگل جناب رسالت مآبؐ نے نمازِ فجر نہایت خشوع وخضوع سے ادا فرمائی۔ آپؐ مالک الملک سے نصرت وحمایت کے طالب ہوئے۔ آپؐ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ گریہ وزاری سے اپنی مختصر سی سپاہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے: "اے اللہ! آج اگر یہ مٹھی بھر جماعت فنا ہوگئی تو پھر روئے زمیں پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا فرما"! ___ یہ دعا کیا تھی' یہ تو اقوامِ عالم میں ملّتِ اسلامیہ کا مقام متعیّن کرتے ہوئے اس کی افادیت اور ضرورت کی جانب واضح اشارہ کیا جا رہا تھا۔ رحمتِ حق جوش میں کیوں نہ آتی! مشیتِ الٰہی کا دوسرا مظاہرہ ہوا۔ دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو اللہ نے تین ہزار فرشتوں کو اپنے عظیم المرتبت نبیؐ کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ یوں میدانِ بدر میں اتنی چہل پہل ہوگئی کہ کفار' مسلمانوں کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنے سے قاصر رہے اور ان کے دلوں پر رعب طاری ہوگیا۔

لڑائی کا آغاز دستورِ زمانہ کے مطابق انفرادی مقابلوں سے ہوا۔ سب سے پہلے سالارِ فوج عتبہ' ولید اور شیبہ میدان میں اترے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؓ' حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ ان کے مقابل آئے اور تینوں حریفوں کو جہنم رسید کردیا۔ حضرت عبیدہؓ کو مہلک زخم آئے۔ پھر دشمن کی طرف سے عبیدہ بن سعید' آہنی لباس پہنے للکارتا ہوا آیا مگر حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس کی آنکھ میں ایسی برچھی ماری کہ

Marfat.com

وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اب گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمان شوقِ شہادت اور نشۂ ایمانی سے اس قدر سرشار تھے کہ بجلی کی طرح خرمنِ باطل پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ دستِ قدرت پھر آڑے آیا اور ریت کے جھکّڑ چلنے لگے جن سے دشمن کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ اور پھر تاریخ کی آنکھ نے دیکھا کہ دن ڈھلنے تک لشکرِ اعدا میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس دوران میں معاذ اور مُعَوِّذ نامی دو کم سن انصاریوں نے ابوجہل کا خاتمہ کر دیا اور عبداللہ بن مسعودؓ اس کا سر کاٹ کر بارگاہِ نبوت میں لے آئے۔ اس جنگ میں ستّر کفار مارے گئے، اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔ چودہ صحابہ شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ فتح کے بعد رسول اللہؐ نے دو قاصد مدینۂ منورہ میں خوشخبری سنانے کے لیے روانہ فرمائے اور خود تین روز تک بدر میں قیام فرمایا۔ شہداء اور کفّار کی تدفین کی ــــ ۲۰ رمضان المبارک کو یہ قافلۂ حرّیت اپنے گرامی قدر نبیؐ کے جلو میں اسمِ اعظم کا وِرد کرتا ہوا اس حال میں عازمِ مدینہ ہوا کہ فتح کے پھریرے لہرا رہے تھے جن سے حلیفانِ باطل پر اللہ کی کبریائی کا سکہ بیٹھ رہا تھا۔ فضائے عالم جگمگا اٹھی تھی کہ صداقت کا وہ سورج ابھر رہا تھا جسے رہتی دنیا تک چمکنا تھا۔

معرکۂ بدر کوئی ہنگامی لڑائی نہ تھی بلکہ اپنے نتائج کے اعتبار سے اتنا عظیم الشان واقعہ تھا کہ اس نے تاریخِ عالم کا رخ موڑ دیا۔ قرآن نے اسے یوم الفرقان کے نام سے یاد کیا ہے اور واقعتاً اس دن حق و باطل کے مابین فرق واضح ہوگیا۔ اس روز قریش کے صدیوں پرانے اقتدار کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اللہ والوں کے خلاف ان کی دہشت گردی خوابِ رائگاں بن گئی اور کلمۂ حق غیر اللّٰہی حلقوں کو توڑتا ہوا سارے عرب کی فضاؤں میں گونجنے لگا۔

Marfat.com

# حضرت خُبیبؓ کا قاتل اور شانِ رحمتؐ

پیغمبرِ آخر الزماں محمد ﷺ نے جس خِطّۂ زمین پر ظہور فرمایا' وہاں اصولِ تہذیب اور قوانینِ مدنیت کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اہلِ عرب روشنیٔ علم اور حسنِ اخلاق سے ناآشنا تھے۔ درندگی اور بہیمیت ان کی زندگی میں رچ بس گئی تھی۔ ان میں جذبۂ انتقام اتنا شدید تھا کہ کسی فرد کے قتل ہو جانے سے قبائل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی تھی اور سالہا سال تک خون ریزی کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ ان کے ہاں مقتول کا بدلہ فرضِ عین کا درجہ اختیار کر گیا تھا جسے وہ ہر قیمت پر ادا کرتے تھے اور کسی بھی مفاہمت' صلح یا خون بہا کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتے تھے۔ تب جنگ کا الاؤ گرم ہو جاتا تھا۔ وہ مغلوب دشمن کی لاشوں کو جلا دیتے' ان کا مُثلہ کر دیتے یعنی اعضاءِ جسمانی کو کاٹ کاٹ کر آتشِ غضب کو ٹھنڈا کرتے تھے۔ عربوں کی پچیس سالہ طویل جنگ "حربُ الفساد" میں فریقین نے ایک دوسرے کے مقتولین کی کھوپڑیوں میں شراب پی۔ جنگ یحامیم میں جب بنی جدیلہ کا سردار اسبع بن عمرو مارا گیا تو بنی سنبس کے ایک شخص نے اس کے کان ناک کاٹ کر اپنے جوتے میں لگا لیے۔ جہل وبربریت کی یہ فضا تھی جس میں اعلیٰ انسانی قدریں حرفِ غلط کی طرح مِٹ چکی تھیں اور عربوں کے صحیفۂ تاریخ کا ورق ورق لہو رنگ ہو چکا تھا۔

ایسے میں پیکرِ رحمت حضرت محمد ﷺ کا ظہورِ مسعود ہوا۔ آپؐ نے عربوں کو امن وآشتی کا درس دے کر انہیں اخلاص ومحبت کی خوبصورت لڑی میں پرو دیا۔ آپؐ نے جنگ کو وسیلۂ اصلاح قرار دیا اور اس وقت ناگزیر ٹھہرایا جب اللہ کی زمین پر طاغوتی طاقتوں نے فتنہ وفساد' ظلم وستم اور کفرو معصیت کا طوفان برپا کر رکھا ہو۔ اسلام نے اس فلسفۂ جنگ کو جہاد کا نام دیا جو جنگ کے نظریۂ وحشت وبربریت کے بالکل متضاد ہے کیونکہ

Marfat.com

اس کے پیشِ نظر انسانیت کی اصلاح و تعمیر ہے نہ کہ تعزیر و تہدید۔ آپؐ نے پستی میں گرے ہوئے بندگانِ خدا کے ذہن و کردار کی تبدیلی کا کام کوڑوں اور تلواروں سے نہیں بلکہ تعلیم و تفہیم سے لیا اور اپنے حسنِ اخلاق سے تاریک دلوں کو منوّر کر دیا۔ یوں تھوڑے سے عرصے میں ان کے تمدن کی تقدیر بدل ڈالی۔ لیکن بگڑے ہوئے عربوں کی شعلہ خُو ذہنیت کو اتنی جلد بدلنا ممکن نہ تھا۔ انہوں نے پیغمبرِ آخر الزماںؐ اور ان کے احباب کی تحریکِ امن کو قبائلی روایات کے حوالے سے جانچا اور انہیں دشمن قرار دے کر معرکہ آرائی پر کمربستہ ہو گئے جس کے نتیجے میں اہلِ اسلام کو بدر' احد اور احزاب وغیرہ کی مدافعانہ جنگیں لڑنا پڑیں۔ ان جنگوں میں قریشِ مکّہ کو جس جانی و مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا' اس نے ان کے ایوانوں میں ہل چل مچا دی۔ جو کفّار ان لڑائیوں میں کھیت رہے تھے' ان کے عزیزوں کے دلوں میں جوشِ انتقام نے حشر برپا کر رکھا تھا۔ آخر وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ انہوں نے بدوی قبائل اور یہود کی اعانت سے مدینے کی نئ ریاست کو تباہ کرنے اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مکرو فریب کے نت نئے جال بُننا شروع کر دیئے۔

ماہِ صفر ۴ھ میں قریش کی ایک کامیاب سازش سامنے آئی۔ انہیں بدر و احد کے مقتولین کے ان پَس ماندگان کی حمایت بھی حاصل تھی جنھوں نے اپنے اعزّہ کے قاتلین کی گرفتاری کے لیے انعامات مقرر کر رکھے تھے۔ سلافہ بنتِ سعد زوجہ طلحہ بن ابی طلحہ کے دو بیٹے جنگِ احد میں حضرت عاصم بن ثابت کے ہاتھوں جہنّم واصل ہو گئے تھے۔ اس نے منّت مانی تھی کہ اگر عاصم کا سر مل جائے تو کاسہ بنا کر اس میں شراب پیوں گی۔ اس کام کے لیے اس نے سو اونٹ انعام کا اعلان کیا تھا۔ جنگِ بدر میں حضرت خُبَیبؓ بن عدی کے ہاتھ سے حارث بن عامر قتل ہو گیا تھا' اس کے ورثاء نے بھی خبیبؓ کے معاوضے میں سو اونٹ دینے کی منادی کر رکھی تھی۔ اسی طرح صفوان بن امیہ نے حضرت زید بن دثنہؓ کی گرفتاری کے لیے پچاس اونٹ شکرانے کے طور پر دینے کا وعدہ کر رکھا تھا کیونکہ ان کے ہاتھوں اُمَیّہ بن خلف مارا گیا تھا۔

کشیدگی کی اس زہریلی فضا میں فتنہ گرانِ قریش نے اس سازش کا تانا بانا تیار کیا۔ انہوں نے قبائلِ عَضَل والقارہ کے غیر مسلموں کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ ان کی تدبیر یہ تھی کہ کچھ لوگ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں جا کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔ چنانچہ سات آدمی

Marfat.com

مدینے پہنچے اور اسلام کا اقرار کرتے ہوئے عاجزانہ درخواست کی کہ اپنے اصحاب میں سے کچھ معلمین بھیجے جائیں تاکہ وہ ہماری قوم کو دین سکھائیں۔ یہ دور وہ تھا جب تحریکِ اسلامی لحہ بہ لحہ آگے بڑھ رہی تھی۔ آپ ؐ کی رہنمائی میں صُفّہ کی درس گاہ سے ایسے معلّم اور واعظ تربیت پارہے تھے جو زندگی کے اعلیٰ اصول ومقاصد اور اخلاقی معیارات کے ذریعے نوعِ بشر کی ظاہری وباطنی اصلاح وتعمیر کی اہلیت رکھتے تھے۔ حضور ؐ نے اس تعلیمی مشن پر ان چھ مبلّغین کو روانہ فرمایا:

۱۔ مرثد بن ابو مرثد غنوی ــــ (وفد کے قائد) ۲۔ عاصم بن ثابت ۳۔ خبیب بن عدی ۴۔ خالد بن بکیر لیثی ۵۔ زید بن دثنہ ۶۔ عبداللہ بن طارق۔

راستے میں غدّاری کی بساط بچھائی گئی اور مکہ وطائف کے درمیان رجیع کے مقام پر مندوبینِ قریش کا ایک آدمی کھسک گیا اور بنولحیان کے سوڈیڑھ سو بدّوؤں کو لے آیا تاکہ مبلّغینِ اسلام کو زندہ گرفتار کرکے اپنی حرص کی بھینٹ چڑھادیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر جاں دادگانِ عشق رسول پر کوئی گھبراہٹ طاری نہ ہوئی۔ وہ فدفد نامی پہاڑی پر چڑھ گئے اور شمشیر زنی کے جوہر دکھاتے ہوئے عاصم، مرثد اور خالد نے جامِ شہادت نوش کیا۔ خبیب، زید اور عبداللہ حراست میں لے لیے گئے۔ کفار انہیں مکّے کی سمت لے کر چلے تو مرالظہران کے مقام پر عبداللہ نے رسی سے ہاتھ کھینچ لیا اور تلوار سونت کر حملہ آور ہوئے۔ دشمنوں نے پیچھے ہٹ کر پتھروں کی بارش کردی جس کے نتیجے میں عبداللہ بھی شہید ہوگئے۔

حضرت خبیب ؓ اور زید بن دثنہ ؓ کو مکّہ لے جاکر فروخت کردیا گیا۔ زید کو صفوان بن اُمیّہ نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے اپنے غلام نسطاس کے حوالے کیا جس نے انہیں حرمِ کعبہ سے باہر مقام تنعیم میں لے جاکر شہید کردیا۔ حضرت خبیب ؓ کو حجیر بن ابی اہاب تمیمی نے حارث بن عامر کے خون کا بدلہ لینے کے لیے خریدا کیونکہ اس کا باپ (ماں کی طرف سے) حارث کا بھائی تھا۔ خبیب ؓ اسی کے گھر میں محبوس رہے۔ تاآنکہ دو ماہ بعد انہیں پھانسی دے دی گئی۔

حضرت خبیب ؓ کی مدتِ اسیری کے کچھ واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں جن سے شمعِ اسلام کے اس جاں نثار پروانے کے عزم واستقلال کی قابلِ فخر تصویر سامنے آتی ہے۔ انہیں کئی کئی دن خوراک سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ایک روز حجیر کی کنیز مادیہ نے کمرے

Marfat.com

میں جھانکا تو خبیب انگوروں کا ایک بڑا سا گچھا ہاتھ میں تھامے انگوروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس نے بتایا کہ ان دنوں مکے میں کوئی میوہ نہ تھا اور اس کی آنکھوں نے ایسے انگور کبھی نہیں دیکھے۔ یہ رزقِ غیبی تھا۔ وہ ایک اور واقعے کی گواہ بھی ہے۔ ایک بار حارث کا کم سن بیٹا ابو حسین چھری سے کھیلتا ہوا خبیبؓ کے پاس جا پہنچا۔ انہوں نے چھری ایک طرف رکھ دی اور بچے کو شفقت سے زانو پر بٹھا لیا۔ بچے کی ماں نے یہ منظر دیکھا تو اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ حضرت خبیبؓ نے مسکرا کر کہا ــــ "تم سمجھتی ہو کہ میں بچے کو مار ڈالوں گا؟ نہیں! مسلمان ظلم نہیں کیا کرتے"! ــــ ان واقعات نے ماویہ کے دل میں سچائی کا چراغ روشن کر دیا اور وہ تھوڑے عرصے کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔

آخر کار وہ وقت آ پہنچا جب خبیبؓ کو تنعیم کی قتل گاہ میں پابجولاں لایا گیا۔ ان کا دھان پان وجود زبانِ حال سے کہہ رہا تھا ــــ

سرِ مقتل چلو بے زحمتِ تقصیر بسم اللہ!
ہوئی ہے امتحانِ عشق کی تدبیر بسم اللہ!

حضرت خبیبؓ نے اپنے آخری لمحات میں ثابت کر دیا کہ عشقِ الٰہی سے سرشار مومن تختۂ مرگ کو فرشِ گل سمجھتا ہے اور جادۂ صداقت سے ذرا بھی لغزش نہیں کھاتا۔ چنانچہ جب انہیں دار کی خشک ٹہنی پر وارنے کے لیے لایا گیا تو سینکڑوں تماشائیوں میں قریش کی اہم شخصیات بھی موجود تھیں جن میں ابو سفیان، معاویہ بن ابی سفیان اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہم شامل تھے۔ خبیبؓ سے آخری خواہش پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب کے حضور جا رہا ہوں لہٰذا دو رکعات نماز ادا کرنے کی مہلت دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے دو رکعات نہایت خشوع و خضوع سے ادا کیں۔ پھر کفار سے کہنے لگے ــــ "نماز تو دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا مگر اس خیال سے جلد فارغ ہو گیا ہوں کہ کہیں تم یہ سمجھو کہ میں موت کے خوف سے تاخیر کر رہا ہوں"۔ اب انہیں پھانسی کے تختے سے جکڑ دیا گیا۔ ابو سفیان نے پوچھا ــــ "کیا تم پسند کرتے ہو کہ آج محمد ﷺ تمہاری جگہ یہاں پھنس جائے اور تم آزاد ہو جاؤ؟" ــــ حضرت خبیبؓ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا: "ارے میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ میرے بدلے میں میرے آقاؐ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے!" ــــ ابو سفیان ہکا بکا رہ گیا

Marfat.com

اور اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا: بخدا میری نظر سے ایسا شخص کبھی نہیں گذرا جس سے کوئی اتنی محبت کرتا ہو جتنی محمد ﷺ کے فدائی اس سے کرتے ہیں! ___ کہا جاتا ہے کہ مقتولانِ بدر کے اعزہ واقربا کے چالیس افراد نے اپنے نیزوں کی انّیوں سے حضرت خبیبؓ کا جسم چھیدنا شروع کیا تو انہوں نے یہ اشعار کہے جن سے اس شہیدِ فی سبیل اللہ کی جرات وعزیمت آشکار ہوتی ہے ___

فَوَاللّٰہِ مَا اَرْجُو اِذَامِتُّ مُسْلِمًا　　عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِی
وَذٰلِکَ فِی ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاءُ　　یُبَارِکْ عَلٰی اَوصَالِ شَلْوٍ مُمَزَّعٖ

خدا مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں کس پہلو پر گرتا اور جان دیتا ہوں کیونکہ میں تو اسلام پر مر رہا ہوں۔ یہ سب کچھ اللہ کے راستے میں پیش آیا ہے۔ اس لیے اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے ہر ٹکڑے پر برکت نازل فرمائے۔

صلیبِ درد پر جھولتے اور نیزوں سے چھدتے ہوئے خبیبؓ نے بے اختیار اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا ___ اَللّٰھُمَّ بَلَّغْنَا رِسَالَۃَ رَسُوْلِکَ فَبَلِّغْہُ مَا یَصْنَعُ بِنَا ○ ”اللہ ہم نے تیرے رسولؐ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا۔ اب تو اپنے رسولؐ کو ہمارے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کی خبر پہنچا دے“! اور پھر حارث بن عامر کے بیٹے ابو سروعہ نے نیزے کے ایک شدید وار سے حضرت خبیبؓ کو شہید کر دیا۔

رسول اللہ کو اس سانحے کی اطلاع وحی کے ذریعے دی گئی اور واقعۂ رجیع کو الوہی استناد عطا کیا گیا۔ سورہ البقرہ میں ارشاد ہوا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ۔ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (۲:۲۰۷)
اسلام کے شیدائیوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو (حق پر قائم رہ کر) اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنی جانیں تک لٹا دیتا ہے۔ اللہ ایسے بندوں پر بہت مہربان ہے ___ اور پھر وقت کی آنکھ نے اللہ کی مہربانی کا ایک تعجب خیز منظر دیکھا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ اور مقداد بن اسودؓ جب نبی کریمؐ کے ارشاد پر حضرت خبیبؓ کی لاش کو رات کی تاریکی میں مقتلِ تنعیم سے اتار لائے تو ان کا بدن چالیس روز گذرنے پر بھی تر وتازہ تھا' خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ صبح ہونے پر قریش نے تعاقب کیا۔ نزدیک پہنچے تو حضرت زبیرؓ نے خبیبؓ کی لاش زمین پر رکھ دی۔ تب زمین نے اپنا سینہ کھول دیا اور اللہ کے اس پاکباز بندے کا جسم اس کی گود میں سما گیا۔ حضرت خبیبؓ کو اسی لیے ”بلیع

Marfat.com

الارض" کہا جاتا ہے' یعنی جنہیں زمین نگل گئی۔

حضرت خبیبؓ کی شہادت تاریخِ اسلام کا ایک المناک واقعہ ہے اور اسلام دشمن قوتوں کی گھٹیا سفاکانہ حرکت کا ثبوت۔ خبیبؓ اور ان کے رفقاء کے قتل سے بعض کور باطنوں نے شاید یہ سوچا ہو گا کہ ہم نے تحریکِ اسلامی پر کاری ضرب لگائی ہے کیونکہ یہ شہداء اسلامی تعلیمی مشن کے سرکردہ افراد تھے' لیکن یہ ان کا خیالِ خام تھا۔ ان مظلوموں کا خون رائگاں نہیں گیا کیونکہ اس واقعے کے پسِ پردہ مسلمانوں کی اس اخلاقی فتح کا چاند جھلملا رہا ہے جس نے قتلِ خبیبؓ کا منظر دیکھنے والوں کے دلوں پر گہرا اور دیرپا اثر چھوڑا۔ حضرت خبیبؓ کے آخری ولولہ انگیز الفاظ نے حاضرین کی شاخِ سماعت پر ہدایت و شرافت کی کلیاں کھلادیں اور ربُّ العزت کی اطاعت' رسولِ آخر الزماںؐ سے عقیدت اور دینِ برحق سے محبت کی وجدانی کیفیات نے ان کے دلوں میں نورِ بصیرت کی کرنیں بکھیر دیں چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں اس تماشاگاہِ اذیت کے سارے گواہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

فتحِ مکہ کے موقع پر تاریخ کی نگاہوں نے اس یگانۂ روزگار کردار کا مظاہرہ دیکھا جس کی بدولت سرکارِ دو عالمؐ کو رحمتہ للعالمین کہا گیا۔ فتح و ظفر کی ان ساعتوں میں ظالم و سفاک اہلِ مکہ آپؐ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ اس قبیلۂ باطل کو رسولِ عادلؐ کا ایک اشارۂ ابرو فنا کے گھاٹ اتار سکتا تھا کہ وہ لوگ جاں نثارانِ محمد ﷺ کی ہزاروں چمچماتی تلواروں کی زد میں تھے لیکن قدرتِ انتقام رکھنے کے باوجود آقائے دوجہاں کے لبوں سے یہ رس گھولتی آواز بلند ہوئی:

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ — اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء

آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد و مامون ہو!

ان ملکوتی الفاظ نے زندہ چٹانوں پر حیرت ناک لرزہ طاری کر دیا۔ خونریزی کو جزوِ زندگی قرار دینے والے ایسی صورتِ حالات سے کب دوچار ہوئے تھے کہ انتقام لینے میں کوئی امر مانع نہ ہو اور جانی دشمن کو معاف کر دیا جائے۔ لیکن یہ انوکھا فاتح ﷺ جو اسی مکروہ سماج میں کنول بن کر مسکرایا اور انہی کانٹوں میں پھول کی طرح لہلہایا تھا' آج اپنی ذات کی ساری خوبصورتیاں اپنوں پرایوں کی جھولیوں میں انڈیل رہا تھا۔ اس نے اپنے مہربان ہاتھوں سے مقفّل دلوں کے دروازوں پر ایسی دستک دی کہ خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھے

Marfat.com

اور صفِ اعداء نے اس سائبانِ کرم کے تلے کونین کی سعادتیں سمیٹیں۔ ان حلقہ بگوشانِ اسلام میں حضرت خبیبؓ کا قاتل ابو سروعہ بھی شامل تھا' جس کی ذات کے ایک گوشے میں شہیدِ مظلوم کے لازوال کردار اور غیر متزلزل جذبۂ ایمانی نے خلش پیدا کر رکھی تھی اور اس کی کیفیت یہ تھی۔

حرفِ حق دل میں کھٹکتا ہے جو کانٹے کی طرح
آج اظہار کریں' اور خلش مِٹ جائے

ابو سروعہ کا چہرہ دیکھ کر حضورؐ کو اپنے عاشقِ صادق خبیبؓ کی بے بسی کا وہ منظر یاد آگیا جب ابو سروعہ کا چمکدار نیزہ ان کے کلیجے میں پیوست ہو رہا ہو گا اور ان کے پاکیزہ بدن سے لہو کی دھاریں مٹی میں جذب ہو رہی ہوں گی۔ آپؐ کی پلکوں پر اداسیاں عکس ریز ہونے لگیں تاہم محسنِ اعداءؐ کی نظروں میں جلد ہی رحم و کرم کا فطری جذبہ امڈ آیا جو ابو سروعہ کے وجود میں نور کی ندی بن کر اترنے لگا۔ اس کی روح کے تار وہ الوہی گیت گانے لگے جو ہر طالبِ ہدایت کا سرمایۂ زیست ہوتے ہیں۔ طویل رات کی سحر ہو چکی تھی اور ابو سروعہ بڑے ذوق و شوق سے جھوم جھوم کر بار بار کہہ رہا تھا

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

Marfat.com

# اہلِ خیبر کے ساتھ معاہدہ

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی قیادت میں برپا ہونے والا عظیم اسلامی انقلاب آپ ؐ کی سیاسی بصیرت، عسکری حکمتِ عملی اور اخلاقی اصلاح و تعمیر کا شاہکار ہے۔ اللہ نے حضور ؐ کو اپنا رسول منتخب کر کے عالمِ انسانیت پر احسان کیا اور اپنی مشیت کو پورا کرنے کے لیے آپ ؐ کی یگانۂ روزگار شخصیت میں جو اعلیٰ ترین اوصاف پیدا فرمائے، ان میں نمایاں ترین وصف جرأت و کردار ہے۔ آپ ؐ نے کارزارِ حیات میں ہمیشہ مردانہ وار اقدام کر کے اپنی ملّت اور اسلام کے لیے آبرو مندانہ رویہ اپنایا۔ آپ ؐ دشمن کی افرادی کثرت اور مادی ثروت سے کبھی مرعوب ہوئے، نہ اپنی اختیار کردہ پالیسی سے انحراف کیا۔ آپ ؐ کا یہی پُروقار اور پُر استقامت طرزِ عمل تھا جس نے تحریکِ اسلامی میں دریا کی سی روانی اور آگ کی سی حرارت بھر دی تھی۔

مدینۂ منوّرہ میں نبیِ آخر الزمان ؐ کا ورودِ مسعود کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ یہ ایک کھُلا چیلنج تھا، بدی کی ساری اندھی طاقتوں کے خلاف جنہیں نئی اسلامی ریاست ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ بدر اور احد میں ان کے شیطانی حربے بار آور ثابت نہ ہو سکے تھے لہٰذا حریفانِ کج نظر، اسلام دشمن عناصر کا سیاسی و عسکری محاذ تشکیل دینے میں سرگرم ہو گئے۔ اس سلسلے میں مدینۂ منوّرہ اور اس کے مضافات میں آباد یہودی پیش پیش تھے۔ کیونکہ محمد ﷺ کی تشریف آوری سے ان کی مذہبی سیادت کا خواب پریشاں اور سیاسی قیادت کا محل مسمار ہو کر رہ گیا تھا۔ تاہم غزوۂ احزاب میں قریش و یہود کے اس گٹھ جوڑ کا شیرازہ بھی بکھر کر رہ گیا کہ دستِ قدرت نے طوفانِ بادوباراں برپا کر کے ان کے خیمے اکھاڑ دیے۔ ان کی رسوا کُن ہزیمت کے بعد اسلام کے عبقری سردار ؐ کے لیے یہ جواز فراہم ہو گیا کہ وہ اپنے آس پاس پھیلے ہوئے یہودی سامراج پر کاری ضرب لگائے جو نام نہاد مذہبی

Marfat.com

تفاخر، نسلی عصبیت اور بے بہا دولت و ثروت کے بل بوتے پر اسلامی ریاست کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا۔

خیبر، ان دنوں اسلام دشمن سرگرمیوں کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ یہ وسیع و عریض علاقہ مدینۂ منوّرہ کے شمال میں کم وبیش ایک سو ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں دُور دُور تک لاوے کی جلی ہوئی پہاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جن کے درمیان خیبر کی سرسبز وشاداب وادیاں ہیں۔ یہاں گھنیرے نخلستان اور جھومتے باغات دعوتِ نظارہ دیتے اور صدیوں پہلے یہود کے خوشحال اسلوبِ زندگی کا عکس دکھاتے ہیں۔ انہی وادیوں میں جابجا ان کی آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں جن کی حفاظت کے لیے آٹھ مستحکم قلعے تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ بہشتِ بریں میٹھے پانیوں کے چشمے اگل رہی تھی۔ لیکن یہود کے مردہ دلوں میں خیرو حسنہ کے سرچشمے خشک ہو چکے تھے۔ ان کے سینوں سے حسد وعناد اور شرو فساد کے تلخ سوتے پھوٹ پھوٹ کر ان کی کشتِ حیات کو دشتِ ویراں میں تبدیل کر رہے تھے۔ انہوں نے ۶ھ کے اواخر میں مدینے کے منافقین سے ساز باز کر کے نوزائیدہ اسلامی مملکت پر اچانک یلغار کا منصوبہ بنایا اور اپنے حلیف بنو غطفان کے علاوہ چند عاقبت نا اندیش بدوی قبائل کو بھی شریکِ جرم کر لیا۔ مخبرِ صادق ؐ ان کی بدفطرتی سے خوب آگاہ تھے۔ یہود نے اگرچہ بڑی رازداری کے ساتھ یہ جنگی منصوبہ بنایا تھا لیکن حضور ؐ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے، پَل پَل ان کے جارحانہ عزائم کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ چنانچہ وہ ابھی مدینے کی جانب پیش قدمی بھی نہیں کر پائے تھے کہ رسول اللہ ؐ نے خیبر پر دھاوا بول دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مدینۂ منوّرہ ایک مضبوط اور اہم حکومت کا صدر مقام بن کر سامنے آچکا تھا۔ ذی قعد ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی تھی جس کے نتیجے میں قریش کی جانب سے کسی کارروائی کا امکان باقی نہ رہا تھا۔ ادھر اللہ نے سورہ الفتح کی ابتدائی آیات میں اس مکّی وَمَدَنی معاہدے کو فتحِ مبین قرار دیتے ہوئے ایسی بشارتیں دیں جنھوں نے بندگانِ توحید کے دلوں میں ایک ولولۂ تازہ پیدا کر دیا۔ قرآنِ مجید نے معاہدۂ حدَیبیہ کو آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں یہ منظر نامہ لکھا ـــــ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا (الفتح ۴۸:۱۸، ۱۹)

اللہ ان مومنین سے خوش ہوا جب وہ ایک درخت (سمرہ) کے نیچے آپ ؐ سے بیعت

Marfat.com

کر رہے تھے۔ اللہ ان کے قلبی جذبات کو خوب جانتا تھا۔ اس نے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان پر ایسی فتوحات کے دروازے کھول دیے جو انہیں بہت جلد حاصل ہونے والی ہیں جن کے نتیجے میں وہ بکثرت مالِ غنیمت حاصل کریں گے ـــــ یہی فضا تھی جس میں پیغمبرِ اعظم و آخرؐ نے ایک کامیاب میرِ عساکر کی طرح خیبر پر حملہ آور ہونے میں پہل کی۔ محرّم ۷ھ میں آپ نے چودہ سو سرفروشوں اور بیس خواتین کے نرسنگ اسکواڈ کے ساتھ میدانِ رجیع میں پڑاؤ ڈالا جو خیبر اور قبیلہ غطفان کے درمیان واقع تھا۔ آپؐ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ ان دونوں حلیفوں کا رابطہ کاٹ دیا جائے تاکہ وہ مجتمع ہو سکیں، نہ ایک دوسرے کو کوئی امداد بہم پہنچا سکیں۔ آپؐ کی یہ تدبیر کامیاب رہی ۔ بنو غطفان اپنے علاقے میں محصور ہو کر رہ گئے اور آپؐ کے لیے اہلِ خیبر سے نمٹنا آسان ہو گیا۔

یہود کے خفیہ پلان کی بساط اُلٹ چکی تھی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مسلمان یوں اچانک ان کی گردن دبوچ لیں گے ۔ مدینے پر قبضے کا خواب دیکھنے والے اپنے ہی علاقے میں بے دست وپا ہو کر رہ گئے تھے۔ آپؐ نے اپنا پیغمبرانہ فرضِ منصبی ادا کرتے ہوئے یہود کے سامنے دو تجاویز پیش کیں۔ کہ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں یا اسلامی ریاست کے باجگزار بن کر رہیں۔ لیکن بنی اسرائیلی رعونت و نخوت اور مال و منال کی سرمستی نے یہود کے حواس پر بدبختی کی چادر تان دی تھی اس لیے وہ کسی باعزت تصفیے پر آمادہ ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اتمامِ حجت کے بعد سالارِ اسلامؐ نے جنگ کے احکام صادر فرمائے اور محمدی فوج نے بہت جلد النطاط اور صعب کے قلعے فتح کر لیے۔ قموص ایک مضبوط قلعہ تھا جس کا محاصرہ بیس روز جاری رہا۔ آخر رسول اللہؐ نے خصوصی اعلان کے ساتھ حضرت علی حیدرِ کرّارؓ کو اس مہم کے لیے نامزد فرمایا جنہوں نے نصرتِ الٰہی اور تائیدِ نبوی سے مشہور یہودی جنگجو مرحب کا سر اور بابِ قموص توڑ کر خیبر کی فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ اقبال نے اپنی نظم شکوہ میں اسی اہم واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

تُو ہی کہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟
کاٹ کر رکھ دیے کفّار کے لشکر کس نے؟

ان قلعوں کی دفاعی لائن کٹتے ہی الشق اور الناعم کے قلعے بھی مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔ اب یہود اپنا مال و متاع سمیٹ کر آخری تین قلعوں الکتیبہ، الوطیح اور السلالم میں پناہ گزیں ہو گئے تاہم چودہ روز کے بعد ان کی ہَوا اکھڑ گئی اور تحریکِ اسلامی کے راستے کی

Marfat.com

بھاری چٹان پاش پاش ہو گئی۔ سرکش یہودی جنہیں صدیوں سے مذہبی' معاشی اور معاشرتی بالادستی حاصل تھی' آخر پیغمبرِ اسلام ؐ کے سامنے مغلوب و مطیع ہو کر کھڑے تھے لیکن رحمتِ مجسّم ؐ نے ان سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ اپنا دامانِ لطف و کرم وسیع کرتے ہوئے انہیں ان شرائط پر امان عطا کی:

(الف) ان کی جان و آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمّہ ہے۔

(ب) انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی حاصل ہو گی۔

(ج) وہ اسلامی ریاست کو اپنی زمینوں کی پیداوار کا آدھا حصہ خراج کے طور پر ادا کریں گے۔

(د) کسی عہد شکنی یا فتنہ انگیزی کی صورت میں ان سے اراضی لے لی جائیں گی اور انہیں ملک بدر کر دیا جائے گا۔

فتحِ خیبر سے تحریکِ اسلامی کے سامنے سیاسی' اقتصادی اور عسکری کامرانیوں کے نئے افق روشن ہوئے۔ اس کی اہم ترین حریف قوت کی بالادستی کا چراغ گُل ہونے سے جہاں منافقینِ مدینہ کو سازشوں کی کمک ملنا بند ہو گئی' وہاں قریشِ مکّہ بھی بھری دنیا میں بے یار و مددگار کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ تب ایک سال بعد ہی وقت کی آنکھ نے یہ منظر دیکھا کہ اللہ کا آخری رسول ؐ فاتحِ مکہ کی حیثیت سے جبر و استحصال کے ذلّت آمیز نظام کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر عالمِ انسانیت کو امن و آشتی اور محبت و شفقت کے ربّانی انقلاب کی نوید سنا رہا تھا' فضائیں نعرۂ حق سے گونج رہی تھیں' صحنِ حرم کو اصنام سے پاک کیا جا چکا تھا اور باطل ہمیشہ کے لیے پسپا ہو کر رہ گیا تھا۔

Marfat.com

# تاریخِ عالم کا ایک انقلاب آفریں باب ــــ فتحِ مکّہ

وقت کی آنکھ نے صدیوں پہلے تاریخ کے افق پر ایک ایسے سورج کو ابھرتے دیکھا ہے جس کے لیے کوئی شام نہیں۔ اس نے تاریکیوں کے سینے میں خنجر گھونپ کر اپنی کرنوں کو اذنِ تابانی دیا۔ اس کے ظہور سے ویرانیٔ دَوراں پر کرم ہوا۔ پھولوں کو مسکراہٹیں ارزانی ہوئیں' عندلیبوں کو مسرت بھرے گیت ملے اور فاختاؤں کے لہو میں پرواز کی امنگیں جاگیں۔ جہت جہت میں زندگی کی ایسی نمود ہوئی کہ نظر نظر میں آگہی کا چراغاں ہوا۔ صدیاں بیت چکیں مگر ضیاپاشیوں کا سلسلہ ہے کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ لوحِ زمان ومکاں پر نقش یہ نورانی تحریریں پیغمبرِ آخر الزّمان محمد ﷺ کے دستِ ہنرور کا اعجاز ہیں اور ابد کی آخری ساعتوں تک لازوال رہیں گی۔

کوہِ صفا پر اعلانِ حق کے ساتھ ہی مخبرِ صادق ﷺ کو الم ناک مزاحمتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مکّے کی گلیاں اور بطحا کی وادیاں ان تلخ یادوں کی امین ہیں۔ روز وشب تازہ تعزیروں کا روح فرسا سلسلہ جاری تھا۔ کفرو شرک کے بے لگام عفریت' حق پرستوں کو بے نشان کرنے کے لیے ہر امکانی حربہ آزما رہے تھے اور اللہ والے سنگ وآہن کی بارش میں صبرو استقلال سے ڈٹے کھڑے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینۂ منوّرہ میں مسلمانوں کو جب ایک جائے امن میسر آئی تو تحریکِ اسلامی کو نیا رنگ بخشا گیا۔ اب مدافعت کا نہیں بلکہ تقابل اور تصادم کا یہ فرمانِ ایزدی جاری ہوا ــــ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ ۲: ۱۹۳) باطل پرست قوتوں سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کے قانون کو برتری حاصل ہو جائے ــــ چنانچہ ہجرت کے چھ ماہ بعد ہی سے سیاسی آویزشوں' مسلّح کشمکشوں اور جنگی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حریفانِ بدنہاد نے جابجا نئے محاذ کھول دیے' لیکن تحریکِ اسلامی اپنے صاحبِ فراست سالارؐ کی

Marfat.com

قیادت میں بدی کے مکمل استیصال تک راہِ مستقیم پر رواں دواں رہی۔

قریش نے اگرچہ جناب رسالت مآب ؐ اور ان کے رفقاء کی اذیّت رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی مگر ان کے کردار میں کچھ ایسے اوصاف بھی تھے جو کسی بھی انقلابی تحریک کے لیے ضروری ہیں۔ ایک تجارت پیشہ قوم ہونے کی وجہ سے ان کا بیرونی دنیا سے رابطہ قائم تھا۔ وہ طبعاً ذہین وفطین اور بصیرت مند ہونے کے باعث دوسری اقوام اور دور دراز کی سرزمینوں کے جغرافیائی' تاریخی اور تمدنی احوال سے واقف تھے۔ چنانچہ آپ ؐ نے قریش کے افرادی سرمائے کو تحریکِ اسلامی کی آئندہ جدوجہد کے لیے محفوظ رکھا۔ آپ ؐ اپنی زبردست سیاسی بصیرت سے انہیں ان کے یہودی وعربی حلیفوں سے جدا کر کے بے دست وپا کرتے چلے گئے تا آنکہ معاہدۂ حدیبیہ سے انہیں اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ وہ اسلامی ریاست کو مکّی حکومت کی متوازی طاقت ماننے پر مجبور ہو گئے۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ قبائلِ عرب کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ قریش یا مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں' حلیفانہ معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ بنوبکر نے قریش اور بنو خزاعہ نے مسلمانوں کا انتخاب کیا۔ ان دونوں قبائل میں قبل از اسلام سے مخاصمت چلی آ رہی تھی۔ صلحِ حدیبیہ کو ابھی دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر ہلّہ بول دیا اور قریش کی بھرپور امداد کے ساتھ انہیں عین صحنِ حرم میں موت کے گھاٹ اتارا۔ یہ وحشیانہ حرکت معاہدے کی صریح خلاف ورزی تھی اس لیے یہی واقعہ فتحِ مکہ کی تمہید ٹھہرا۔

آنحضرت ؐ دس ہزار مجاہدین کے ساتھ انتہائی عجلت لیکن رازداری کے ساتھ عدل وانصاف اور حق وصداقت کا پرچم لہراتے ہوئے ایک فاتح کی حیثیت سے مکّے میں داخل ہوئے۔ وہ شہر جہاں سے آپ ؐ کو نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا' اب آپ ؐ کی پابوسی کر رہا تھا اور سفّاک دشمن سر جھکائے کھڑے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے ناقابلِ معافی جنگی واخلاقی جرائم کیے تھے اور ان کے دل ودماغ کی تمام صلاحیتیں نخلِ اسلام کو جڑوں سے اکھاڑنے میں صرف ہوئی تھیں۔ صفوان بن اُمیّہ نے ذاتِ رسالت مآب ؐ اور دینِ اسلام کے خلاف اذیّت ناک محاذ کھول رکھے تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل کی زندگی کا مقصد حضور ؐ اور ان کے اصحاب ؓ کو طرح طرح کی مشکلات سے دوچار کرنا تھا۔ مقیس بن صبابہ نے ایک انصاری کو قتل کر کے ارتداد کے دامن میں پناہ لے لی تھی۔ ہبار بن الاسود نے حضور ؐ کی بیٹی زینب ؓ پر حملہ کر کے ان کا حمل ساقط کر دیا تھا۔ وحشی نے حضور ؐ کے

Marfat.com

چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ اشتعال انگیزی میں اپنا جواب آپ تھی۔ اسی نے حضرت حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی کی اور ان کا کلیجہ چبایا تھا۔ عبداللہ بن زِبَعرَ نے ہجویہ شاعری کے ذریعے اہانت واذیت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ مگر یہ کیسی عسکری یلغار تھی کہ کوئی گھر لُوٹا گیا' نہ سروں پر تلواریں برسیں' کسی کی عزت اچھالی گئی' نہ آتشِ انتقام ٹھنڈی کی گئی بلکہ آج ہی کے دن تو رحمتہ للعالمینؐ کے اسوۂ حسنہ کا بے مثال مظاہرہ دیکھنے میں آیا' آپؐ نے اپنے خطبہ فتح میں فرمایا:

اَلَاکُلُّ مَاْثُرَۃٍ وَّمَالٍ وَّدَمٍ فَھُوَتَحْتَ قَدَمِی۔ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ نَخْوَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَعَظُّمَھَا بِالْاٰبَاءِ۔ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ اِذْھَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ!

یا در کھو آج تمام مفاخر' تمام انتقام' خون ومال کے مطالبے سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ اب جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا کیونکہ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اے قومِ قریش! آج تم پر کوئی الزام نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو!

فتح وظفر کے ان لمحوں میں بابِ کعبہ سے بلند ہونے والی رحمت بھری بشارتیں اور مساواتِ انسانی کی بہار آفریں نویدیں ساعتوں کے دریچوں پر مسلسل دستک دے رہی تھیں' دلوں کے بند دروازے کھلتے جا رہے تھے' اولادِ آدم' محسنِ انسانیتؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے لیے ٹوٹی پڑ رہی تھی اور باطل ہمیشہ کے لیے پسپا ہو کر رہ گیا تھا۔

فتحِ مکہ ـــــ تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ اس کے نتیجے میں ملک نہیں' بلکہ انسان فتح ہوئے تھے اور لعل وجواہر نہیں' دل مٹھی میں آئے تھے۔ اس روز جب ساری قریشی نخوت ورعونت آپؐ کے قدموں میں پڑی تھی' آپؐ کا ایک اشارہ اہلِ مکہ کو تیغ انتقام کی دھار پر کھینچ سکتا تھا۔ لیکن آپؐ کے دامانِ رحمت کی ہوا نے جانی دشمنوں کو زندہ رہنے کا جواز عطا کیا۔ قریش کا قبولِ اسلام شاہراہِ حیات پر انسانیت کے قافلے کو تیز تر کرنے کا باعث ہوا۔ وحشی قبائل کے وفود آ آ کر اسلام کے پرچم تلے متحد ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عرب کے زمین و آسمان بدل گئے۔ لاکھوں کلومیٹر رقبہ اسلامی سلطنت کا حصہ بنا اور بے شمار دلوں میں سچائی کے وہ چراغ جل اٹھے جنہیں مستقبلِ قریب میں

Marfat.com

ایرانی و رومی ظلمت کدوں اور پھر سارے عالم کو روشنیوں سے معمور کرنا تھا۔ الطاف حسین حالی نے اسلام کے اس عالمگیر مشن کا منظر نامہ یوں لکھا ہے ___

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی
پڑی چارسُو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دُور دُور اس کی پہنچی
جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

مکّہ کی قریشی قیادت نظامِ جہالت و شرک کی علمبردار تھی۔ تحریکِ اسلامی کے سیلِ بے پناہ نے سامراجی اور استحصالی طاقت کی تعمیر کردہ اس دیوار کو منہدم کر دیا جو بندہ و آقا کے درمیان حائل تھی۔ تب انسان نے اپنے پروردگار کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کیا۔ توحید و رسالت کا لافانی پیغام فضاؤں میں گونجا اور فتحِ مکہ سے وہ پُرامن آئینی انقلاب رُونما ہوا جس نے تھوڑے سے عرصے میں عالمِ انسانیت کو اعلیٰ اخلاق' مُصَفّا تہذیب اور شعورِ تازہ سے مالا مال کر کے تاریخ' جغرافیے' زبان اور ثقافت کے مختلف خانوں میں بٹی دنیا کو وحدت کے رشتے میں پرو دیا۔ اس یک رنگی سے ایسی فکری و عملی تگ و تاز ہوئی کہ اسرار و معارف کے نئے افق روشن ہوئے اور انسان کو اپنے اشرف المخلوقات ہونے پر واقعی فخر کا احساس ہوا۔

تاریخِ عالم کا پس منظر تلواروں کی جھنکاروں' گھوڑوں کی ٹاپوں اور انسانوں کی آہوں' فریادوں سے عبارت ہے۔ عہدِ رسالت مآب ؐ تک جنگوں کا مقصد مال و اقتدار کی ہوس اور فتنہ و فساد کے علاوہ کچھ نہ تھا مگر آپ ؐ نے فلسفۂ جنگ کی معنویت بدل ڈالی اور اسے جہادِ فی سبیل اللہ سے موسوم کیا جس کی غرض و غایت حریف کو تباہ و برباد کرنا نہیں بلکہ مخلوقِ خدا کو اس کے شر سے نجات دلانا ہے۔ فتحِ مکّہ بظاہر عسکری کارروائی تھی لیکن وہ تو خالص اخلاقی فتح پر منتج ہوئی۔ آپ ؐ نے عہدِ تاریک خصوصاً عرب کی انسانیت سوز روایات کے برعکس مفتوحین کی عزت و ناموس اور جان و املاک سے کوئی تعرّض نہ کیا حتیٰ کہ جنگی مجرموں کو بھی عفوِ عام سے نوازا۔ اس مشفقانہ رویّے نے رائج الوقت جنگی دستور کو انسانی اقدار کے منافی قرار دے کر بقائے باہمی کے اصول پر مبنی ایسا صالح آئینِ جنگ دیا جو

Marfat.com

بیسویں صدی میں انجمنِ اقوامِ متّحدہ کے منشور کا ماخذ قرار پایا۔

پیغمبرِ اعظم و آخر ؐ کا منصب رسالت کسی ایک خطّۂ ارضی کے لیے خاص نہیں بلکہ آپ ؐ کو ساری کائنات کے لیے مبعوث کیا گیا۔ فتحِ مکہ سے پہلے قریش کی معاندانہ روش کے باعث آپ ؐ کو تبلیغِ اسلام کا بھرپور موقع میسر نہ آیا تھا۔ ان آٹھ برسوں میں آپ ؐ نے ستائیس غزوات کیے اور پچپن جہادی مہمّات سَر کرنے کے لیے اپنے رفقاء کو بھیجا۔ اس عالمِ کشاکش میں صرف ایک بار ۶ھ کے اواخر میں امراءِ عرب اور سلاطینِ عالم سے تبلیغی رابطہ قائم کیا گیا تاہم فتحِ مکہ کے بعد اشاعتِ اسلام کے مؤثّر اقدامات کے لیے راستہ ہموار ہوا۔ سائبانِ اسلام کے تلے دنیائے عرب کے متّحد ہونے سے ایک ایسی مستحکم حکومت وجود میں آئی جو دوسری دنیاؤں تک اپنا عالمگیر مشن پہنچا سکتی تھی۔ روم و ایران کی بادشاہتوں نے اگرچہ تحریکِ اسلامی کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن باطل کے نصیب میں شکست و ہزیمت لکھی جا چکی تھی اور یہ فتحِ مکّہ کا ثمرہ تھا کہ اسلام خشک و تر خطّوں کو اپنے دائرۂ اثر میں لیتا ہوا بہت جلد دنیا کی عظیم ترین قوّت بن کر نمودار ہوا۔

Marfat.com

# اہلِ نجران کے ساتھ معاہدہ

حق و صداقت کے چشمۂ صافی سے سیراب ہونے والی تحریکِ اسلامی نے جس مختصر سے عرصے میں خطّۂ عرب سے نکل کر دوسری دنیاؤں تک اپنا دائرۂ اثر وسیع کیا' وہ تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ مدینۂ منوّرہ اس تحریک کا مرکز بنا جسے حضرت محمد ﷺ کی بے مثال داخلی و خارجی حکمتِ عملی کے باعث اوّلین اسلامی ریاست کے مستحکم صدر مقام کا درجہ حاصل ہوا اور یہیں سے اعلیٰ اقدار پر مبنی تہذیب و تمدن کی صبحِ عالمتاب پھوٹی۔ اس اسلامی حکومت کا قیام چونکہ تمام عالمِ انسانیت کی فلاح و نجات کے لیے ہوا تھا اس لیے آپؐ نے خارجہ تعلقات کو اپنی سیاسی پالیسیوں میں سرِفہرست رکھا۔ علاوہ ازیں ابھی اس حکومت کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں اور وہ ہر لحہ دلِ اعداء میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی لہٰذا آپ نے اردگرد کے قبائل سے دفاعی اور دوستی کے معاہدات کیے۔ اس اثناء میں غزوۂ احزاب پیش آیا جس کے نتیجے میں قریش' یہود اور قبائلِ عرب کے مُتّحِدہ محاذ کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ اب آپؐ کے تبلیغی مشن کی سرگرمیوں میں تیزی آگئی۔ آپؐ نے نہ صرف اندرونِ عرب بلکہ بیرونِ عرب بھی اسلام کا سرمدی پیغام پہنچانے کی خاطر سفارتیں بھیجیں اور مختلف قوتوں کے ساتھ معاہدات کر کے قربتوں کے رشتے قائم کیے۔ یوں ایک طرف تو اشاعتِ اسلام کا سلسلہ دراز ہوا تو دوسری جانب قریش کو بھری دنیا میں تنہا کر دیا گیا۔ اسی کامیاب حکمتِ خارجہ کا نتیجہ تھا کہ فتحِ مکہ ممکن ہوئی اور عرب کے اس پایہ تخت پر اسلام کا پرچم لہرانے سے قریش کی موروثی سیادت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوا کہ قبائلِ عرب جوق درجوق سایہ‌ٔ اسلام کے تلے جمع ہونے لگے۔

اس صورتِ حال میں سیاستِ خارجہ کو تازہ شکل دی گئی۔ پہلے معاہدات ختم کر دیے گئے اور تمام قبائل سے دو مطالبات کیے گئے ___ کہ وہ یا تو دائرۂ اسلام میں آکر اسلامی

Marfat.com

معاشرے کے افراد کہلائیں یا اسلامی حکومت کی بالادستی قبول کر کے جزیہ ادا کریں۔ چنانچہ تحریکِ اسلامی کی بڑھتی ہوئی رفتار نے جلد ہی اس حقیقت کو منوا لیا کہ صداقتوں کے اس سیلِ رواں کو روکنا کسی کے بس میں نہیں چنانچہ قبولِ حق میں تیزی آنے لگی اور وقت کی آنکھ نے اس روحانی انقلاب کا منظر حجتہُ الوداع کے موقع پر دیکھا کہ پیغمبرِ آخر الزمان ؐ کے جلو میں کم وبیش سوا لاکھ توحید پرست اللہ ربُّ العزت کی کبریائی کا اعلان کر رہے تھے۔

اس دَور کا مطالعہ کیا جائے تو جنوبی عرب کے منتشر وپراگندہ قبائل میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کی رفتار سست نظر آتی ہے۔ اگرچہ بڑے بڑے قبیلے مسلمان ہو چکے تھے لیکن سرحدی علاقوں کے بعض طبقے ابھی تک دولتِ اسلام سے محروم تھے۔ انہی میں اہلِ نجران بھی شامل تھے۔ نجران' جنوبی عرب میں بحیرۂ احمر' عسیر' احقاف اور یمن کے درمیان ایک عیسائی آبادی تھی جہاں حرمِ کعبہ کے مقابلے میں کعبۂ نجران کے نام سے ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا گیا تھا جس کے لاٹ پادری ابو الحارث کو مذہبی اور سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ ۹ھ کے آغاز میں رسول اللہ ؐ نے اہلِ نجران کو ایک خط کے ذریعے کلمۂ حق پہنچایا جس کے الفاظ یہ تھے ــــ "میں ابراہیم ؑ' اسحاق ؑ اور یعقوب ؑ کے خدا کے نام سے ابتدا کرتے ہوئے تمہیں بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت اور بندوں کی آقائی سے اللہ کی آقائی کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو ہماری سیاسی اطاعت کرتے ہوئے جزیہ ادا کرو۔ بصورتِ دیگر اعلان جنگ ہے!"

لاٹ پادری نے یہ خط پڑھا تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس نے فوراً اپنے تین غیر عیسائی مشیرانِ خاص شرحبیل بن وداعہ' عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن قیس کو مدینۂ منوّرہ بھیجا تاکہ وہ خود حالات کا جائزہ لیں۔ انہوں نے محسنِ انسانیت ؐ کی گراں قدر شخصیت اور اسلامی ریاست کے نظم ونسق کا گہرا مشاہدہ کیا' طویل مذاکرات کیے۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سیاسی اطاعت ناگزیر ہے۔ چنانچہ ایک معاہدہ قرار پایا جس کی رُو سے اہلِ نجران کو بڑی فیّاضی سے مراعات وحقوق عطا کیے گئے۔ اس معاہدے کی دفعات یہ تھیں:

(الف) اہلِ نجران کو جو موجود ہیں اور جو آنے والے ہیں' اللہ اور اس کے رسول ؐ کی حفاظت حاصل ہو گی۔

(ب) ان کی ذات' ملّت ومذہب اور اموال واراضی کی حالت وحقوق میں کوئی تغیّر نہیں

Marfat.com

کیا جائے گا۔

(ج) عہدِ جاہلیت کے شبہات اور قتل کے جھگڑے ختم کیے جاتے ہیں۔

(د) ان سے بیگار نہیں لی جائے گی۔

(ہ) کوئی فوج ان کے علاقے میں داخل نہیں ہوگی۔

(و) ظالم و مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا اور کوئی فرد کسی دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا۔

(ز) اگر کوئی سود کھائے گا تو میں اس زیادتی سے بری الذّمہ ہوں۔

(ح) صرف دو ہزار اوقیہ مالیت کی پوشاکیں بطور سالانہ ٹیکس (جزیہ) ادا کی جائیں گی۔

صلح و آشتی اور امن و محبت کا یہ اعلامیہ درحقیقت حقوقِ انسانی کی بنیادی دستاویز ہے جو اہلِ نجران کے لیے ابرِ رحمت کا پہلا چھینٹا بنی اور لاٹ پادری ابو الحارث کو امید کی کرنیں نظر آنے لگیں۔ وہ جس منصب پر فائز تھا' اس کی نزاکتیں مادی سے زیادہ روحانی تھیں۔ لہٰذا اس کی وجدانی قوتیں اس کے دل و دماغ پر دستک دے دے کر اسے بے قرار کر رہی تھیں کہ وہ جانبِ شمال سے ظہور کرتے اجالے کو کھلی آنکھوں سے دیکھے اور جزیرۂ عرب میں مسیحیت کے مستقبل کی خصوصی ضمانت حاصل کرے۔ چنانچہ ۹ھ کے اواخر میں اس نے ساٹھ سرکردہ افراد کے ساتھ مدینۂ منوّرہ کا رخ کیا۔ اس وفد میں نجران کے علاقے کا گورنر عبدالمسیح عاقب اور جج ایہم بھی شامل تھا۔ یہ لوگ دن ڈھلے مدینۂ منورہ پہنچے۔ رسول اللہ ؐ نے انہیں مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا اور صحنِ مسجد میں مسیحی طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بخشی۔ وہ کئی روز دربارِ رسالت کے مہمان رہے۔ اس دوران میں انہوں نے سیاسی گفت و شنید کے علاوہ اسلام اور مسیحیت کے مذہبی عقائد بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت' عقیدۂ تثلیث اور دینِ ابراہیمی کے متعلق کھل کر بحث کی۔ ان حسّاس موضوعات پر نصرانیوں کا جذباتی ہونا تو عین فطری تقاضا تھا مگر کچھ اسلام دشمن عناصر بھی جن میں یہود سرفہرست تھے' اپنی شرانگیز فطرت سے کام لے کر شعلوں کو ہوا دیتے رہے۔ کج بحثی طُول پکڑتی جا رہی تھی کہ داعیِ اسلام ؐ نے اعلانِ مُباہَلہ کر دیا تاکہ سچ اور جھوٹ نکھر کر سامنے آجائے۔ آپ ؐ اپنی لاڈلی بیٹی فاطمہ ؓ' دونوں نواسوں حسن ؓ و حسین ؓ اور حضرت علی ؓ کے ہمراہ باہر آئے۔ آپ کے جلو میں اگرچہ چار نفوس تھے لیکن عزم و یقین کی ساری قوتیں ہم قدم تھیں۔ یہ حیرتناک منظر دیکھ کر

Marfat.com

عیسائیوں کے دل پسیج گئے۔ ان کے ضمیر شہادت دے رہے تھے کہ یہ نبیِ برحق ہیں اس لیے ان سے مُبَاہَلہ کرنا درحقیقت اپنی قضا کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سیاسی اطاعت کی التجا کی۔ اس پر بارگاہِ نبوّت سے جاری کردہ پہلے عمومی فرمان کے ضمیمے کے طور پر کلیساؤں اور مذہبی پیشواؤں کے متعلق ایک خصوصی فرمان جاری کیا گیا جس کی دفعات یہ تھیں:

(الف) لاٹ پادری (ابو الحارث) دیگر پادریوں کاہنوں، راہبوں، ان کے معتقدوں، غلاموں، سپاہیوں اور ان کی املاک کو اللہ اور اس کے رسول کی امان حاصل ہوگی۔

(ب) گرجاؤں کے عہدیداروں میں سے کسی کو برطرف نہیں کیا جائے گا۔

(د) وہ (اہل کلیسا) عوام کے خیر خواہ اور خیر اندیش رہیں گے۔ خود ظلم کریں گے، نہ ظالم سے تعاون کریں گے۔

اہل نجران کے ساتھ کیا ہوا یہ دستوری معاہدہ کئی بصیرت افروز پہلو لیے ہوئے ہے جن میں اسلام کی اصل اسپرٹ "سلامتی اور تسلیم ورضا" کارفرما ہے۔ اس کی ایک ایک شق میں سرورِ کائنات ؐ کا دامنِ رحمت عالَم بشریت کے لیے کشادہ دکھائی دیتا ہے کہ آپ ؐ نے انسانیت کے حوالے سے مذہب وملّت کی کوئی تمیز روا نہ رکھی اور بندگانِ خدا کو زندہ رہنے کا فطری حق فراہم کیا۔ یہ معاہدہ ثابت کرتا ہے کہ تہذیب وشائستگی سے محروم اس دور میں رسولِ کریم ؐ نے ایسا نظامِ حکومت قائم کیا جو وسیع المشربی اور شریف النفسی کے رحمدلانہ اصولوں پر مبنی تھا۔ ۹ھ میں جب اسلام پورے خطّۂ عرب پر اپنا تسلّط قائم کر چکا تھا، کلیسائی نظام کو جُوں کا توں برقرار رکھا گیا اور نصرانیوں سے صرف اسلامی ریاست کی اطاعت کا تقاضا کیا گیا جس کے صلے میں انہیں وہ تمام حقوق عطا کیے گئے جو مسلم رعایا کو حاصل تھے۔ یہ معاہدہ کسی بھی صالح نظامِ حکمرانی کو یہ کلیدی نکتہ ارزانی کرتا ہے کہ ریاست کے تمام باشندے تمدّنی اعتبار سے مساوی حقوق کے مالک ہوتے ہیں۔ اقلیّتیں اپنے مذہبی امور میں آزاد ہوتی ہیں۔ عقائد ونظریات کے سلسلے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت ؐ کی اسی روادارانہ سیاسی حکمت کی برکت تھی کہ اسلامی ریاست ایک منظم ومتّحد قوت کی حیثیت سے ابھری جس سے تمام منتشر طاقتیں وابستہ ہونے میں عزت محسوس کرنے لگیں۔ طوائف الملوکی اور لاقانونیت کے عہد ستم کا خاتمہ ہوا اور ایک مہذب انسانی برادری کا قیام عمل میں آیا۔

Marfat.com

# بنو جُزام کے ساتھ معاہدہ

یہ ایک عمرانی حقیقت ہے کہ معاشرے کے کسی بنے بنائے اور روایتی سانچے میں ذرا سا تغیر بھی سخت ذہنی ریاضت اور شدید جسمانی جدوجہد کے بغیر رونما نہیں ہوتا۔ اسلام تو کائناتِ انسانی کی ہمہ رنگ انقلابی تحریک ہے جس کی سنّت ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ وہ اقرارِ حق کرنے والوں کو باطل کے مقابل صف آرا کرتی ہے اور وہ عہد نامہ لکھا جاتا ہے جس کے پس منظر میں سنگ و آہن کی تیز بارشوں اور ابلیسی قہقہوں کی وحشیانہ گونج سنائی دیتی ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اسلام کے محرّکِ اعظم حضرت محمد ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ آگ اور خون کا دریا عبور کیا۔ آپؐ کی مکی زندگی تو سراسر ایک سلسلۂ تعزیر تھا جس کا دورانیہ تیرہ برس پر پھیلا ہوا تھا تاہم ہجرت کے بعد بھی آزمائشوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی اور آپؐ کو بیک وقت کئی محاذوں پر معرکہ آرا ہونا پڑا۔ قریشِ مکہ کی حیثیت اگرچہ اب خارجی دشمن کی تھی مگر ان کی ستم رانی کا خدشہ بہرحال موجود تھا۔ مدینۂ منوّرہ میں یہود اور منافقین دو ایسے داخلی حریف تھے جن سے ہمہ وقتی سرد جنگ کا سامنا تھا' مگر آپؐ نے اپنی بے مثال بیدار مغزی سے ایسی حکمتِ عملی اختیار کی جسے سیاست خارجہ کا شاہکار قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپؐ نے نوزائیدہ اسلامی ریاست کے اردگرد بکھرے ہوئے قبائل کے ساتھ معاہدات کر کے یا تو انہیں حلیفانہ رشتے میں پرو لیا' یا انہیں غیر جانبدار بنا کر فصیلِ شہرِ باطل میں شگاف ڈال دیے۔ یوں طاغوتی قوتوں کا حصار ٹوٹتا چلا گیا۔ منتشر اور غیر منظم قبائل آپ کی متّحد اور منضبط قوت سے منسلک ہوئے اور کاروانِ الٰہی پر فتوحات کے

Marfat.com

دروازے کھلتے چلے گئے۔

مدینۂ منوّرہ جس روز سے اللہ والوں کا مامن بنا' کفرو شرک کے عفریت بار بار اس کی مقدس دہلیز پار کرنے کی ناکام جسارت کرتے رہے۔ تاآنکہ ہجرت کے چھٹے سال معاہدۂ حدیبیہ سے قریشی سیادت کو بساطِ سیاست پر شہ مات نصیب ہوئی۔ اسے قرآنِ مجید نے فتحِ مبین قرار دیا کیونکہ اس کے تمام مثبت ثمرات اسلامی ریاست کے حق میں گئے۔ اس امن سمجھوتے سے مکّی و مدنی حکومتوں کے مابین کشاکش میں کمی واقع ہوئی اور دارالاسلام پر کسی عسکری یلغار کا خدشہ باقی نہ رہا۔ دعوتِ حق کی ترقی وپیش قدمی کی راہیں کشادہ ہونے لگیں اور جناب رسالت مآب ؐ کو یکسوئی کے ساتھ عرب اور بیرونِ عرب اپنے رسالتی مشن کی تکمیل کا بھرپور موقع میسر آیا۔ آپ ؐ نے جابجا سفارتیں روانہ کیں اور شیوخِ عرب کے علاوہ روم' ایران' مصر اور حبشہ کے فرمانرواؤں کو پے در پے خطوط ارسال فرمائے جن میں نہایت بلیغ اور حکیمانہ اسلوب میں اسلام کا روح پرور پیغام دیا گیا۔ تب چشمِ تاریخ نے دیکھا کہ تمام رؤسائے عرب اور کئی والیانِ عجم سرکارِ دوعالم ؐ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو رہے تھے۔

قیصرِ روم کے نام آپ ؐ کا مکتوبِ گرامی حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی ؓ لے کر گئے۔ جب وہ بنو جزام کے علاقے سے گذر رہے تھے تو رہزنوں نے ان کا سازو سامان لُوٹ لیا۔ یہ علاقہ شمالی حجاز میں وادئ تبوک کے قرب وجوار میں شام کی سرحد کے قریب تھا۔ ان قبائل کی وفاداریاں اگرچہ رومی سلطنت سے استوار تھیں مگر آفتابِ رسالت ؐ کی پاکیزہ کرنوں نے کئی دلوں کے نہاں خانوں کو منور کر دیا تھا۔ بنو جزام کے ایک رئیس رفاعہ بن زید اپنے نو رفقاء کے ساتھ غزوۂ خیبر سے کچھ پہلے مدینۂ منوّرہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے اور یہ فرمانِ رسالت حاصل کیا ــــــ "میں نے رفاعہ بن زید کو اس کے تمام قبیلے کی طرف دعوتِ اسلام پہنچانے کے لیے مقرّر کیا۔ وہ اپنے قبیلے میں تبلیغ کریں گے۔ اسلام قبول کرنے والا اللہ اور رسول ؐ کی جماعت میں داخل کیا جائے گا اور منکر کے لیے دو مہینے کی مہلت ہے۔"

یہی رفاعہ بن زید تھے جنھوں نے اپنے نَو مسلم ساتھیوں کی مدد سے لٹیروں پر قابو پایا اور سفیرِ رسول حضرت دحیہ کلبی ؓ کا مال واسباب واپس دلانے میں کامیابی حاصل کی تاہم رسولِ کریم ؐ نے سفارتی قانون توڑنے کی پاداش میں حضرت زید بن حارثہ ؓ کی سرکردگی

Marfat.com

میں ایک تادیبی مہم روانہ فرمائی مگر غلط فہمی سے بعض مسلم جزامی گھرانے بھی اس کی زد میں آ گئے۔ انہوں نے مدینے پہنچ کر فریاد کی جس پر دربارِ رسالت سے ان کے نقصان کی تلافی کر دی گئی۔

رسول اللہ ؐ کے سیاسی وثیقہ جات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹ ہجری میں آپ ؐ کی تبوک میں تشریف آوری سے پہلے تک اس خطّے میں اشاعتِ اسلام کی رفتار سست رہی۔ غزوۂ تبوک کے بعد بنو جزام کی بیشتر شاخیں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئیں حتی کہ آوازۂ حق کی گونج امرا کے ایوانوں میں بھی سنائی دینے لگی اور رومی سلطنت کے زیرِ انتظام شام وعرب کے سرحدی علاقے معان کے گورنر فروۃ الجذامی دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔ انہوں نے مخبرِ صادق ؐ کو اپنے اسلام کی اطلاع دی اور ایک سفید خچر بطور ہدیہ روانہ کیا۔ رومی حکومت اس واقعے سے تلملا اٹھی اور فروہ کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

بنو جزام کے مختلف طبقات سے تین طرح کے معاہدات کیے گئے:

(الف) آنحضرت ؐ کی تبوک سے واپسی پر مالک بن احمر الجذامی نے مدینۂ منوّرہ میں آ کر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ آپ ؐ نے اسے ایک چرمی پارچے پر یہ فرمان عطا کیا:

"جب تک وہ اور اس کے ساتھی نماز پڑھتے' زکوٰۃ دیتے' مسلمانوں کے ساتھ رہن سہن رکھتے' مشرکوں سے کنارہ کشی کرتے' مالِ غنیمت میں سے خمس نکالتے اور قبائلی بیمہ ہرجانہ (یعنی اجتماعی خون بہا وغیرہ) ادا کرتے رہیں' وہ اللہ اور محمد ﷺ کی پناہ میں ہیں۔"

(ب) آپ ؐ کا دوسرا گرامی نامہ بنو جزام کی شاخ بنو جفال کے نام ہے جس میں ارم نامی ایک مقام کا انہیں جائز حقدار قرار دیتے ہوئے یہ وثیقہ تحریر کرایا:

"ارم' بنی جفال کو عطا ہوا۔ ان کے قبضے کے بعد کوئی فرد ارم میں مداخلت کرے تو اصل قابض بنو جفال کو تسلیم کیا جائے گا"۔

(ج) ۹ ہجری میں رسولِ کریم ؐ نے قبیلہ قضاعہ کی شاخ سعد ہذیم اور بنو جزام دونوں کے لیے ایک مشترکہ عہد نامہ جاری فرمایا جس میں نصابِ زکوٰۃ کی تفصیل درج تھی اور یہ کہ زکوٰۃ اور خمس کی رقم ہمارے معلّمین ابی اور عنبہ کے سپرد کی جائے یا وہ دونوں اپنی طرف سے جس تحصیلدار کو بھیجیں' اس کے حوالے کریں۔

Marfat.com

بنو جزام کے مختلف طبقات سے کیے ہوئے ان معاہدات سے پیغمبرِ اسلامؐ کا وہ نقطۂ نظر سامنے آتا ہے جو دینِ اسلام کا لبِ لباب ہے یعنی اسلامی اقدار' مساوات انسانی اور عدل و انصاف کا نفاذ کیا جائے۔ جن لوگوں کی زبانوں پر کلمۂ حق جاری ہوا' وہ مسلم برادری کے رکن بن کر باوقار ٹھہرے لیکن اپنے مذہب پر قائم رہنے والے غیر مسلموں نے بھی ان معاہدات کی پابندی سے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ معمولی سے ٹیکسوں کی ادائیگی پر انہیں قانونی و اخلاقی تحفظ کی نوید ملی اور وہ اسلام کے شجرِ طیّبہ کے شیریں ثمرات سے فیضیاب ہوئے۔ ان معاہدات کی سیاسی اہمیت بھی مسلّم ہے۔ بنو جزام رومی سلطنت کے قریبی ہمسائے تھے جس کی دنیوی شان و شوکت انہیں مرعوب کر کے اپنا باجگزار تو بنا سکتی تھی مگر احترام و حقوقِ انسانیت کا مژدہ نہیں سنا سکتی تھی ـــــ مدنی ریاست سے بنو جزام کے رابطے نے جہاں سرحدی قبائل میں اسلام کے روح پرور اثرات کو وسیع کیا وہاں رومی سلطنت کی فضاؤں میں بھی حق و صداقت کی روشنی ڈھلکیں مارنے لگی اور اسلام کے اس عالمگیر مشن کو تقویت ملی جس نے بالآخر رومی بادشاہت کا چراغ گُل کر دیا۔

Marfat.com

# دخترِ حاتم طائی اور رحمتہ للعالمینؐ

آدمی کے اوصاف خواہ وہ اس کی ذات سے متعلق ہوں یا اجتماعی معاملات سے' اس وقت تک مرتبۂ کمال کو نہیں پہنچتے' جب تک انسانیت ان سے مستفید نہ ہو۔ دنیا میں بہت سے نامور انسان پیدا ہوئے لیکن جب ان کی زندگیوں کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو وہ ناقص اور ادھوری نظر آتی ہیں۔ کسی نے محض انفرادی اخلاق کا عمدہ نمونہ پیش کیا تو کسی نے صرف اجتماعی امور کو خوش اسلوبی سے سلجھایا۔ اسی لیے ان شخصیات کا کوئی بھی کارنامہ معیارِ کمال کو نہیں چھوتا اور دائمی حیثیت سے محروم ہے لہٰذا یہ ان کی شخصیت اور تحریک کا نقص قرار پاتا ہے ـــــ ۱۹۲۴ء میں کسی نے ٹیگور سے پوچھا کہ "برہمو سماج کے اصول نہایت منصفانہ ہیں لیکن اس کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں؟" اس نے جواب دیا "اس لیے کہ ان اصولوں کے پیچھے کوئی مؤثر شخصی زندگی اور مکمل انقلابی حکمتِ عملی نہ تھی جو دلکشی کا باعث بنتی" ـــــ لیکن خیر البشر محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہر پہلو سے قابلِ قدر ٹھہرتی ہے۔ وہ کمالِ انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ ہر عہد کا ایوانِ حیات ان کے بے مثال کردار واخلاق سے منوّر ہے۔ آپؐ نے کائناتِ انسانی کو ایک ایسا متوازن روحانی ومادی نظام بخشا جس سے گوشہ گوشہ امن ومحبت کی روشنی سے معمور ہو گیا۔

افق افق پر جو روشنی ہے
جنّت جنّت میں یہ رنگ وبو کی جو ساحری ہے
یہ قریہ ودشت وکوہ وگلشن میں' ساحلوں پر' سمندروں میں
جو زندگی ہے' جو بانکپن ہے' جو تازگی ہے' جو سرخوشی ہے
نظر کو اشیاء کی آگہی ہے
اس ایک سورج کا معجزہ ہے!

Marfat.com

آپ ؐ کے ذاتی اوصافِ حمیدہ کی عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے کہا ـــــ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ـــــ مخلوقات کے لیے آپ ؐ کی شاہکار ہستی کے فیوض وبرکات کا اعلان یوں کیا گیا ـــــ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن ـــــ اس رحمتِ مجسّم کے خزانے سے کوئی محروم نہ رہا۔ انسان' حیوان' دوست' دشمن' مسلم' غیر مسلم' مرد' عورت' بچے' بوڑھے حتیٰ کہ جانور بھی اس چشمۂ رحمت سے فیضیاب ہوئے اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔

دنیا میں جتنے بھی انقلاب رونما ہوئے' ان میں تشدد کی لہر کسی نہ کسی حد تک ضرور کارفرما تھی لیکن نبیِ کریم ؐ کے انقلاب کی اساس نوعِ انسان کی خیر خواہی تھی۔ اس میں رحم وکرم اور عفو ودلبری کی روح رواں تھی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قافلۂ آدمیت تحریکِ اسلامی کے دھارے پر بہتا چلا گیا اور دعوتِ حق کی کھیتی پھولتی پھلتی چلی گئی ـــــ "آج یہاں بیج پھوٹا' کل وہاں سے تخمِ اخلاص نے کونپل نکالی۔ صبح اِدھر کوئی کلی چٹکی' شام اُدھر کسی اکھوے نے آنکھ کھولی جیسے شام کو آسمان پر تارے جگمگاتے ہیں۔ پہلے ایک پھر دو چار' پھر دس بیس' پھر سو پچاس' پھر ہزاروں لاکھوں بلکہ اَن گنت' گویا ریت کے ذرّے خوابِ جمود سے ایک ایک کر کے چونک رہے تھے۔ ایک نے انگڑائی لی' دوسرے نے سر اٹھایا۔ تیسرے نے حرکت کا آغاز کیا' چوتھے نے آنکھ کھولی اور پھر جیسے وہ کرنوں کے پر لگا کر اُڑنے لگے' اڑ کر باہم گلے مل گئے اور ان سے ایک نئی دنیا وجود میں آگئی!" ☆

قبولِ اسلام دراصل چراغ سے چراغ جلنے کا عمل تھا۔ مدینۂ منوّرہ ایک قندیلِ ہدایت تھا جس سے روشنی سمیٹنے والا ہر نومسلم نورِ حق کا امین بن کر اپنے علاقے اور قبیلے کے دیار میں جا چمکتا اور اس کے کردار سے دلوں کے افق پر صبحِ سعادت مسکرا اٹھتی۔ آہستہ آہستہ لوگ' جوق در جوق' انسانیت کے مرکزِ نگاہ مدینے کی جانب گامزن ہونے لگے۔ تحریکِ اسلامی کی کامرانیوں کے اس دَور کا آغاز ۸ھ میں فتحِ مکہ کے ساتھ ہی ہو گیا۔ اسے عام الوفود کہتے ہیں۔ یعنی وہ سال جب عرب کے گوشے گوشے سے قبائل کے وفود قافلہ در قافلہ ایوانِ اسلام کے دروازے پر دستک دینے لگے۔

۹ھ کے آغاز میں وادئ یمن کے قبیلہ طَے کے کچھ لوگوں نے زید الخیل کی قیادت میں مدینۂ منوّرہ آکر دولتِ ایمان سمیٹی۔ یہ قبیلہ قبل از اسلام کی تاریخِ عرب میں حاتم کی شہرہ

Marfat.com

آفاق شخصیت کے حوالے سے ابدی حیثیت رکھتا تھا۔ زید الخیل نہ صرف شعر و خطابت کی دنیا میں ایک معروف شخصیت تھے بلکہ جرأت و شجاعت میں بھی ان کا نام تھا۔ حضورؐ نے ان کے اوصاف کی تعریف کی اور ان کا نام زید الخیر رکھا۔ لیکن سُوئے اتفاق سے جب وہ نجد کے ایک چشمے فردہ پر پہنچے تو انہیں بخار آگیا اور اسی میں ان کا انتقال ہو گیا تاہم شمعِ ایمان کی کرنیں ان کے قبیلے میں پہنچ چکی تھیں۔ قبیلہ طےّ کے سردار عدی بن حاتم مذہباً نصرانی تھے۔ ان کے دل میں اسلام اور داعیِ اسلامؐ کے خلاف عناد بھرا تھا۔ بنی طےّ فلس نامی بت پجاری تھے جو حاتم طائی کے محلّے میں نصب تھا۔ گم کردہ راہ پروہتوں نے اپنے اندھے مقلّدین کو بغاوت پر اکسایا اور وادیِ یمن میں بدامنی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ چنانچہ ربیع الآخر ۹ھ میں رسول اللہؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی سرکردگی میں ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ روانہ فرمایا۔ عدی بن حاتم نے شام کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔ سپاہِ اسلام نے فجر کے وقت اچانک حملہ کر کے صنم خانہ فُلس کو منہدم کر دیا اور ان کے مقتدر افراد کو جن میں عدی کی بہن سَفّانہ بھی تھی' بڑے احترام کے ساتھ مدینے لایا گیا۔

ان قیدیوں کو مسجدِ نبوی کے دروازے کے قریب ایک سائبان میں ٹھہرایا گیا۔ رسولِ کریمؐ جب ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے تو آپؐ نے اپنی ردا سَفّانہ کی طرف پھینکی تاکہ وہ معزز خواتین کی طرح اپنا سارا بدن ڈھانپ سکے۔ سَفّانہ بڑے اعتماد سے کھڑی ہوئی اور نہایت شائستگی سے بولی ــــ "میں طے کے معزّز سردار حاتم کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ فیّاضی میں مشہورِ زمانہ تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ غریبوں پر رحم کرتا تھا۔ قیدیوں کو آزاد کرتا تھا۔ عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت اس کا شیوہ تھا۔ کوئی سائل اس کے دروازے سے مایوس نہیں لَوٹتا تھا۔ میرا بھائی پہاڑیوں میں جا کر رُوپوش ہو گیا ہے اور میں اپنا فدیہ ادا نہیں کر سکتی"۔

حضور ﷺ نے فرمایا ــــ "تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں۔ اگر مجھے اجازت ہوتی کہ کسی ایسے شخص کے لیے رحم کی دعا مانگوں جس کی زندگی بت پرستی میں گذری ہے تو میں حاتم کی روح کے لیے دعائے مغفرت کرتا" ــــ یہ فرما کر آپؐ نے سَفّانہ اور اس کے ہم قوم افراد کو رہا کر دیا اور اسے قیمتی تحائف دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

Marfat.com

اس واقعے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ رحمتہ للعالمین ؐ نے سفّانہ کو جس باوقار طریقے سے آزاد کیا' اس سے ایک طرف تو طبقۂ نسواں کے لیے رحمتِ مجسّم ؐ کے مشفقانہ رویّے کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری جانب اسلام کی وہ مُصَفّا روح سامنے آتی ہے کہ یہ دین اخلاقِ فاضلہ کا قدردان ہے۔ اس کی اساس ہے محبت' جو تمام نیکیوں اور اعلیٰ جذبات کا سرچشمہ ہے۔ اس میں سخاوت سرِفہرست ہے۔ آنحضرت ؐ کا ارشاد ہے کہ سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے اور سخی آدمی اس کی شاخ کو پکڑے رہتا ہے۔ وہ ربّ کریم کے قریب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کی مخلوق کے لیے فیض رساں ہوتا ہے۔ یوں صحرائے حیات پر وہ اپنے نیک نہاد کردار کے لافانی نقوش چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اس حقیقت کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے کہ۔

Give the world the best you have and the best will come back to you.

اہلِ دنیا سے بہترین سلوک کرو۔ جواباً تم سے بہترین سلوک کیا جائے گا۔

حاتم طائی نے مخلوقِ خدا سے بہترین رویّہ اپنایا۔ رحمتہ للعالمین ؐ نے اس کی تحسین فرماتے ہوئے اس کی بیٹی اور اہلِ قبیلہ کو آزاد کردیا۔ حسنِ سلوک کی یہ روایت آگے چلی۔ سفّانہ نے شام پہنچ کر اپنے بھائی عدی کو آنحضرت ؐ کے کریمانہ سلوک کا حال سنایا تو وہ جذبۂ ممنونیت سے سرشار ہو کر دربارِ نبوّت میں حاضر ہوئے اور مشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ ان کے قبولِ حق سے بنی طے پر سعادتوں کے در کھلے اور انہوں نے دینِ محمدی ؐ کے مخلص پیروکاروں میں شامل ہو کر اپنی دنیا و آخرت کو سنوار لیا۔

☆ محسنِ انسانیت ؐ ___ نعیم صدیقی

Marfat.com

# عدلِ رسالت مآبؐ

تاریخ ایک ایسا ایوان ہے جس میں قوموں کی مجبور آوازیں گونجتی محسوس ہوتی ہیں۔ برخود غلط فرمانرواؤں نے جو خونیں معرکے سَر کیے' ان سے قافلۂ انسانیت کی راہ کھوٹی ہوئی۔ اس پر رحمتِ حق کو جوش آیا اور اللہ نے چیرہ دستوں کی راست روی اور ستم رسیدہ مخلوق کی دادرسی کی خاطر انبیاءِ کرام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے ہر فرد کا دائرۂ کار متعین فرماتے ہوئے عدل وانصاف کے نفاذ کی حتیٰ المقدور کوشش کی۔ ان کی زندگی ناانصافی کے خلاف ایسے ردِ عمل سے عبارت تھی جس نے صفحۂ تاریخ پر روشن نقوش ثبت کیے۔

لیکن جو انقلاب پیغمبرِ آخر الزمان محمد ﷺ نے برپا کیا اس کا نصب العین اولادِ آدم کو ہر طرح کے ظلم واستبداد اور خوف وہراس سے نجات دلانا تھا۔ اس ہمہ گیر اور عالمگیر انقلاب نے ایک ایسے مثالی معاشرے کی بنیاد رکھی جس کی خصوصیات کی طرف قرآن اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ___ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (النحل ۱۶:۹۰) اللہ تمہیں عدل' احسان اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا اور بے حیائی' بدی اور زیادتی سے روکتا ہے ___ چنانچہ عدل' احسان اور صلۂ رحمی رسول اللہؐ کے قائم کردہ معاشرے کی ایسی مثبت قدریں تھیں جہاں کسی منفی رویّے کے پنپنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس کا نشانِ امتیاز عدل تھا جو ہر صالح معاشرے کی اصل الاصول ہے۔ یہی زندگی کی تمام خوشگواریوں کا ضامن ہے۔ اسی سے نیکیوں اور سعادتوں کی ایسی فصل تیار ہوتی ہے جس سے زمین جنت نشان بن جاتی ہے۔

حضورؐ نے جو نظامِ عدل قائم کیا' اس کی پشت پر قانون اور اخلاق کی دو پاسبان قوتیں کھڑی نظر آتی ہیں۔ یہ ایسا یگانۂ روزگار ثقافتی انقلاب تھا جس کے نتیجے میں ہر انسانی طبقے

Marfat.com

کے جداگانہ حقوق مقرر کیے گئے حتیٰ کہ جانوروں پر بھی رحم کرنے کا حکم دیا گیا۔ رحمۃ للعالمین ؐ نے ہر طرح کے استحصال کو بزور روکا۔ آپؐ نے حسّاس افراد کی ایسی کھیپ تیار کی جو کسی بھی زیادتی پر فوراً حرکت میں آکر اس کا خاتمہ کردے ___ اس انقلاب کا ایک پہلو معاشی توازن بھی تھا۔ آپ ؐ نے ایسا نظامِ اقتصاد نافذ کیا جس میں ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا گیا۔ محنت اور صلاحیت کے مطابق معاوضے کو قانونی تحفظ دیا گیا۔ رزقِ حرام کے تمام وسائل ختم کر دیے گئے۔ زکوٰۃ کی وصولی اور ادائیگی کے مؤثر ضابطے لاگو کیے گئے۔ اجتماعی کفالت کو آئین کا حصہ بنایا گیا۔ زمین کی پیداوار پر سب کا حق تسلیم کیا گیا۔ رزق کے ذرائع پر ہر قسم کی اجارہ داری کو ناجائز ٹھہرایا گیا۔ دولت کو گردش میں رکھنے کا حکم دیا گیا۔ آجر و مزدور کے حقوق مقرر کیے گئے اور روزگار کے لیے جدوجہد کے تمام راستے کھول دیے گئے۔ یہ منظرنامہ اس نظامِ عدل کی ایسی سچی تصویر دکھاتا ہے جس نے چودہ صدیاں پیشتر بندگانِ خدا کو مساوی سطح پر لا کھڑا کیا تھا۔

زندگی جذبات کی کشاکش کا نام ہے جس میں قدم قدم پر لغزشوں کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان، حقوق و فرائض کے سلسلے میں اکثر قانونی اور اخلاقی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ ایسے میں عدلیہ آڑے آتی ہے اور ایک بالادست طاقت کی صورت میں کذب و صداقت اور ظلم و عدل میں خطِ امتیاز کھینچ کر حقدار کو اس کا حق دلاتی ہے۔ عہدِ رسالت مآبؐ میں یہ اختیار حضور ؐ کو حاصل تھا۔ آپ ؐ کلامِ الٰہی کے مطابق فیصلے صادر فرماتے۔ اگر کسی معاملے میں قرآنِ حکیم کا کوئی فرمان موجود نہ ہوتا تو آپ اپنی فراست و بصیرت سے کام لیتے ہوئے اجتہاد فرماتے۔ صحابۂ کرام کے مشوروں سے بھی استفادہ کرتے۔ آپ ؐ جن مقدمات کے فیصلے فرماتے، انہیں اسلامی قانون کا درجہ حاصل ہو جاتا۔ ان فیصلوں کی تین خصوصیات تھیں: ___

(الف) مقدمات کی سماعت میں تاخیر نہ ہوتی اور فیصلوں کو فوری طور پر نافذ کیا جاتا۔

(ب) فیصلے مفت ہوتے اور فریقین پر اخراجات کا بوجھ نہ پڑتا۔

(ج) مدّعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ برتا جاتا حتیٰ کہ سرورِ کائنات ؐ خود کو بھی عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتے ___ غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ؐ نے اپنے اصحاب کی صفوں کو ایک تیر کی نوک سے سیدھا کیا۔ جب آپ سواد بن غزیہ ؓ کے پاس سے گذرے تو انہیں صف سے باہر کھڑا پایا۔ آپ ؐ نے یہ کہتے ہوئے تیر ان کے پیٹ میں

Marfat.com

چبھو دیا: "سواد' صف میں کھڑے ہو جاؤ!" ــــ وہ چلاّئے: "اے پیغمبرِ خدا! ــــ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی' لہٰذا بدلے میں مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کو تیر چبھوؤں!" رسولِ اکرم نے فوراً اپنا شکمِ مبارک پیش کر کے فرمایا "تیر چبھولو!" سوادؓ آپ سے لپٹ گئے اور آپ کے شکمِ اطہر کو بوسہ دیا۔

عدالتِ نبوی کی نمایاں ترین صفت اس کی غیر جانبداری تھی اور کسی رُو رعایت کا شائبہ تک نہ تھا۔ بنی مخزوم کی ایک خاندانی عورت پر چوری کا الزام ثابت ہوگیا۔ بعض اصحاب نے آپ کے منظورِ نظر اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے سفارش کرائی کہ اس خاتون کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ آپ نے جلال کے عالم میں فرمایا ــــ لوگو' تم سے پہلے قومیں تباہ کر دی گئیں کیونکہ جب ان میں بڑے سماجی مرتبے والا چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ خدا کی قسم' اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں!

محسنِ انسانیت مقدمات کی تفتیش قانونی اور اخلاقی ضوابط کی روشنی میں فرماتے۔ آپ کی حتمی کوشش یہ ہوتی کہ فریقین کے مابین باعزت تصفیہ ہو جائے اور وہ مصالحت کرلیں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو پھر آپ مکمل عدالتی کارروائی کے ذریعے برحق فیصلہ فرماتے اور اسے فی الفور نافذ کرتے ــــ ایک انصاری کے باغ میں جو وہاں اپنے خاندان کے ساتھ آباد تھا' حضرت سمرہؓ کھجور کے ایک درخت کے مالک تھے۔ وہ اپنے درخت کے پاس آتے جاتے تو انصاری کو زحمت ہوتی۔ وہ رسول اللہ کے پاس آیا اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضور نے سمرہؓ سے انصاری کے ہاتھ درخت فروخت کرنے کو کہا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ آپؐ نے اس درخت کا کسی اور درخت سے تبادلہ کرنے کے لیے کہا۔ انہوں نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ آپ نے اسے تحفتہً دینے کو کہا اور فرمایا کہ فلاں چیز تمہارے لیے ہے مگر سمرہ نے انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا ــــ "تم تکلیف پہنچانے والے ہو!" اور انصاری کو حکم دیا کہ "جاؤ اور اس کا درخت کاٹ ڈالو!"

حضور کے قائم کردہ عدالتی نظام میں گواہی کو بنیادی قدر کی حیثیت حاصل تھی۔ فریقین آزادی کے ساتھ اپنا مقدمہ پیش کرتے۔ گواہ لائے جاتے اور مقدمات کا فیصلہ ظاہری شہادتوں کی بنا پر کیا جاتا۔ تاہم شہادت کے لیے ضروری تھا کہ گواہ' باشعور' قوتِ

Marfat.com

گویائی کا مالک' انصاف پسند اور باکردار ہو۔ نابالغ' دیوانے' گونگے' بدکردار اور قریبی عزیزوں یا ملازموں کی گواہی قابل قبول نہ تھی۔ اس سلسلے میں حضورؐ نے انتباہ کرتے ہوئے فرمایا ــــ "جب گواہ کسی واقعے کو سورج کی طرح روشن دیکھے تو اس کے بارے میں گواہی دے' ورنہ باز رہے" ــــ گواہی میسّر آنے کے بعد فیصلے میں قطعی تاخیر نہ ہوتی اور آپؐ کی پولیس فورس حرکت میں آجاتی جس کے سربراہ قیس بن سعد تھے۔ اس انتظامی مشینری میں انیس بن الضحاک السلمی' ابو بردہ اور قرہ بھی شامل تھے۔ جو مقدمات کی تفتیش اور تحقیقات کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

رسول اللہؐ کا قائم کردہ عادلانہ نظام درحقیقت تعمیر واصلاح کی اعلیٰ قدروں پر مشتمل ایک ایسا تربیتی پروگرام تھا جس نے جاہلانہ رسوم وروایات اور نفسانی خواہشات کے ماتے انسانوں کی مادی' ذہنی اور روحانی نشوونما کا بابرکت فریضہ ادا کیا۔ مقصود یہ تھا کہ قانون نہ صرف اپنی ظاہری شکل میں نافذ ہو بلکہ اس کی اصل روح دلوں میں جاگزیں کی جائے۔ آپؐ نے یہ مقصد اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں حاصل کرلیا۔ پھر دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ ادھر شارع علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے یہ فرمانِ الٰہی نکلا کہ ــــ "شراب ایک ناپاک چیز اور شیطانی فعل ہے' اس سے بچو!" تو ہونٹوں سے لگے جام زمین پر پھینک دیے گئے اور شراب سے بھرے مٹکے گلیوں میں الٹ دیے گئے۔

یہ ہے اس پاکیزہ نظام کی ایک جھلک جس نے ضمیرِانسانی کے دروازے پر دستک دی اور اسے کھولا۔ تب انسان کو توازن واعتدال کے اوصافِ حسنہ ارزانی ہوئے اور اس نے مہذّب اور باوقار زندگی گذارنے کا سلیقہ سیکھا۔

Marfat.com

# اِنسانْ

آگہی ! آگہی !

Marfat.com

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ( اَلنِّسَاء : ۱۲۵)

اس شخص سے بہتر اور کس کا طریقِ زندگی ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویّہ نیک رکھا۔

Marfat.com

# عمرِ فاروقؓ ___ وہ جنھیں مانگا گیا

رات ڈھل رہی تھی۔ چاند متبسّم کرنیں بکھیرتا' سرمئی آکاش کی گود میں مچلتا' خراماں خراماں چلا جا رہا تھا۔ ستارے بڑھ بڑھ کر اس کے چرنوں میں عقیدتوں کے ارمغان پیش کر رہے تھے کہ دُور ___ افق پر غبار سا انگڑائیاں لینے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ غبار کالی بدلیوں کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ آوارہ بدلیاں امنڈتی' پھنکارتی فضا میں سائبان تننے لگیں۔ ستاروں کے چہروں پر چلمن سی ڈھلک آئی۔ چاند کبھی کبھار کسی بدلی کی اوٹ سے دھرتی کو دیکھ کر مسکرانے کا ارادہ کرتا لیکن دوسرے ہی لمحے کوئی بے رحم بدلی اس کی مسکراہٹ چھین کر کسی رند کی مانند جھومتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ___ نور و ظلمت کی اس کشمکش نے عجیب سا سماں پیدا کر دیا تھا۔

گلیوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اہلِ مکّہ لیلائے خواب کی زلفوں میں اسیر مخمور پڑے تھے۔ کہیں کوئی اونٹ بلبلاتا یا بکری ممیاتی تو گھڑی بھر کے لیے خاموشی کا طلسم ٹوٹ جاتا' اور پھر وہی گھمبیر سکوت! ___ ریگستان کی ٹھنڈی ہواؤں کی سرسراہٹ نے اس خاموشی کو اور پُراسرار بنا دیا تھا۔

"اللہ!" ___ سنّاٹے کو چیرتی ہوئی ایک مترنّم آواز گونجی۔ ساتھ ہی کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ایک شخص گلی سے نکل کر حرم کی طرف بڑھا۔ اس نے خود کو سیاہ کمبل میں چھپا رکھا تھا۔ وہ بڑے باوقار انداز سے چلتا ہوا صحنِ حرم میں داخل ہو گیا۔

اب مدّھم مدّھم چاندنی صاف ہونے لگی تھی۔ خلا میں کہیں کہیں اِکا دکّا بدلی بھٹکتی پھر رہی تھی۔ ستارے پھر سے ہمک ہمک کر اپنے وجود کا احساس دلا رہے تھے۔ نور نے ظلمت کو شکست دے دی تھی اور کائنات ایک بار پھر جگمگا اٹھی تھی۔

سنو' یہ سسکیوں کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ شب کے ہنگامِ سکوت میں یہ

Marfat.com

سرگوشیاں کس کی ہیں؟ ہو نہ ہو یہ وہی شخص ہے۔ دیکھو' غلافِ کعبہ سے لپٹا ہوا وہ کیا کہہ رہا ہے:

"پروردگار! تیری یہ بھٹکی ہوئی مخلوق ہمیں دکھ دینے پر تُلی ہوئی ہے ___ ہم بے سروسامان ہیں۔ ہمارے پاس لے دے کے صرف تیرا سہارا ہے خداوندا! ___ آہ' اس مقدّس گھر میں لوگوں نے کتنے بتوں کو سجا رکھا ہے ___ الٰہی! اپنی مخلوق کو راہِ راست دکھا! ___ اپنے دین کو قوّت بخش! ___ ربُّ العزت! عمر بن خطّاب یا عمر بن ہشام میں سے کسی ایک کو اسلام کی دولت عطا فرما!"

○

وہ رات بھر بے خواب رہا تھا۔ بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے اس نے رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ دارالنّدوہ میں اس نے امراءِ قریش کے روبرُو جو عہد کیا تھا' اس کی خلش نے اس کے خرمنِ جذبات میں آگ سی لگا دی تھی۔ جونہی سپیدۂ سحر نمودار ہوا' وہ مٹھیاں بھینچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور بھاگ کر کھونٹی سے تلوار اتار لایا۔ تلوار کو پہلو میں لٹکائے سیدھا حرمِ کعبہ میں جا پہنچا۔ دیکھو' بت کے سامنے سر جھکائے وہ کیا کہہ رہا ہے:

"اے ہبل! تیری عظمت کی قسم! محمد بن عبداللہ نے مسلّمہ دیوتائی نظام کو رد کر کے فساد برپا کر دیا ہے۔ اس نے تجھ سے بغاوت کی ہے۔ اپنے اجداد سے سرکشی اختیار کی ہے۔ آج میں اس قصّے کو تمام کر کے دم لوں گا! میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا۔ مجھے ایفائے عہد کے ہمت دے! مجھے طاقت دے کہ محمد کو قتل کر کے دل کی بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کروں! ___ اعلیٰ ہبل!"

سورج دھیرے دھیرے بلند ہو رہا ہے۔ شعاعوں کی کمندوں کے پیچوں میں ایک ایک چیز گرفتار ہو رہی ہے۔ یہ غضبناک انسان لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے حدودِ کعبہ سے باہر آتا ہے۔ ایک لحہ توقف کرتا ہے اور پھر تیزی سے چلنے لگتا ہے۔

اب وہ آبادی سے باہر نکل آیا ہے۔ غیظ و غضب میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ پاؤں ٹھیک

Marfat.com

سے زمین پر پڑتے نہیں۔ رفتار بتا رہی ہے جیسے تمام فاصلہ چشم زدن میں طے کر لینا چاہتا ہو۔

"عمر! علی الصبح کدھر چل دیے؟ ارے، تم تو بڑے طیش کے عالم میں ہو! ___ یہ کیا سودا سما گیا ہے؟ ___ عمر! کچھ کہو بھی، آخر بات کیا ہے؟"

"نعیم! میرا راستہ چھوڑ دو! آج محمد کو قتل کرنے کی قسم کھائی ہے! ___ ہٹ جاؤ، آج اس نئے دین کا خاتمہ کر کے رہوں گا!"

"عمر! ہوش میں آؤ! محمد کو قتل کرنے چلے ہو؟ اپنے گھر کی بھی خبر لی ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں!"

"کیا؟ ___ مسلمان ہو گئے؟ اپنے آبائی دین سے منحرف ہو گئے وہ؟ ارے، ان کی یہ جرأت!" ___

○

سعید اور فاطمہ ___ دونوں میاں بیوی، نہایت مؤدّب بیٹھے کلامِ الٰہی پڑھ رہے ہیں۔ ضیائے بصیرت نے چہروں پر صباحت بکھیر دی ہے۔ نورِ عرفان کی موجیں رگ و پے میں تحلیل ہو کر طمانیت کا باعث بن رہی ہیں۔ ان کی ایک ایک جنبش سے ظاہر ہوتا ہے جیسے وہ آمنہ کے لعل ؐ پر فدا ہو رہے ہوں۔ کبھی کبھی عقیدت اس قدر بیتاب کرتی ہے کہ وہ مقدّس اوراق پر بوسوں کی برسات کر دیتے ہیں۔

ٹھک ___ ٹھک ___ ٹھک ___

کواڑوں پر دستک کی پُر شور آواز گونجتی ہے۔

"کون ہے بھائی؟" سعید ملائمت بھری آواز میں پوچھتا ہے۔

"عمر!"

یکایک ان کے چہروں پر ہراس کے سائے لہرا جاتے ہیں۔ فاطمہ کلامِ آسمانی کے اوراق سمیٹ کر فوراً کوٹھڑی میں چھپا دیتی ہے۔ سعید دروازہ کھولتا ہے۔

عمر بگولے کی مانند داخل ہوتا ہے اور آتے ہی سعید پر پل پڑتا ہے۔ بہن مداخلت کرتی ہے تو اسے بھی دبوچ لیتا ہے۔ وہ غصے سے بے قابو ہو رہا ہے۔

Marfat.com

"ہوں! تو تم نے دینِ محمد قبول کرلیا؟ ___ آبائی مذہب سے مرتد ہوگئے؟
___ محمد کا جادو میرے گھرانے پر بھی چل گیا؟ ___ نہیں! نہیں! آج محمد کا کام
تمام کرکے ہی رہوں گا! ___ میں اس فتنے کا نشان تک مٹادوں گا!" ___

"عمر!" زخمی بہن روتے روتے چیخ اٹھی: "چاہے جان سے مار ڈالو' ہم توحید کا دامن نہ چھوڑیں گے! ___ ہم محمدؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے! ___ ہرگز نہیں چھوڑیں گے!"

عمر کا ہاتھ جہاں تھا' وہیں رک جاتا ہے ___ سامنے اپنا ہی خون زمین کو لالہ زار بنا رہا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب انسانیت تڑپ کر ہوش میں آئی۔ محبت کا نور آنکھوں کے راستے وجود میں اترنے لگا۔ وحشت کی دبیز تہیں سمٹنے لگیں۔ خوابیدہ ضمیر کا خمار ٹوٹا اور عمر پکار اٹھا:

"فاطمہ بہن! تم جو کلام ابھی پڑھ رہے تھے' مجھے بھی تو سناؤ!"

بہن نے قرآن کے اوراق سامنے لاکر رکھ دیے۔ عمر کے اشتیاق کو مہمیز ہوئی' نگاہوں کے سامنے جہان معنی کا مصحف کھلا تھا ___

| | |
|---|---|
| طٰهٰ مَا اَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى | طہ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں' بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لیے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو' یہ اس ذات کا نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔ |
| لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ | اس کی مِلک ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور جو ان دونوں کے درمیان ہیں اور جو زمین کی تہ میں ہیں۔ |
| وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ | تو چاہے اپنی بات پکار |

Marfat.com

وَاَخْفٰی○ کر کہو' وہ چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے بھی زیادہ خفی بات کو جانتا ہے۔ وہ اللہ ایسا ہے

اللہ لا الہ الا ھو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

مقدّس کلمات کا جیسے جیسے زبان سے اظہار ہوتا تھا' دل و دماغ کے گوشے روشن ہوتے جاتے تھے۔

"اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" ___ یہ الفاظ ادا ہوتے ہی عمر کے وجود میں ہلچل مچ گئی۔ دل کی دھڑکنیں بے ساختہ اس کلمے کی تکرار کرنے لگیں۔ آخر ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی گھٹائیں برسنے لگیں۔

عمر کے دل میں دینِ فطرت کی شمع روشن ہو چکی تھی۔

○

اللہ! اللہ!! ___ کس قدر نورانی محفل ہے! کتنا ملکوتی حسن ماحول میں بسا ہوا ہے! ارقم کے مکان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے جلوَ میں جلوہ افروز ہیں۔ یہ پُرعزم دمکتے ہوئے چہرے! ___ یہ جلالت مآب ہستیاں! ___ گردشِ ایام جن کے قدم چومتی ہے۔ تسبیح و تہلیل کی دھیمی دھیمی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ چٹانیں ہمہ تن گوش ہیں۔ ریگزاروں کے دل دھڑک رہے ہیں۔

ٹھک ___ ٹھک ___ ٹھک ___

دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے اور محفل کی محویت کا فسوں ٹوٹ جاتا ہے۔

"کون؟" رسول خداؐ کی پر شوکت آواز گونجتی ہے۔

"عمر"! لرزتی ہوئی آواز میں جواب ملتا ہے۔

"عمر! عمر! عمر!" حاضرین استعجاب اور خوف کے ملے جلے انداز میں پکار اٹھتے ہیں۔ لیکن رسالت مآبؐ نہایت اطمینان سے اٹھتے ہیں اور بڑے وقار کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھتے ہیں۔

"عمر! کیسے آئے؟" ___ کواڑ کھول کر محسنِ انسانیتؐ پوچھتے ہیں۔

عمرؓ سر جھکائے خاموش کھڑے رہتے ہیں۔

"عمر! کیسے آنا ہوا؟" ___ رسول اللہؐ دوبارہ سوال کرتے ہیں۔

Marfat.com

"حضورؐ! مسلمان ہونے کے لیے ـــــ!"
اللہ اکبر! مرحبا! رسالت مآبؐ آگے بڑھ کر عمر کو گلے لگا لیتے ہیں۔ مسلمان وفورِ جذبات سے بے تاب ہو جاتے ہیں۔ اللہ اکبر! اللہ اکبر! کے نعروں سے دشت وجبل کانپ اٹھتے ہیں اور ایوانِ باطل کے در و دیوار لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں۔ بزمِ لامکاں میں جشنِ مسرت بپا ہو جاتا ہے۔ فرشتے ایک دوسرے کو مبارک کہتے ہیں۔
اور تاریخ کے ہونٹوں پر ایک حیات آفرین مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے!

اسلام کے طُوطی کا اعلان دنیا کا گشت کرتا ہے:
کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا' سب لوگ برابر ہیں
کوئی غلام ہے نہ آقا' حاکم ہے نہ محکوم
اسلام اعلان کرتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں
غم ہو کہ خوشی' ہم دونوں میں یکساں شریک ہیں
کوئی فرد' دنیا کی عمدہ عمدہ چیزیں ذخیرہ نہیں کرے گا
دیکھو! کچھ لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے جل رہی ہیں
جب کہ دوسرے لوگ فانوسوں سے اپنی آنکھیں روشن کر رہے ہیں

قاضی نذر الاسلام: بنگال کے نغمے

Marfat.com

# حضرت عمر فاروقؓ کا ورلڈ آرڈر

ورلڈ آرڈر (World Order) کوئی مخصوص فریم ورک نہیں بلکہ یہ اس سیاسی وتمدنی نظام کی علامت ہے جسے کوئی برتر قوت اپنے زیر اثر اقوام پر لاگو کر دے۔ ۱۹۹۰ء میں امریکی صدر جارج بُش نے پہلی بار "نیو ورلڈ آرڈر" کی اصطلاح استعمال کی۔ موصوف نے کویت عراق جنگ میں اپنی عسکری مداخلت کو یہ کہتے ہوئے جواز فراہم کیا کہ اب دنیا چونکہ ایک گلوبل ولیج کی صورت اختیار کر چکی ہے جس میں دھڑے بندی ختم کر کے امن قائم کرنا سب کی ذمہ داری ہے اس لیے ہم اپنی ذمہ داری کو ہر قیمت پر نبھائیں گے! ___ مگر سوال یہ ہے کہ اس نیو ورلڈ آرڈر سے کیا مہم جُویانہ سرگرمیوں کا خاتمہ ہوا؟ ___ کیا نوعِ بشر کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا؟ ___ کیا مخلوقِ خدا کو زندگی کے بنیادی حقوق میسر آئے؟ ___ اور کیا گلوبل ولیج میں مساوات ومواخات کی خوشبو پھیلی؟ ___ اس کا جواب' ظاہر ہے کہ "نہیں" میں ہے! ___ مگر چشمِ تاریخ نے ایک ایسے ورلڈ آرڈر کو دنیا میں نافذ ہوتے دیکھا ہے جس نے صدیوں پہلے دو استبدادی سلطنتوں کا جادو بکھیر کر رکھ دیا تھا ___ ایران وروم کی شخصی حکومتوں کی سیاسی پالیسی سامراجیت پر مبنی تھی۔ تمام قومیں یا تو براہِ راست ان کی محکوم تھیں یا انہیں ٹیکس ادا کرتی تھیں۔ بادشاہوں اور امراء کے سوا سب انسان ناداری اور مفلوک الحالی کی چکّی میں پِس رہے تھے۔ یہ تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عوام آقاؤں کے برابر ہو سکتے ہیں۔

ایسے میں پیغمبرِ اسلام محمد ﷺ نے مطلق العنانیت پر کاری ضرب لگائی اور اس نظام کی داغ بیل ڈالی جس کے ذریعے قیادت کی باگ ڈور جابر بادشاہوں سے چھین کر مجبور عوام کے ہاتھوں میں تھمادی۔ یوں وہ اسلامی ورلڈ آرڈر ظہور میں آیا جس سے تہذیب واخلاق کی تمام مثبت قدروں کا احیاء ہوا اور عالمِ انسانیت کو عافیت اور خوشحالی کی بشارتیں

Marfat.com

ملیں۔

اسلامی ورلڈ آرڈر اپنی منضبط اور توسیعی شکل میں حضرت عمرِ فاروقؓ کے ساڑھے دس سالہ عہدِ خلافت میں نظر آتا ہے۔ یہ وقت کی آواز تھی کیونکہ پچیس لاکھ گیارہ ہزار چھ سو پینسٹھ مربع میل پر محیط علاقوں کو تسبیح کے دانوں کی طرح پروئے رکھنا جس سیاسی بصیرت اور عمرانی فراست کا متقاضی تھا' وہ فاروقِ اعظمؓ کو قدرت نے نہایت فیّاضی سے ارزاں کی تھی۔ انہیں خلافت کا بارِ امانت اس وقت سونپا گیا جب ایک طرف جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی وحدت کو خطرات لاحق تھے تو دوسری جانب بیرون عرب عسکری مہمات کو طرح طرح کے مسائل کا سامنا تھا۔ ایسے میں انہوں نے نہایت ذوق وشوق سے دین اسلام اور عالم اسلام میں داخل ہونے والی اقوام کو جس ورلڈ آرڈر کا تحفہ دیا' وہ عدل ومساوات کی اعلیٰ قدروں پر استوار تھا۔ اس منظرنامے میں اولادِ آدم نے اجتماعی برابری کی بنیاد پر باوقار طریقے سے جینا سیکھا۔ یہی اندازِ حیات دینِ اسلام کی اساس ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علّامہ اقبال لکھتے ہیں ــــــ

کَس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ متین این ست و بس

اس نکتۂ شرعِ متین کی روشنی میں سیّدنا فاروقِ اعظمؓ نے مسلم وغیر مسلم طبقات کو رشتۂ مہرو محبت میں منسلک کر دیا۔ مختلف ریاستوں میں مروّج نظام بحال رکھے گئے۔ کسی قوم اور قبیلے کی شخصی ومذہبی آزادی پر کوئی آنچ نہ آنے دی گئی۔ یوں اسلامی دنیا کا ایک وفاق ظہور میں آیا جس کا ہیڈ کوارٹر مدینۂ منوّرہ تھا۔ اس کی مثال ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوئٹزرلینڈ کی ریاستوں سے دی جا سکتی ہے۔

فاروقی ورلڈ آرڈر کے پس منظر میں روئے زمین کی ان تمام علمی' تمدنی اور سیاسی تحریکوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے جن میں انسان دوستی کے خواب عکس ریز تھے ــــــ یونانی فلسفیوں نے ایک ایسی ریاست کا خاکہ تراشا تھا جہاں انسان کو ذہنی جسمانی اور روحانی نشوونما کے بھرپور مواقع میسّر ہوں۔ افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریہ (Republic) میں متمدّن شہریّت کا تصور پیش کرتے ہوئے ایک مثالی مملکت کا نقشہ کھینچا جس کے باشندے اجتماعی خیر کے لیے کوشاں ہیں مگر یہ فلسفیانہ ورزش سعیِ لاحاصل ثابت ہوئی کیونکہ یونانی سماج نظامِ غلامی پر مبنی تھا اور عورتوں کو شہری حقوق سے محروم رکھا گیا تھا ــــــ روما میں

Marfat.com

بھی جمہوریت کے لیے کوششیں کی گئیں' مگر انہیں بھی پذیرائی نصیب نہ ہوئی کہ وہاں شہنشاہیت کا دَور دَورہ تھا ___ پولیبیس (Polybius) اور سسرو (Cicro) جیسے مفکّروں نے قانون سازی پر توجہ دی مگر یہ سب کچھ تصوراتی زائچوں کا کھیل ثابت ہوا اور نوعِ بشر صدیوں تک بادشاہوں اور استحصال پسندوں کا نشانۂ ستم بنی رہی۔ تاآنکہ الٰہی حاکمیّت پر مبنی فاروقی ورلڈ آرڈر رونما ہوا جو حاکمانہ نہیں' پدرانہ تھا' جو شاہانہ نہیں' جمہوری تھا' جو طبقاتی نہیں' عادلانہ تھا' جو مادی نہیں' روحانی تھا۔ اس کا دائرۂ کار مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ اس کے مہربان سائبان تلے یہودی' مجوسی' مسیحی اور تمام غیر مسلم محفوظ و مامون تھے۔

حضرت عمرِ فاروق ؓ ایک جامع الصّفات حکمران تھے۔ انہوں نے ایک مدبّر سیاستدان کی طرح مختلف رنگ و نسل اور مذہب و ملّت کے لوگوں کو ایک مہذّب معاشرے کے افراد بنا دیا۔ کوفہ' بصرہ' موصل' جیزہ' اور فسطاط کے شہر بسائے۔ ملک کے طول و عرض میں پبلک ورکس کے حوالے سے انہیں خادمِ انسانیت کہنا بجا ہے۔ وہ زراعتی بندوبست کے بانی ٹھہرے۔ ایک ہندو مؤرّخ کے نزدیک بّرِ صغیر میں شیر شاہ سوری اور انگریزوں کی زرعی پالیسیوں پر فاروقی اصلاحات کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ سیّدنا فاروقِ اعظم ؓ نے حکومتی اداروں کے اختیارات میں توازن پیدا کیا۔ انگریزی کی ضرب المثل کے مطابق:

Power corrupts and absolute power corrupts absolutly.

"اقتدار آدمی کو بدعنوان بنا دیتا ہے اور مکمل اقتدار سے آدمی مکمل طور پر بے لگام ہو جاتا ہے" ___ یہ بات ہر دَور میں مسلّم رہی ہے۔ اسی بنا پر فاروقِ اعظم ؓ نے انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ الگ کر کے احتساب کی میزان نصب کر دی۔ مصر کے گورنر عمرو بن العاص کے بیٹے محمد کی زیادتی پر اسے مظلوم کے ہاتھ سے سزا دلواتے ہوئے سرزنش کی کہ "تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنا لیا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا" ___ وہ وقتاً فوقتاً اپنے عُمّال' ججوں اور سپہ سالاروں کو خطوط لکھتے تھے۔ ایسے ۴۲۵ خطوط دستیاب ہوئے ہیں جن میں امورِ سلطنت' عوامی خدمت اور غریب پروری کے متعلق ہدایات درج ہیں ___ انہوں نے خود کو بھی عوامی کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ ایک بار خطبۂ جمعہ میں رائے دی کہ حق مہر چار سو درہم سے زائد نہیں ہونا چاہئے۔ ایک خاتون نے فوراً ٹوک دیا

Marfat.com

اور قرآنِ حکیم سے استدلال لے آئیں ـــــ "وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا (النساء ۴:۲۰) اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری کو لانے کا فیصلہ کر ہی لو تو پہلی کو اگر ڈھیر سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی مت لو ـــــ اس ارشادِ الٰہی کی روشنی میں آپ مہر کی حد مقرر نہیں کر سکتے۔" خلیفۂ وقت نے فوراً معذرت کی۔ جو حکمران یہ جمہوری روش اپنائے' اس کی بیوروکریسی' اس کی عدلیہ' اس کی انتظامیہ بھلا کس طرح عوام کی آزادئ فکر و عمل میں مخل ہو سکتی ہے؟

نامور ماہرِ فلکیات مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی محققانہ تصنیف The 100 میں تاریخ کی سَو عظیم المرتبت انقلابی ہستیوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام کو درجۂ اول پر رکھا ہے۔ اس فہرست میں سیّدنا عمرِ فاروقؓ کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ وہ ان کے ورلڈ آرڈر کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے ـــــ "عمر بن الخطّابؓ کی نظر میں ظاہری شان و شوکت ہیچ تھی۔ وہ عوام کے جذبات و احساسات سے آگہی کے لیے اپنی ذات کو انہی کی سطح پر رکھتے تھے۔ عدل گستری میں ان کا ثانی کوئی نہیں۔ انہوں نے فلاحی مملکت کا کامیاب تجربہ کیا اور ملوکیّت و شہنشاہیت کے دَور میں پہلی دفعہ عوام کے سامنے جواب دہی کا اصول قائم کیا جو آج بھی جمہوریت کا بنیادی ضابطہ ہے!"

Marfat.com

# عدلِ فاروقی ـــــ تاریخِ اسلام کا ایک زرّیں باب

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ایک ایسا سرچشمۂ ہدایت تھی' جہاں سے دمبدم نور کی ندیاں رواں تھیں۔ آپ ؐ نے قرآنی تعلیمات اور اپنی یگانۂ روزگار بصیرت کی روشنی میں مختلف مقدمات کے جو فیصلے صادر فرمائے' انہیں اسلامی قوانین واحکام کا مرتبہ حاصل ہوا۔ ان کے نفاذ سے عدل وانصاف کو معاشرے کی کلیدی قدروں کا درجہ ملا۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عدلیہ کو سیرتِ رسول ؐ کے مبارک خطوط پر استوار کیا۔ آپ نے انتظامیہ اور عدلیہ کو دو الگ اداروں کی شکل دی لیکن عدلیہ کے لیے مستقل افراد مقرر نہ کیے بلکہ مفتوحہ علاقوں کے سپہ سالاروں کو ہی نفاذِ قانون کے اختیارات سونپے۔ حضرت عمرِ فاروق ؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے عدلیہ کو انقلابی روح سے سرشار کر دیا۔ وہ اسلام کے نظامِ عدل وانصاف کی تمام نزاکتوں سے آگاہ تھے۔ انہیں بارگاہِ رسالت مآب کے مشیر خاص کا مرتبہ حاصل رہا تھا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانۂ خلافت میں ان کے بھی دستِ راست رہے۔ دربارِ خلافت میں پیش کیے جانے والے مقدمات میں ان کی گراں قدر رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔

حضرت عمرِ فاروق ؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کی گرم بازاری سے جب اسلامی سلطنت کی حدیں شام وعراق اور مصر وایران کے دُور دراز خِطّوں تک وسیع ہونے لگیں تو سیاسی' عدالتی' انتظامی اور معاشرتی مسائل کے افق بھی وسیع تر ہونے لگے۔ دوسری اقوام کے ساتھ تمدنی روابط سے معاشرتی پیچیدگیوں میں اضافہ ہونے لگا اور عسکری سالاروں کے لیے انتظامی فرائض کے ساتھ ساتھ عدالتی امور کا نمٹانا مشکل ہو گیا۔ ایسے میں رومی وایرانی نظام ہائے قانون وعدل کے مقابلے میں اعلیٰ اسلامی عدلیہ کا قیام ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ مرکزِ خلافت مدینۂ منوّرہ کو ایک ایسی اکیڈمی کی شکل دی گئی جہاں سے جرنیلوں

Marfat.com

اور انتظامیہ کے ارکان کے ساتھ ساتھ قاضیوں کی کھیپ تیار ہو کر مفتوحہ علاقوں کی طرف روانہ ہونے لگی۔ حضرت عمرِ فاروق ؓ نے ہر ضلع میں الگ الگ قاضی مقرر فرمائے۔ زید بن ثابت ؓ کو مدینۂ منورہ، شریح ؒ کو کوفہ، ابو موسیٰ اشعری ؓ کو بصرہ، عبادہ بن صامت ؓ کو فلسطین اور قیس بن ابی العاص ؓ کو مصر کا قاضی مقرر کیا۔ ان کے علاوہ کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ الباہلی، ابو قرۃ الکندی، عبدالرحمٰن بن ربیعہ، عمران بن الحصین، ابو مریم الحنفی، جمیل بن معمر الجمحی، ابو الدرداء، ابو سعید خدری، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو مختلف علاقوں کے لیے قاضی مقرر کیا۔ یہ شخصیات علم و فضل اور فراست و بصیرت کے لحاظ سے امتیازی شان کی مالک تھیں۔

عدلیہ، ریاست کے دماغ کا نام ہے۔ یہ ایسی قوتِ نافذہ ہے جو حکمرانوں کو آدابِ حکومت سکھا کر سلطنت کے استحکام کی بشارت دیتی ہے۔ ارسطو کا مشہور مقولہ ہے کہ "مملکت کی عمارت عدل کے ستونوں پر قائم ہے"۔ اگر ستون ناقص اور کمزور ہوں تو اس عمارت کا زمیں بوس ہونا لازم ٹھہرتا ہے۔ عدلیہ، اعلیٰ اسلوب میں تبھی کام کر سکتی اور اپنا احترام برقرار رکھ سکتی ہے جب اہلِ عدل کے کردار و اخلاق قابلِ رشک ہوں۔ حضرت عمرِ فاروق ؓ اس سلسلے میں نہایت محتاط اور نکتہ سنج واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے سلطنت کے اس شعبے کو سائنٹیفک بنیادوں پر استوار کیا۔ آپ نے قاضیوں کے انتخاب کا معیار یہ مقرّر کر رکھا تھا کہ وہ علمی و اخلاقی اعتبار سے ممتاز ہونے کے علاوہ دولتمند اور معزّز ہوں تاکہ اپنی دولت و ثروت کے باعث کوئی انہیں رشوت کی طرف راغب نہ کر سکے اور اپنے معاشرتی مرتبے کے سبب وہ کسی کے رعب میں نہ آئیں۔ وہ قاضیوں کا انتخاب ذاتی تجربے کے بعد کرتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت عمر ؓ نے کسی شخص سے ایک گھوڑا خریدنا چاہا۔ تجرباتی طور پر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے لیکن سواری کے دوران میں گھوڑے کو چوٹ آ گئی اور گھوڑے کے مالک نے اسے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ثالثی کے لیے حضرت شریح ؒ کو مقرر کیا گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی ہے تب تو گھوڑا واپس کیا جائے لیکن اصلی حالت میں۔ بصورتِ دیگر مالک کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ داغدار گھوڑا واپس لے۔ حضرت عمرِ فاروق ؓ نے شریح ؒ کی قوتِ فیصلہ کو سراہا اور انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

حضرت عمرِ فاروق ؓ اپنے گورنروں، ججوں، لشکری سرداروں اور انتظامیہ سے متعلق

Marfat.com

اہم اشخاص کو وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرتے رہتے تھے۔ جن میں متنوّع امورِ سلطنت پر بحث ہوتی تھی۔ ان کے ۲۲۵ خطوط دستیاب ہوئے ہیں جن میں ستر سے زیادہ خطوط بصرہ کے قاضی ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ہیں۔ ان میں وہ مشہور ترین خط بھی شامل ہے جس میں انہوں نے عدالتی طریقِ کار پر بلیغ انداز سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا ایک اہم فریضہ ہے جسے سنّتِ رسولؐ کے مطابق بجالانا ضروری ہے۔ تمام لوگوں کو اپنے حضور میں' اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور اور غریب آدمی انصاف سے مایوس نہ ہو اور زبردست طاقتور آدمی کو تم سے کسی رُو رعایت کی امید نہ ہو۔ جو شخص دعویٰ کرے' اس کے ذِمہ ثبوت بہم پہنچانا ضروری ہے اور جو اپنے خلاف عائد کردہ الزام کی تردید کرے' اس پر قسم واجب ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے لیکن ایسی صلح جو حلال کو حلال رکھے اور حرام کو حرام' ایسی صلح جائز نہیں جس سے حرام حلال اور حلال حرام ہو جائے۔ اگر تم نے آج کوئی فیصلہ کیا ہے لیکن مزید غور و فکر اور عقل سے کام لینے کے بعد تمہیں وہ فیصلہ غلط معلوم ہو تو تم بے شک اسے بدل دو کیونکہ سچائی کو برقرار رکھنا ضروری ہے اور باطل پر اصرار کرنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہرحال بہتر ہے۔ جس مسئلے کے متعلق تمہارے دل میں شبہ پیدا ہو اور کتاب اللہ اور سنّتِ نبوی میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر خوب اچھی طرح غور کرو' پھر اس کی مثالوں اور نظیروں کو دیکھو' اس کے بعد قیاس لگاؤ اور جو قیاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی سنّت کے زیادہ قریب ہو' اس کے مطابق حکم دو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے' اس کے لیے ایک مدّت مقرر کردو۔ اس مدّت کے اختتام تک اگر وہ اپنا ثبوت بہم پہنچادے تو اس کا حق اسے دلادو۔ لیکن اگر مدّت کے اختتام تک وہ ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو مقدّمہ خارج کردو۔ ایسا کرنے سے شک دور ہو جائے گا۔ سب مسلمان قابلِ اعتبار ہیں سوائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہوں یا جنھوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا جن کا نسب مشکوک ہو ـــــ تنگ دلی کا اظہار نہ کرو۔ فریقینِ مقدّمہ کو کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ۔ مقدّمے پیش ہونے کے وقت بد خُلقی کا مظاہرہ مت کرو ـــــ اگر مقدّمے کا صحیح فیصلہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بہت بڑا اجر دے گا۔"

یہ مبارک دستاویز اسلام کے نظامِ عدل کی بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ اسلام کے تمام انصاف پسند ججوں نے اسے منارۂ نور کے طور پر ہمیشہ اپنے سامنے رکھا

Marfat.com

اور عدلِ اجتماعی قائم کرنے کے لیے اس سے برابر استفادہ کیا ــــ دورِ حاضر میں جب شعورِ انسانی، ارتقاء کی منزلیں طے کرتا چلا جا رہا ہے۔ عالمی ماہرینِ قانون نے اس دستاویز کو عدلیہ کا ماٹو قرار دیا ہے۔ عہدِ فاروقی میں ان اصول وضوابط پر جو نظامِ عدل قائم تھا، اس نے دنیا کو ایک ایسے عہدِ زرّیں کی تصویر دکھائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی سبب ہے کہ دنیا کے نامور سائنسدان مائیکل ایچ ہارٹ نے حضرت عمر بن الخطاب ؓ کو تاریخ کی ان سَو عظیم المرتبت شخصیات کی صف میں اہم جگہ دی ہے جنہوں نے ایک مثالی فلاحی مملکت قائم کی، جہاں اسلام کی عظیم الشان روایات کا دَور دَورہ تھا اور نوعِ انساں کو بلا امتیازِ مذہب وملت باوقار زندگی گذارنے کا سلیقہ میسر آیا تھا۔

Marfat.com

# کربلا ـــــ ایثار و قربانی کی عظیم تمثیل

تاریخ کا کوئی عہد ایسا نہیں گذرا جس میں افق تا بہ افق انسانیت کے افکار و نظریات کا اجالا نہ پھیلا ہو- جس طرح کاروانِ سحر گام گام پر نور کے پرچم گاڑتا چلا جاتا ہے' اسی طرح شاہراہِ حیات پر انبیاء' مصلحین اور فلاسفہ نے حق و صداقت کے روشن سنگِ میل نصب کیے ہیں- ان کی رہنمائی میں نسلِ انسانی کے ارتقاء کا سفر خوشگوار ہوتا چلا آیا ہے- لیکن نوعِ بشر نے اپنے ان محسنوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا' وہ کسی دلفگار داستان سے کم نہیں- سقراط نے ایتھنز کے منافق سماج کے سانچے میں ڈھلنے سے انکار کر دیا اور یہ کہتے ہوئے زہرِ ہلاہل نوشِ جاں کیا ـــــ "اب وقت آ پہنچا ہے کہ ہم جدا ہو جائیں- میں مرنے کے لیے اور تم جینے کے لیے ـــــ موت بہتر ہے یا زندگی' اس کا علم تو بس خدا کو ہے" ـــــ اس واقعے کے ساڑھے چار سو سال بعد حضرت عیسیٰؑ نے اپنے قتل کے درپے یہودیوں کے بارے میں کہا ـــــ "اے مالک' انہیں معاف کر دے- یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں!" ـــــ اور پھر ساڑھے چھ سو سال بعد کربلا کے بے رحم سناٹوں میں امام حسینؓ کی آواز گونجی ـــــ

"لوگو! میرا حسب و نسب یاد کرو اور سوچو' میں کون ہوں! پھر اپنے ضمیر سے پوچھو کہ میرا قتل تمہارے لیے روا ہے یا نہیں؟ میری بے حرمتی تمہیں حلال ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ـــــ واللہ' اس وقت رُوئے زمین پر بجز میرے کسی دخترِ نبی کا بیٹا موجود نہیں- کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں؟ کیا میں راکبِ دوشِ رسول نہیں؟ کیا میں جوانانِ جنت کا سردار نہیں؟ ـــــ کیا اتنی باتیں تمہیں میری خون ریزی سے روکنے کو کافی نہیں؟ ـــــ

۱۰ محرم ۶۱ھ کو شہادتِ حسین کا واقعہ خون آلود حرفوں میں لکھا گیا- خاندانِ ہاشمی کی جاں سپاری کا یہ مظاہرہ انبیاءِ کرامؑ کی بصیرت افروز قربانیوں کا تکملہ تھا- ابو الانبیاء حضرت

Marfat.com

ابراہیمؑ نے اپنے لختِ جگر اسماعیلؑ کو رب العالمین کی نذر کرنا چاہا تاہم اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ حضرت مسیحؑ کو سولی کی جانب کھینچا گیا مگر بچا لیے گئے۔ لیکن جو قربانی خانوادۂ رسول نے دی' اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ تو ہوا ہے کہ دنیوی مفادات کے لیے خاندان کے خاندان تہ تیغ کر دیے گئے ہوں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی ارفع واعلیٰ مقصد کے لیے ایک سلسلۂ نسب کے چھوٹے بڑے تمام افراد کو خاک وخون میں تڑپا دیا گیا ہو۔ یہ سعادت فقط آلِ محمد ﷺ کے حصے میں آئی کہ اس کے بوڑھوں' جوانوں اور بچوں نے متفقہ طور پر ایک عظیم آدرش کے لیے وادیٔ کربلا کو اپنے لہو سے لالہ زار بنا دیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک موقع پر اپنے گرامی قدر شوہر کی سیرت کے بارے میں کہا تھا ـــــ کَانَ خُلُقُهٗ قُرْاٰن ـــــ رسول اللہؐ کے عادات وخصائل قرآنِ مجید کے مطابق تھے۔ لیکن آقائے نامدارؐ کے نواسے حسینؓ کا کردار دیکھو جس نے اپنی سرخئ خوں سے تفسیرِ قرآن رقم کی اور حق وصداقت کے راستے میں جو آزمائشیں ممکن ہیں' اپنے اسوۂ حسنہ سے ان کا عملی مظاہرہ کیا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا ـــــ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ۔ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ـــــ ہم تمہیں آزمائشوں میں ڈال کر تمہاری ہمت واستقامت کو پرکھیں گے۔ یہ آزمائشیں' خوف وہراس' بھوک پیاس' مال وجان کے زیاں اور اولاد واقارب کی قربانی کی صورت میں پیش آئیں گی۔ خوشخبری ان لوگوں کو جو کٹھن حالات میں صابر وشاکر رہتے اور اپنے معاملات کو یہ کہتے ہوئے اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور بالآخر اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

حضرت امام حسینؓ صبر وتحمل کے ساتھ آزمائش کی ان تمام منازل سے آساں گزر گئے کیونکہ وہ عبدیت کے اس اعلیٰ مرتبے پر تھے جہاں مردِ مومن عشقِ الٰہی کی شہادت گہِ الفت میں قدم رکھ کر موت اور ماورائے موت کے خوف وحزن سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ موت اس کے لیے دیدارِ الٰہی کا دریچہ کھولتی ہے اور وہ برضا ورغبت اپنے خالق کی طرف چل پڑتا ہے۔ اس سفر میں اسے طبعاً رنج بھی ہوتا ہے اور بہ تقاضائے بشریت الم بھی' تاہم یہ سارے مصائب نہ تو اسے اللہ سے شکوہ سنج کرتے ہیں اور نہ وہ اپنے نصب العین سے غافل ہی ہوتا ہے۔ اس کا مطمحِ نظر تو یہ ہوتا ہے ـــــ

کچھ لہو اور کہ اس شمع کا شعلہ نہ بجھے
حرفِ حق زندہ رہے یارو' ہمارا کیا ہے!

Marfat.com

جنگ انسانی معاشرے کی ایک بنیادی تاریخی قدر ہے جس کے مطابق دنیا کی قوتیں خیرو شر کے دو واضح دھڑوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سماج میں جنگ کی صورتِ حال موجود نہ رہی ہو۔ یہ کہیں دفاع کے لیے لڑی جاتی ہے۔ کہیں اس سے حقوقِ انسانی کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ ملک کی سرحدوں کی جانب بڑھنے والے دشمن کا منہ پھیرنے کے لیے بھی جنگ کا سہارا لیا جاتا ہے تاہم جنگ اس وقت اہم ترین قدر کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جب یہ ظلم وناانصافی کے خاتمے اور عدل وانصاف کی بحالی کے لیے لڑی جائے۔ حضرت حسینؓ نے جنگ کی اس اعلیٰ ومصفّا قدر کے لیے جدوجہد کی جہاں ساری تہذیبی قدریں جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ کوئی خیال پرست انسان نہیں بلکہ وہ تو ایک آئیڈیالوجی کو جامۂ حقیقت پہنانے نکلے تھے کیونکہ چند دیدہ ونادیدہ ہاتھ ان کے نانا کے مثالی معاشرے کے تار وپود کو بکھیرنے کے لیے بڑھ رہے تھے۔ یہ وہ مثالی معاشرہ تھا جہاں عدل وانصاف کا دَور دورہ تھا۔ استحصال اور فتنہ وفساد کی بیخ کنی کی گئی تھی۔ مگر اب اس بابرکت دور کے اصلی خدوخال مدھم ہوتے جا رہے تھے اور مسلم اُمّہ اس کے فیوض وبرکات سے محروم ہونے لگی تھی۔

حضرت حسینؓ کی جلیل القدر شخصیت کے سامنے اسلام نے اپنے ارتقاء کے تمام مدارج طے کیے تھے اس لیے وہ اپنی چشمِ بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ اگر یہی منظر نامہ مرتّب ہوتا رہا تو رفتہ رفتہ معاشرے کی نس نس میں زہر گھل جائے گا۔ انہوں نے کوئی انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اس کا مقصد تو صورتِ حال کو بالکل الٹ دینا ہوتا ہے اور اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب بگاڑ جزوی نہیں بلکہ ہمہ پہلو ہوتا ہے اور تمدن کی تصویر مسخ ہونے لگتی ہے۔ حضرت حسینؓ کے پیشِ نظر نظمِ سیاست کے حوالے سے حکمرانوں کی اصلاحِ احوال تھی۔ وہ تعمیر وفلاح کے داعی تھے' جدال وقتال کے نہیں۔ وہ عالمِ اسلام کو ان خون آشام سازشوں کے چنگل سے چھٹکارا دلانا چاہتے تھے جنہوں نے ملّتِ اسلامیہ کو گھن کی طرح چاٹنا شروع کر دیا تھا۔

زندگی انتشار سے نہیں' تنظیم سے عبارت ہے۔ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ظلم واستحصال سے کوئی مثبت مقصد حاصل کر لیا گیا ہو۔ اس صورتِ حال میں نیکی بے حسی کی دھند میں رُوپوش ہو جاتی ہے اور افکار پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ امامِ عالی مقامؓ نے

Marfat.com

مذہب و مسلک کے حوالے سے سچائی کا پرچم بلند کیا- وہ نبض شناسِ امّت تھے اور اللہ کے آخری نبی ؐ کی مسندِ ارشاد کے تنہا وارث- اسلامی روایات واقدار کی گرتی ہوئی ساکھ کو انہی کی ذاتِ گرامی بحال کر سکتی تھی- چنانچہ وہ اپنا نسبی ودینی فریضہ ادا کرنے کے لیے میدانِ عمل میں اترے' کیونکہ جن آنکھوں میں ذاتِ رسول ؐ جلوہ آرا تھی' وہ کس طرح امّت کو پستیوں میں گرتے دیکھ سکتی تھیں- جن کانوں میں لسانِ پیمبر ؐ نے رس گھولا تھا' وہ شورش پسندوں کی ہنگامہ آرائی کو کیسے برداشت کر سکتے تھے- جس نجیبُ الطّرفین پیکر نے دوشِ رسالت مآب ؐ پر سواری کی تھی' وہ کیونکر مسندِ ارشاد پر خاموش بیٹھا رہ سکتا تھا- وہ ذات جسے رسول اللہ ؐ نے اپنے وجودِ اطہر کا حصہ قرار دیا تھا' وہ کسی دستِ گستاخ کو قبائے رسول ؐ کی طرف بڑھنے کی اجازت کیونکر دے سکتی تھی؟ ___ ؟ ہاں' نواسۂ رسول ؐ کو یہ بات قطعی گوارا نہ تھی کہ امّت کا شیرازہ بکھر جائے اور ان کے نانا ؐ کے قائم کردہ معاشرے کی تصویر بگڑ کر رہ جائے!

سیّدنا حسین ؓ نے رسولِ انقلاب ؐ کی اسی تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر راست اقدام کا فیصلہ کیا- وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ "شر" کو برداشت کرتے رہنا بھی دراصل اس کی ہمنوائی ہے اور شر پھیلتا ہی اس لیے ہے کہ اسے برداشت کیا جاتا ہے- "خیر" کا شعور رکھنے والے اگر شر کے خاموش تماشائی بنے رہیں تو ایک نہ ایک دن یہ آگ انہیں بھی بھسم کر کے رکھ دیتی ہے اور حسین ؓ خود تو کیا' کسی ایک آدم زاد کو بھی اس آگ کا لقمہ بنتے نہیں دیکھ سکتے تھے- مگر آگ تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی اور امن وانصاف کے حامل اس معاشرتی نظام کی باقیات تک کو نگلا چاہتی تھی جو محسنِ انسانیت ؐ اور ان کے نیک سیرت خلفاء نے بڑی ریاضت سے تشکیل دیا تھا-

حضرت حسین ؓ نے جن اشرف ترین اقدار کی خاطر ایثار وقربانی کی عظیم الشان مثال قائم کی' وہ درحقیقت دینِ اسلام کی روح ہیں- ان کے عقائد ونظریات اپنی ہمہ گیری کے باعث اہلِ اسلام کی باطنی قوّتوں کو مہمیز کرنے کے محرّک بنے- ان باطنی قوتوں کا جوہر عشق ہے اور اس کی عملی شکل جہاد ہے- کربلا جہاد کی عظیم ترین تمثیل ہے جسے تاریخِ اسلام میں ایک لافانی علامت کا درجہ حاصل ہو گیا ہے- اسی نے آنے والی نسلوں کی باطنی قوّت کو نشوونما دی اور انہیں آزادی وحریّت' استبداد شکنی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نصابِ زیست عطا کر کے حرکت پر آمادہ کیا- اقبال نے اسی بنا پر شہیدِ کربلا کے لیے "امامِ

Marfat.com

عاشقاں" کا زندہ استعارہ استعمال کیا ــــــ

آں امامِ عاشقاں پُورِ بتول
سروِ آزادے ز بستانِ رسول

درحقیقت تمام صالح قوتوں کا سرچشمہ ایمان ہے جس سے من کی کھیتی سیراب ہوتی ہے۔ یہ ایک مابعد الطبیعاتی قدر ہے جو انسان کا خالق سے رشتہ جوڑتی ہے۔ طبعی زندگی سے اس کا رابطہ قائم ہو جائے تو محسوس و نامحسوس قوتیں مجتمع ہونے لگتی ہیں اور انتشارِ ذات' اجتماعِ ذات میں ڈھل جاتا ہے جس کے نتیجے میں زندگی کے نت نئے عالم تخلیق کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ ایمان سے محروم یعنی منتشر شخصیت تخلیق نہیں کر سکتی۔ حضرت حسینؓ نے اسی قوتِ ایمانی سے اپنے بیمار عہد کے انتشار کو تنظیم میں بدلنے کی جدوجہد کی۔ بندگانِ خدا کی تربیتِ نفس کر کے انہیں اپنی قوتوں کو بُروئے کار لانے کا حوصلہ بخشا۔ جب کوئی فرد یا قوم اپنی قوتوں کو مثبت انداز سے استعمال کرے تو زندگی کے تمام امکانات تخلیق کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور خواب تعبیر آشنا ہونے لگتے ہیں۔

معرکۂ کربلا نے زندگی کو ایک نئی جہت کا تصور دیا کہ اہلِ حق کا ہر لمحہ جہاد ہے۔ ظلم و جبر جہاں کہیں بھی ہو' وہ اس کے مقابل آجاتے ہیں۔ تعداد کی قلت یا ساز و سامان سے محرومی ان کے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ وہ موت سے بے خوف ہو کر اپنے وجود کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ حق کی گواہی کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس جدوجہد میں اگر وہ شکست سے دوچار ہو جائیں تو بھی فتح یاب ٹھہرتے ہیں اور فضاؤں میں یہ رزمیہ گونج اٹھتا ہے۔

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خَلق
نہ ان کی رسم نئی ہے' نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ ان کی ہار نئی ہے' نہ اپنی جیت نئی

نوجوانانِ جنّت کے سردار حسینؓ کی قربانی رہروانِ منزلِ شوق اور حرّیت پسندوں کے لیے مشعلِ راہ ہے اور اس جدوجہد کا نقطہ آغاز ہے جو اسلامی اصولوں کی بقا و احیاء کی خاطر پہلی بار کی گئی۔

Marfat.com

کربلا صحیفۂ تاریخ کا ایک شاندار اور زرّیں باب ہے- یہ ایک جگمگاتی لہو لکیر ہے جو حدِ فاصل ہے صِدق اور کِذب کے مابین' خلوص اور منافقت کے درمیان اور انسانیت و وحشت کے بیچ- یہ لہو لکیر اپنے دامن میں دکھوں کے جنم سمیٹنے کے باوجود جہانِ بصیرت میں چراغاں کرتی ہے- یہ لہو لکیر اس روشنی کا اعلان ہے جس کی گونج ہمیں تیرگی سے ہار نہ ماننے کا حوصلہ بخشتی ہے- یہ لہو لکیر مہر و وفا کی لافانی یادگار ہے جس کے اِس طرف ہم سب اس کی حرمت کی پاسبانی کے لیے کھڑے ہیں اور اُس جانب وہ معلوم و نامعلوم زمانے ہیں جو اس لہو کی طلسمی خوشبو کو عقیدت کے ساتھ اپنے دامن میں سمیٹنے کے منتظر ہیں- اس لہو لکیر کے آثار مٹنے کے لیے نہیں' نہ زمین کا رزق بننے کے لیے ہیں- ایسا سانحہ ہو بھی جائے تب بھی ہمیں آنسو بہانے کی ضرورت نہیں کہ اس لہو لکیر کی ایک ایک بوند ایسے لالہ و گل میں نمایاں ہوگی کہ انسانیت کا مستقبل مہک مہک اٹھے گا-

سرزمینِ کربلا آج ہر آنکھ کے لیے محترم ہے کیونکہ اس کے سینے پر تاجدارِ عالمؐ کی پیاری بیٹی فاطمہؓ کے لاڈلے حسینؓ کی نعش تڑپی جو اپنے عہد کا اشرف الشرفاء تھا- یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ اسلام کا خون بہایا گیا کیونکہ اس کی ساری جدوجہد اسلامی اصولوں کی بقاء کے لیے تھی- ظفر علی خاں نے اسی لیے ریگ زارِ کربلا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا-

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ نعشِ جگر گوشۂ بتول
اسلام کے لہو سے تیری پیاس بجھ گئی
سیراب کر گیا تجھے خونِ رگِ رسولؐ

اور یہ مٹی تقدس مآب ہو گئی- مگر جس کے لہو نے اسے یہ سعادت بخشی' وہ خود بھی تو کچھ کم خوش نصیب نہیں ٹھہرا- وہ جادۂ عزیمت کے کٹھن مراحل طے کر کے سرخرُو ہوا تو کامرانیوں کی ساری کلیدیں اس کے ہاتھ میں تھیں' خلعتِ شہادت زیبِ تن تھا اور فیروز مندی کا تاج سر پر سجا تھا- اس کی شہادت نے دلوں کو بدل دیا اور خیالوں میں انقلاب برپا کر دیا- اس نے حق و انصاف کے اصولوں کی بالادستی اور اللہ کی حاکمیت کا علَم بلند کر کے اسلامی روایات کی لاج رکھ لی اور انہیں ریگزارِ عجم میں دفن ہونے سے بچا لیا- اس بے لَوث قربانی اور بامقصد ایثار سے اسے سیّد الشہداء کا منصبِ جلیلہ حاصل ہوا- اس اعلیٰ معیارِ صداقت پر فائز ہونے کے سبب اسے قربتِ حق نصیب ہوئی- وہ کربلا کی کٹھنائیوں

Marfat.com

سے آفتاب کی صورت، مسکراتے ہوئے نمودار ہوا۔ اس کا آوازۂ حق زمین کی وسعتوں اور آسمانوں کی رفعتوں میں گونجا اور گونجتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے حریفانِ کج کلاہ کو زندگی میں عافیت ملی، نہ مر کر کہیں پناہ میسر آئی۔ مگر وہ ابد تک رہروانِ شوق کا تاجدار ہے اور اس کی حدودِ سلطنت شش جہات سے بھی آگے ہیں۔ وقت کی آنکھ نے ایسا اقبال مند کب دیکھا تھا جس نے اپنی خوش قسمتی کا افسانہ خون سے رقم کیا اور اہلِ دل کو جینے کا ایسا سلیقہ ارزانی کیا کہ ان کی اس وجدانی للکار سے ستمگروں کے ایوان لرز لرز اٹھے!

شاہ است حسینؓ پادشاہ است حسینؓ
دیں است حسینؓ، دیں پناہ است حسینؓ
سر داد، نہ داد دست در دستِ یزید!
حقاّ کہ بنائے لاَ اِلٰہ است حسینؓ

Marfat.com

# صبرو استقلال ___ رسمِ شبیری!

دنیا میں ہر شخص دو طرح کی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ ان مشکلات کی پہلی قسم کا تعلق انسان کی باطنی زندگی سے ہے۔ انہیں دل کی ناجائز خواہشات اور نفس کے سرکش مطالبات کہا جاتا ہے۔ ان خواہشات اور مطالبات کے باعث انسان کو بہت سی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ معاشرے کے مؤثّر اخلاقی نظام میں جائز خواہشات کی تکمیل کی گنجائش تو ہوتی ہے مگر ناجائز آرزوؤں کا پورا ہونا دشوار ہوتا ہے ___ مشکلات کی دوسری قسم بیرونی ماحول سے متعلق ہے۔ ان کا سرچشمہ معاشرتی اور معاشی مسائل ہیں۔ یہ سچ ہے کہ آزادی اور خوشحالی' فطرتِ انسانی کی بنیادی قدریں ہیں مگر ان دونوں نعمتوں کا حصول مکمل طور پر ممکن نہیں۔ چنانچہ آدم زاد کو ہر لحہ ایک عجیب سی جنگ کا سامنا ہے۔ وہ ہر گھڑی اندرونی و بیرونی مشکلات کا برابر مقابلہ کر رہا ہے۔ اس تصادم سے ایک متوازن شخصیت میں وہ رویّہ جنم لیتا ہے جسے دینِ اسلام کی اصطلاح میں صبرو استقلال کہا جاتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ عزم وہمت کے ساتھ ہر طرح کی مشکلات نہ صرف برداشت کریں بلکہ ان کا مقابلہ جاری رکھیں۔ حرص وہوس سے کام لینے' دنیوی مفادات سمیٹنے اور نفسانی لذتوں کو پورا کرنے سے بچیں۔ محرومیوں اور پریشانیوں میں دل و دماغ کا توازن بگڑنے نہ دیں۔ کسی بھی صورتِ حال میں حوصلہ نہ ہاریں بلکہ صبرو استقلال ملحوظ رکھیں۔

قرآنِ مجید ان صفات کو مسلمانوں کا امتیازی کردار قرار دیتے ہوئے کہتا ہے ___ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے اور اس دعوے پر قائم رہتے ہیں' فرشتے آکر ان سے کہتے ہیں کہ اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور تمہیں کوئی غم بھی نہیں کرنا چاہئے۔ پھر

Marfat.com

ارشاد ہوا ـــــ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ـــــ اے اہلِ ایمان، ہم تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں میں گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائشیں کریں گے۔ اے اہلِ ایمان تم میں سے وہ لوگ بڑے قابلِ قدر ہوتے ہیں جو حوصلہ مند ہوتے ہیں۔ ان پر جب کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ اسے پوری استقامت سے جھیلتے ہیں کیونکہ انہیں کامل شعور ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور انھیں آخر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

رسولِ آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو ظلم کی آندھیوں، تلواروں کی چھاؤں اور خون کی ندیوں میں دعوتِ حق کے لیے جدوجہد کرنا پڑی۔ اس دوران میں انہیں سیاسی اقتدار، زر و جواہر کے خزانوں اور دولتِ حسن و جمال کی پیش کش بھی کی گئی مگر آپؐ ہر آزمائش میں سرخرو نکلے۔ آپؐ نے اپنی خصوصی تربیت سے جو صالح جماعت تیار کی، اسے دنیا میں اعلیٰ مقاصد کے لیے منظم کیا گیا۔ ان سرفروشوں کو پہلے اسلام کے عقائد و نظریات اور کائنات کے حقائق سے آشنا کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے سامنے وہ عظیم نصب العین رکھا گیا جو اس انقلابی جماعت کا اصل کردار تھا۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ اس جدوجہد کے لیے تیار ہوئے جو مسلسل ایثار و قربانی کا تقاضا کرتی تھی۔ انہیں اس کشمکش سے دوچار ہونا سکھایا گیا جس سے ایک طرف تو ان کے اخلاق کی تعمیر ہو، دوسری جانب وہ صبر و استقامت سے کام لے کر ناقابلِ شکست شخصیات بنیں۔ ان میں حق کی خاطر دنیا بھر سے لڑ جانے کا حوصلہ پیدا ہو اور انہیں جان ہتھیلی پر رکھ کر فقط رضائے الٰہی کی خاطر ہر آزمائش سے آسان گذر جانے کا سلیقہ آئے۔ وہ عزت کے ساتھ جینے اور وقار کے ساتھ مرنے کا ڈھنگ سیکھیں۔ وہ انفرادی آرزوؤں اور ذاتی امنگوں سے بے نیاز ہو کر عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے تگ و دو کرنے اور اپنے پروردگار کے اشاروں پر چلنے کو اصل مقصودِ حیات قرار دیں۔ رسول اللہؐ نے اپنے جاں نثاروں کی تربیت انہی خطوط پر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزمائشوں کی بھٹی میں ان کے جسم تپ کر فولاد بنے اور ان کے کردار کندن بن کر چمکے۔

حضورؐ نے مدینۂ منورہ میں جو اوّلین اسلامی ریاست قائم کی، اس کی بنیاد، سلطانئِ آدم کی بجائے حاکمیتِ الٰہیہ کے اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ اسے عرفِ عام میں "خلافت" کہا گیا۔

Marfat.com

اس کی روح شورائیت میں پنہاں تھی۔ منصبِ خلافت صرف اس مردِ مومن کو تفویض کیا جا سکتا تھا جو تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ معیار تک پہنچتا ہو۔ وہ سرکاری مناصب' بلاتمیزِ حسب ونسب اہل افراد کو سونپے اور بیت المال کو شاہی خزانہ نہ بننے دے۔ اس نظام کا مقصد بنی نوعِ انسان کو شخصی غلامی کے ظلمات سے نکال کر خدا پرستی' حریتِ فکر' مساوات اور اخوت کا درس دینا تھا۔ خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم کے عہدِ مبارک تک نظمِ سیاست کی یہ شکل برقرار رہی جس کی دستوری بنا جمہوریت پسندی (Republicanism) سے عبارت تھی۔ یعنی ریاست کا آئینی سربراہ منتخب ہو کر آئے' موروثیت کی راہ سے مسندِ اقتدار تک نہ پہنچے۔ لیکن خلافتِ راشدہ کا بابرکت عہد ختم ہوتے ہی نظریۂ خلافت کا تقدس پامال ہونے لگا ___ یزید کی جانشینی سے موروثی طرزِ حکومت کا آغاز ہوا۔ یوں بے اعتدال امراء اور ان کے حاشیہ نشینوں نے ایسا اسلوبِ حیات اختیار کر لیا جس کا لازمی نتیجہ استحصال' فتنہ وفساد اور اخلاقی بے راہ روی ہی ہو سکتا تھا۔ امتِ مُسلِمَہ نے اس تبدیلی کو مداخلت فی الدین تصور کیا چنانچہ وقت کے صالح ترین انسان ___ حضرت امام حسین؄ خلافتِ اسلامیہ کے احیاء کے لیے جہد آزما ہوئے اور یہ نعرہ لگاتے ہوئے لشکرِ ملوکیت سے ٹکرا گئے ___

شانِ جمہوری' نہ جاہِ کج کلاہی چاہیے!
جس کے بندے ہیں' اسی کی بادشاہی چاہیے!

قرآنِ کریم نے سچے مومنین کا منصب یہ قرار دیا ___ اُدۡخُلُوا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ___ دائرۂ اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ! یہ الفاظ ایک مسلمان کی زندگی کا نصب العین متعیّن کرتے ہیں اور وہ ہے اقامتِ دین کی مسلسل جدوجہد۔ ویسے تو دنیا کا کوئی کام بھی جدوجہد کے بغیر سرانجام نہیں پاتا تاہم اقامتِ دین اپنی نوعیت کے اعتبار سے جسمانی' ذہنی اور روحانی توانائیوں کی انتہائی حدوں سے کام لینے کا تقاضا کرتی ہے۔ دینی تعلیمات کی تبلیغ اور احکامِ الٰہی کا نفاذ کوئی آسان کام نہیں بلکہ ___

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس کٹھن سفر میں تو ہر مقام پر مزاحمتیں اور رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ زندگی نت نئے

Marfat.com

حادثات کا شکار ہوتی ہے۔ مال ودولت، عزت وناموس اور جسم وجان طرح طرح کے خطرات سے دوچار ہوتے ہیں۔ مگر اہلِ ایمان بے مثال صبرو استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس جدوجہد میں یا تو کامیابی ان کا نصیبہ بنتی ہے یا وہ راہِ حق میں جان دے کر زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں۔

حضرت امام حسینؓ قافلۂ شہداء کے ایسے قائد ہیں جنہوں نے حق وباطل کے متضاد عناصر کی چھان پھٹک کر کے ان میں حدِّ فاصل کھینچی۔ انہوں نے اپنے پاکیزہ لہو سے ایک ایسا عہد نامہ تحریر کیا جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر غیر متزلزل اعتماد کے جذبے سے سرشار کر کے کذب وریا اور ظلم واستبداد کے مقابل ڈٹ جانے کا نسخۂ کیمیا عطا کرتا ہے۔

"وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" ـــ کتنی پیاری آیت ہے، ہجومِ بلا میں، طوفانِ مصائب، گردابِ ہلاکت میں گھرے ہوئے شکستہ دل اور پریشان انسان کے لیے چند لفظوں میں اطمینان و سکون کا کیا روح پرور پیغام ہے۔ "اِنِّیْ قَرِیْبٌ" کے دو لفظوں میں راحت واطمینان کی ایک دنیا سمیٹ کر رکھی دی گئی ہے ـــ کسی فصلِ بہار کی نسیمِ سحر میں، کسی ابرِ نیساں کے حیات بخش قطروں میں وہ اثر کہاں جو اثر ان دو لفظوں میں ہے۔ دکھ درد کا مارا جب یہ سنتا ہے کہ میرا مالک، میرا خالق مجھ سے الگ تھلگ کہیں دُور نہیں کہ اسے میرے حال کا علم نہ ہو، رنج والم کی خبر نہ ہو بلکہ وہ قریب ہے، بالکل قریب ـــ نزدیک ہے، رگِ جاں سے بھی زیادہ نزدیک، تو اسے کتنا قرار آجاتا ہے!

پیر محمد کرم شاہ الازہری: تفسیر ضیاء القرآن

Marfat.com

# حبیبِ رسول ــــ زید بن حارثہؓ

دو ہزار سال پہلے یروشلم کی فضاؤں میں ایک آفاقی آواز گونجی ــــ "انسان، صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمے سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے" ــــ حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ الفاظ اللہ کی ربوُبیت کے دو اہم پہلوؤں کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ وہ محض وجودِ انسانی کی ظاہری نشوونما نہیں کرتا بلکہ اس کی باطنی قوتوں کو بھی جِلا بخشتا ہے۔ وہی ہے جو شاخِ وجداں پر خیالوں کے پھول کھلاتا اور دل کے افق پر جذبوں کے ستارے روشن کرتا ہے۔ انسان کے روحانی مطالبات کی تشفّی بھی منصبِ قدرت کا لازمی حصہ ہے۔ سلسلۂ رسالت، دراصل شانِ ربوبیت کے دوسرے پہلو کی عملی تفسیر ہے۔ انبیاءِ کرامؑ اُس خلا کو پُر کرنے کے لیے تشریف لائے جو کائنات کے منظرنامے کی تلاوت کرتے ہوئے انسان کی حیران آنکھوں کے سامنے پھیل پھیل جاتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام انبیاءؑ کو کسی خاص قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا لیکن رسولِ آخر الزّمان محمد ﷺ ایک عالمگیر دعوت لے کر اٹھے جس نے تمام عالمِ بشریت کو مخاطَب کیا اور روحانی قالب میں ڈھلا ہوا ایک صالح معاشرہ تشکیل دیا۔ انہوں نے بہترین انسانوں کی ایسی کھیپ تیار کی جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ آپؐ کے سرفروش اصحاب ایسے نظریاتی انسان تھے جن کی دنیا میں فقط نیکی کے پنپنے کی گنجائش تھی اور بدی سر نہ اٹھا سکتی تھی۔ انہوں نے اپنی ساری توانائیوں، صلاحیتوں اور قربانیوں سے دینِ حق کا رنگ روپ نکھارا۔ وہ آفتابِ نبوت کے جمالِ جہاں آرا سے براہِ راست منوّر ہوئے اور حضورؐ کے اس ارشاد کے مصداق ٹھہرے ــــ اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ ــــ میرے شاگرد ستاروں کی مانند ہیں تم جس سے بھی رہنمائی لوگے، وہ تمہیں منزلِ مقصود تک پہنچادے گا! ــــ صحابۂ کرامؓ زمین پر اللہ کی قدرت کے

نشان تھے جن کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ تھے' کارکشا وکارساز! وہ کتاب زندہ' قرآنِ حکیم کے انسانِ مطلوب تھے۔ وہ ظلم وضلالت کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی مخلوقِ خدا کو روشنی' آزادی اور عدل ومساوات کی راہ دکھانے کے لیے مستعد رہے۔ انہوں نے تہذیب و تمدن کے ایسے خوشنما اسالیب وضع کیے کہ زندگی کی بے چہرگی کا طلسم ٹوٹ کر رہ گیا۔ وہ ایک ایسے نظامِ معاشرت کے داعی تھے جو اجتماعی تحریک کی شکل میں دنیا کے دُور دراز خطوں تک پہنچ گیا۔ ان کی مخلصانہ ریاضتوں سے دلوں کی کایا پلٹ گئی' ذہن بدل گئے' اخوّت ومروّت کی کھیتی پورے جوبن پر آئی' انسانیت کو دکھوں سے نجات ملی اور زندگی کا پژمردہ چہرہ مسکرا اٹھا۔

رحمتہ للّعالمین ؐ نے ضمیرِ انسانی کو مخاطب کیا اور سلیم الفطرت افراد کو ایک مقدّس نصب العین کی خاطر ہر ایثار پر آمادہ کیا۔ انہوں نے اپنے گرد ایسے مشنری انسانوں کو جمع کیا جن میں سے ہر ایک ایسا جوہرِ قابل تھا جو مسِ خام کو کندن بنانے اور کھرا کھوٹا الگ کر دکھانے کا ہنر رکھتا تھا۔ ان کے قدم جہاں جہاں پہنچے' دوسری قومیں اپنی زبان' اپنے لباس اور اپنے تمدن کو ان کے رنگ میں رنگنے کو سعادت سمجھنے لگیں۔ یہ انقلابی شخصیات عشقِ رسول ؐ میں اس قدر سرشار تھیں کہ اس خدشے کے پیشِ نظر آپ ؐ کے چہرۂ اقدس سے نگاہیں نہیں ہٹاتی تھیں کہ کہیں روح پیاسی نہ رہ جائے۔ ان میں سے کوئی فرد بھی آپ ؐ سے جدائی کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ بڑے تو آپ ؐ کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہی تھے' چھوٹے بھی آپ ؐ کی شفقت سے کسی طور محروم ہونا گوارا نہ کرتے تھے اور آپ ؐ کے سایۂ عاطفت کو دنیا جہان کی نعمتوں پر فوقیت دیتے تھے۔

شاید کسی کو گمان ہو کہ ذاتِ پیمبر ؐ کے ساتھ اس والہانہ وابستگی میں ان کے پیروکاروں کی مذہبی عقیدت کارفرما ہو گی اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ لیکن آپ ؐ کی بعثت سے کئی سال پہلے نو عمر زید بن حارثہ کو کیا ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے آقا محمد ﷺ کی غلامی کو اپنے والد حارثہ اور چچا کعب کی ہر پیش کش پر ترجیح دی تھی اور یہ کہ کر گھر کی آزاد فضاؤں میں جانے سے انکار کر دیا تھا کہ ــــ "میں جس کریم النفس انسان کی خدمت میں روز وشب گزار رہا ہوں' ویسی عظمت مآب شخصیت ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی' اس لیے میں ان کی صحبت کے مقابلے میں بڑی سے بڑی نعمت کو ٹھکرا سکتا ہوں۔" اسی والہانہ لگاؤ کے باعث زید کو حضور ؐ سے فرزندانہ نسبت نصیب ہوئی اور زید بن محمد ﷺ کا

Marfat.com

خطاب حاصل ہوا۔

حضرت زید بن حارثہ آٹھ سال کی عمر میں غلام بنا لیے گئے تھے۔ یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جب ان کی والدہ سُعدیٰ بنتِ ثعلبہ اپنے قبیلے بنی معن میں عزیزوں سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔ وہاں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا' مال واسباب لوٹا اور بچوں کو اٹھا لے گئے۔ زید بھی ان میں شامل تھے۔ ان بچوں کو مکّہ مکرّمہ کی ایک نواحی منڈی حباشہ میں فروخت کر دیا گیا۔ ان میں سے کچھ غلام رئیسِ مکہ حکیم بن حزام نے خریدے اور انھیں اپنی پھوپھی خدیجہ بنتِ خویلد کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان میں سے جو غلام آپ پسند فرمائیں' وہ آپ کے لیے میرا تحفہ ہو گا۔ سیّدہ خدیجہ کی نگاہیں ایک غلام پر جم گئیں جس کے چہرے سے شرافت اور ذہانت جھلک رہی تھی۔ یہ زید بن حارثہ تھے جنہیں آگے چل کر تاریخ اسلام کا ایک اہم کردار بننا تھا۔ یوں زید کو ایک شریف النفس خاتون کے زیرِ تربیت رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد سیّدہ خدیجتہ الکبریٰ کو امّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا تو انھوں نے زید کو اپنے جلیل القدر شوہرؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح ایک غلام کو کائنات کے افضل ترین انسانؐ کی جلوت وخلوت سے فیض یاب ہونے کی عزت ملی۔

اور پھر آفتابِ نبوت طلوع ہوا ــــ زید بن حارثہ نے جس عظیم المرتبت ہستی کی خاطر اپنے والدین تک کو ٹھکرا دیا تھا' اللہ نے اسے عالمِ انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے اپنا برگزیدہ رسول منتخب کیا۔ زیدؓ خوش نصیب ٹھہرے کہ انھوں نے قبولِ اسلام میں پہل کی۔ وہ آنحضرتؐ کے افرادِ خانہ ــــ حضرت خدیجتہ الکبریٰؓ اور حضرت علیؓ کے بعد دائرۂ اسلام میں آئے اور تحریکِ اسلامی کے ہراول دستے میں شامل ہوئے۔ تبلیغِ دین کے سلسلے میں جناب رسالت مآبؐ نے جو زہرہ گداز جدوجہد کی' زید بن حارثہؓ قدم قدم پر اس میں شریک رہے۔ انھیں رازدانِ رسول کا رتبہ ملا۔ وہ حضورؐ کے سفر وحضر کے ساتھی بنے اور ان تمام مصائب کا شکار ہوئے جو تبلیغِ دین کے سلسلے میں پیغمبرِ اسلام اور ان کے پیروکاروں پر نازل ہوئے۔

۱۰ نبوی میں جب مکہ کی کھیتی بنجر ہونے لگی تھی اور ماحول پر بدی کی زرد رُت چھانے لگی تھی' محسنِ انسانیتؐ نے اپنی انقلابی جدوجہد کو بار آور کرنے کے لیے نئی دنیا کا رخ کیا۔ زید بن حارثہؓ ہم سفر تھے اور منزل تھی طائف۔ مکّہ مکرّمہ سے تقریباً پچاس میل جنوب

Marfat.com

مشرق کی طرف ایک سرسبز و شاداب مقام! یہاں کی صورتِ حال مکّہ سے مختلف نہ تھی۔ عنانِ حکومت تین جاگیرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے ہاتھ میں تھی۔ معاشی خوشحالی اور دولت کی فراوانی نے ان رئیسوں کے دماغ اتنے بگاڑ دیے تھے کہ انہوں نے سچے دین کی دعوت کو ٹھکرانے پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ نبیِ برحق ؐ کی توہین پر اتر آئے۔ ان کی شہ پر شہر کے آوارہ منش لوگوں نے کائنات کی سب سے محترم شخصیت کو سنگ باری اور ہر طرح کی اذیّت کا نشانہ بنایا۔ آپ ؐ سرتاپا لہو رنگ ہو گئے۔ ایسے میں نوجوان زید بن حارثہ نے جاں نثاری کا حق ادا کر دیا اور رسول اللہ ؐ کے جسمِ اطہر کے آگے ڈھال بن گئے۔ وہ خود زخم زخم ہو گئے لیکن اپنے آقائے نامدار کے گلاب صورت پیکر کو طائف سے باہر نکال لائے۔

حضرت زید بن حارثہ ؓ کم و بیش تمام اسلامی مہمات میں شرکت رہے۔ انہیں رسولِ کریم ؐ کی نیابت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ۸ ہجری میں اسلام کی عالمی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں تاجدارِ عالم ؐ نے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور ریاستوں کے امراء کے نام خطوط ارسال فرمائے۔ ان میں ایک خط رومی سلطنت کے ایک علاقے بصریٰ کے گورنر شرحبیل بن عمرو الغسانی کے نام بھی تھا۔ لیکن اس نے نشۂ غرور میں غضبناک ہو کر قاصدِ رسول حارث بن عمیر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ حرکت مسلّمہ سفارتی قانون اور اخلاقی ضوابط کے خلاف تھی۔ رسول اللہ ؐ نے اپنے نامۂ مبارک کی اہانت اور قاصد کے قتل پر سخت غم و غصے کا اظہار فرمایا اور دشمن کی سرزنش کو ضروری قرار دیا۔ آپ ؐ نے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک فوج روانہ فرمائی جس کا سالارِ اول زید بن حارثہ ؓ کو مقرّر فرمایا۔ اسلام کے جانبازوں نے شام کے اس مقام پر پڑاؤ ڈالا جسے موتہ کہتے ہیں۔ یہاں دو لاکھ رومیوں اور عربوں کا ٹڈی دَل ان کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ ادھر اللہ والے شوقِ شہادت میں بے قرار ہو رہے تھے۔ چنانچہ وہ دشمن کے لشکر جرّار پر ٹوٹ پڑے۔ اس روز عاشقِ رسول زید بن حارثہ ؓ نے اپنے لہو سے سرفروشی کی ابدی داستان رقم کی۔ وہ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ بعد میں لشکرِ اسلام کی کمان جعفر بن ابی طالب ؓ اور عبداللہ بن رواحہ ؓ نے سنبھالی لیکن وہ بھی ناموسِ رسالت پر قربان ہو گئے۔ آخر میں مسلمانوں کی قیادت حضرت سیف اللہ، خالد بن ولید ؓ کے حصے میں آئی۔ انہوں نے اپنی خداداد عسکری مہارت سے رومی افواج کا منہ پھیر کر رکھ دیا اور بچی کھچی سپاہِ اسلام کو

Marfat.com

میدانِ جنگ سے بحفاظت باہر نکال لائے۔ جنگ موتہ میں زید بن حارثہؓ کی شہادت کا علم ہونے پر رسولِ کریمؐ تعزیت کے لیے فوراً شہید کے گھر پہنچے جہاں زیدؓ کی بیٹی آپؐ کے گلے لگ کر رونے لگی۔ آپؐ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ پیغمبرِ استقامت کی اس جذباتی کیفیت کو دیکھ کر سعد بن عبادہؓ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے حیرانی سے پوچھا ـــــ "یا رسول اللہ، آپ بھی رو رہے ہیں؟"

آپؐ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ـــــ "ہاں، یہ ایک حبیب کا اپنے حبیب کے غم میں رونا ہے!"

زید بن حارثہؓ نے اپنے خاندان کے مقابلے میں جس والا قدر شخصیت کی رفاقت کو متاعِ حیات قرار دیا تھا، اس نے بھی اپنائیت کی انتہا کردی۔ دنیا کی نظروں میں جو غلام تھا، اسے علی الاعلان اپنا بیٹا کہا۔ تب زید کے والد اور چچا ایک خوشگوار حیرانی میں ڈوب گئے تھے اور بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے سردارانِ قریش پر سکتہ طاری ہو گیا تھا ـــــ آپؐ فرما رہے تھے ـــــ "اے خاندانِ قریش، گواہ رہنا، زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں!" ـــــ اس وارثِ رسول کی قدر و منزلت اور عظمت و رفعت کا کیا کہنا کہ اسے کم وبیش سات مرتبہ مختلف جیوش کا امیر بنایا گیا۔ یہ افتخار بھی زید ہی کے حصے میں آیا کہ حضورؐ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد زینب سے کی اور خاندانی غرور کے پرستاروں پر ظاہر کردیا کہ انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اور غلامی کا جھوٹا خطاب کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ رسولِ برحقؐ نے یہ اقدام کر کے مساواتِ انسانی کی زرّیں مثال قائم کردی۔

امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ کو زید کے ساتھ اولاد جیسی والہانہ محبت کرتے ہوئے بارہا دیکھا۔ صحابۂ کرام انہیں حبیبِ رسول کے نام سے پکارتے تھے۔ محبت کی یہ روایت یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ نبوت کے سائبانِ کرم نے زید کی اگلی نسل کو بھی اپنے سائے تلے پناہ دی۔ اسامہ بن زیدؓ کو جنگ موتہ کے شہداء کا بدلہ لینے والے اس لشکر کا سالار بنایا جس میں بڑے بڑے صحابۂ کرام شامل تھے۔ اس موقع پر محسنِ انسانیتؐ نے یہ فرما کر خاندانِ زید کے ساتھ اپنے ناقابلِ شکست قلبی تعلق پر مہرِ تصدیق ثبت کردی ـــــ "زید ان لوگوں میں شامل تھا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہ ان لوگوں میں شامل ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں!"

Marfat.com

# "اسلام" کا بیٹا ــــــ سلمان فارسیؓ

مدینۂ منوّرہ وہ خوش قسمت شہر ہے جسے اولین اسلامی ریاست کے صدر مقام کا مرتبہ حاصل ہوا۔ مسجدِ نبوی اس کا سیکرٹریٹ تھا جو بیک وقت عبادت گاہ' عدالتِ عالیہ' دار المشاورت' دفترِ امورِ داخلہ و خارجہ' تربیتی ادارہ اور تبلیغی مرکز تھا۔ یہاں اللہ کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے صحابہ ہمہ وقتی سکالرز کی حیثیت سے دیکھتی آنکھوں اور کھُلے کانوں تربیت پاتے تھے۔ ان کا ایک ہی مطمحِ نظر تھا کہ اپنے آقائے نامدارؐ کا ہر قول و عمل دلوں پر کندہ کر لیا جائے اور ہادیٔ برحق کی لازوال شخصیات کی تجلّیات سے ذہنوں میں چراغاں کر دیا جائے۔ ان اللہ والوں کو "اصحابِ صُفّہ" کہا جاتا تھا جو مسجدِ نبوی کے ایک گوشے میں علم و عرفان کے جوت جگائے ہوئے تھے۔' بلالِ حبشیؓ' ابو ذر غفاریؓ' عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ کے اسماءِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ یہ درویش لوگ رحمتہ للعالمینؐ کے خوانِ کریمی سے نہ صرف جسم و جاں کا رشتہ قائم کیے ہوئے تھے بلکہ ذہنی و روحانی پیاس بھی بجھا رہے تھے۔ انہی فقیرانِ خوش خصال کی محنتوں کا ثمر ہے کہ آج پہلی اور آخری عالمگیر انقلابی شخصیت حضرت محمد ﷺ کے ایک ایک لمحے کا مکمل ریکارڈ اور ان کے بے مثال عہد کی معتبر ترین تاریخ دنیا کے سامنے موجود ہے۔

انہی برگزیدہ ہستیوں میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی شامل تھے۔ ان کی زندگی تلاشِ حق کے لیے وقف رہی۔ وہ ایک آتش پرست قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو اصفہان کی ایک بستی "جیَان" میں آباد تھا۔ ان کے والد آتش کدے کے منتظم اور علاقے کے رئیس تھے۔ یہاں ایک گھوڑے "الخیل البلق" کی پوجا بھی کی جاتی تھی مگر سلمان نے کبھی آگ کو پوجا' نہ گھوڑے کی پرستش کی۔ ان کے دل میں فطرت نے ایک چنگاری سی رکھ چھوڑی تھی جس نے آخرکار بھڑکتے شعلے کی شکل اختیار کر لی۔

Marfat.com

ہوا یوں کہ ایک روز ان کے والد مکان کی تعمیر کے سلسلے میں مصروف تھے۔ انہوں نے سلمان کو زمین کی نگہداشت کے لیے بھیجا۔ راستے میں انہوں نے ایک گرجے میں عیسائیوں کو عبادت میں مصروف دیکھا۔ یہ منظر ان کے لیے حیران کن مسرت کا باعث ہوا۔ انہوں نے ان عیسائیوں سے مسیحیت کی تعلیم پانے کا طریقہ پوچھا۔ پادریوں نے انہیں بتایا کہ مسیحیت کی مکمل تعلیم پانے کے لیے شام جانا ہوگا۔ سلمان نے گھر واپس آکر اپنے والد کے سامنے مسیحیت سے دلچسپی ظاہر کی جس پر ان کے والد خفا ہو گئے اور ان کا گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ لیکن روشنی اور خوشبو اپنی راہ خود تراشتی ہے۔ گھٹا کی چادر میں چہرۂ آفتاب تو چھپ سکتا ہے مگر شعاعیں گوشوں سے پھُوٹ پھُوٹ بہتی ہیں۔ پھول کو فصیلوں میں قید کیا جا سکتا ہے مگر مہک کو اسیر کرنا ممکن نہیں ـــــ چنانچہ سچائی کا متلاشی سلمان ایک روز سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر شام جا پہنچا۔ یہاں تلاشِ حق کا عبوری دور شروع ہوا جس میں وہ عیسائیت کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مگر دل کا خلا پر ہونے میں نہیں آتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک خبر گشت کرنے لگی کہ انجیل میں جس آخری نبی کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے، وہ عرب میں جلوہ افروز ہو چکا ہے۔ اس اطلاع پر سلمان کے دل میں ایک بار پھر کہرام مچ گیا۔ وہ بے قرار ہو کر عرب جانے والے ایک قافلے کے ساتھ چل دیے، مگر ان لوگوں نے سلمان کو غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ یوں سلمان یثرب آپہنچے۔

شام میں مسیحیت کی تعلیم کے دوران میں سلمان نے آخری نبی کی نشانیاں پڑھی اور سنی تھیں اس لیے جونہی یہ خبر اڑی کہ پیغمبرِ آخر الزّماںؐ مکّہ سے ہجرت کر کے یثرب آپہنچے ہیں تو وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدقے کی کھجوریں پیش کیں۔ رسول اللہؐ نے وہ کھجوریں اپنے اصحاب میں تقسیم فرمادیں اور خود ہاتھ کھینچ لیا۔ سلمان کے دل کی کلی کھل اٹھی کہ نبوت کی پہلی نشانی سامنے آگئی۔ نبی صدقے کی چیز نہیں کھاتے۔ اگلے دن انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں کھجوروں کا تحفہ پیش کیا جسے آپؐ نے خوش دلی سے قبول کیا اور کھجوریں تناول فرمائیں۔ اب سلمان کو مہرِ نبوت کی زیارت کی خواہش نے بے چین کر دیا مگر قدرت نے ان کی یہ آرزو بھی پوری کر دی۔ ایک روز حضورؐ ایک صحابی کی تدفین کے لیے قبرستان میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کی چادر سرک گئی اور سلمان کو مہرِ نبوت کی زیارت نصیب ہوگئی۔ یوں حق کو حق جان کر سلمان نے اسلام قبول کیا۔ حضورؐ نے انہیں یہودی سے خرید کر آزاد کر دیا۔ سلمان کو ہجرت کے پہلے سال جمادی الاول کے

Marfat.com

مہینے میں آزادی نصیب ہوئی اور غلامانِ محمد ﷺ کی صف میں جگہ ملی۔

۵ ہجری میں سلمان فارسیؓ تاریخِ اسلام کے ایک عظیم کردار کی حیثیت سے ابھرے۔ مسلمانوں پر خاصا کڑا وقت آگیا تھا۔ قریشِ مکہ قبائلِ عرب کو ساتھ لے کر مدینے پر چڑھ آئے جہاں یہودی ان کی پشت پناہی کے لیے موجود تھے۔ حضورؐ نے حرّتین کے مقام پر مقابلے کا ارادہ فرمایا مگر حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ یہ اقدام عسکری اعتبار سے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ انہوں نے نہایت ادب سے اپنے آقاؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایران میں بستیوں کے گرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے سلمانؓ کا مشورہ قبول کیا اور اللہ نے مدینۂ منوّرہ کو یہود اور قریش کی بدنظری سے محفوظ رکھا۔ غزوۂ طائف میں منجنیق نصب کرنے کا مشورہ بھی انہی کا تھا جس پر عمل کرکے مسلمان فتح یاب ہوئے۔

حضرت سلمانؓ کی خدماتِ جلیلہ ہمیشہ اسلام اور اہلِ اسلام کی بقا کی ضمانت ٹھہریں۔ ان کی زندگی کا نصب العین اسلام اور فقط اسلام تھا۔ انہیں اس دین سے اس درجہ عشق تھا کہ وہ اپنا نام سلمان بن اسلام بتایا کرتے۔ اسلامؐ سے عشق کا مطلب دراصل داعیِ اسلام سے عشق ہے۔ حضرت سلمانؓ حضورؐ کے ان قریبی صحابہ میں شامل تھے جن سے حضور خصوصی گفتگو فرماتے جس کا سلسلہ کبھی کبھی رات کے ڈھلنے تک جاری رہتا۔ چنانچہ ان کی ذہنی وروحانی تربیت خالصتاً صحبتِ رسول میں ہوئی۔ فیضانِ نظر کی اسی کرامت سے وہ ان اوّلین اہلِ صُفّہ میں شامل ہیں جنہوں نے تصوّف کی بنیاد رکھی۔ ان کا وظیفہ مقرر تھا مگر اس اللہ کے بندے کے استغنا کا عالم یہ تھا کہ سب کچھ صدقے کے طور پر مستحقین میں تقسیم کر دیتے اور خود کھجور کی ٹوکریاں بن کر گزر اوقات کرتے۔ انہوں نے ساٹھ احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے انہیں مدائن کا گورنر بنایا مگر اس درویش انسان کا حال یہ تھا کہ معمولی لباس پہنتے' جوتے بناتے اور محنت مزدوری کرتے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں چھہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدائن میں ان کا مدفن "سلمانِ پاک" کے نام سے ایک مقدّس زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

Marfat.com

# تلمیذِ رسول ؐ ـــــ عبداللہ بن عمرؓ

اسلام کو ایک ایسی انقلابی تحریک ہونے کا اعزاز حاصل ہے جو کشت وخون سے برپا نہیں ہوئی بلکہ اس نے عرب کے وحشت خیز خطّے سے ظہور کر کے عالمِ انسانیت کو علم' اخلاق اور تہذیب وتمدن کے رنگارنگ پھولوں سے نوازا ـــــ اس انقلاب میں قرآن مجید نے روح پھونکی جسے پیغمبرِ آخر الزّمان محمد ﷺ نے بندگانِ خدا کے سامنے پڑھا' نمازوں اور خطبوں میں اس کی قرأت کی اور اس کے احکام کو نافذ العمل کیا- اسی آفاقی کلام کی تاثیر تھی جس نے ذلتوں کے مارے لوگوں پر اسرارِ جہاں منکشف کر کے انہیں عالمی قیادت کے اہل بنا دیا ـــــ اس انقلاب کا دوسرا عنصر آنخضرتؐ کی ذاتِ بابرکات تھی جس پر دراصل قرآنِ کریم کی چھاپ لگی ہوئی تھی- آپؐ کی گراں بہا شخصیت نے جہاں اپنے پیروکاروں کو صالح' شائستہ اور باوقار زندگی گزارنے کا نصاب فراہم کیا' وہاں جہل وفساد کے مقابل ایسا اسوۂ حسنہ پیش کیا کہ عالمِ انسانیت کا منظر نامہ بدل گیا ـــــ تیسرا سرچشمۂ انقلاب احادیثِ رسول کا سرمایہ ہے جس نے تمام قابلِ ذکر شعبہ ہائے حیات پر حیرت انگیز اثرات مرتّب کیے- آج جب کہ سب الہامی صحیفوں میں تغیّر وتبدّل اور تحریف وتصرّف صاف نظر آتا ہے' یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ نہ صرف قرآنِ حکیم نہایت صحت وصفائی سے اصل الفاظ میں کاغذ کے اوراق پر تحریر' سلولائڈ کے سمعی وبصری فیتوں پر محفوظ' دماغوں پر مرتسم اور دلوں پر نقش ہے' بلکہ پیغمبرِ اسلامؐ کے اسلوبِ حیات کا بے نظیر مرقع حدیث وسنت کے مستند ذخیروں کی شکل میں دستیاب ہے-

ہجرت کے بعد' مدینۂ منورہ اولین اسلامی ریاست کا ایک آزاد وخود مختار صدر مقام بنا تو مسجدِ نبوی کو کثیر المقاصد اور عالمی تہذیبی مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی- یہاں عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ سیاسی معاملات' عسکری منصوبوں' معاشی ومعاشرتی مسائل اور داخلی وخارجی امور کو بھی زیرِ بحث لایا جاتا تھا- یہ عدالت بھی تھی اور پارلیمنٹ ہاؤس بھی-

Marfat.com

یہیں ایک گوشے میں ایک چبوترہ (صُفّہ) تھا جسے دنیا بھر میں پہلے اسلامیہ کالج کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہاں بلالِ حبشیؓ، ابو ذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ جیسے درویش نہ صرف خوانِ رسولؐ سے متمتع ہو رہے تھے بلکہ لحہ لحہ صحبتِ رسولؐ میں علوم و معارف کے لعل و جواہر سمیٹ رہے تھے۔

انہی برگزیدہ ہستیوں میں حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔ وہ نبوت کے دوسرے سال ۶۱۱ عیسوی میں پیدا ہوئے اور دس برس کی عمر میں مشرّف باسلام ہوئے۔ وہ ایک عظیم المرتبت انسان کے خوش نہاد فرزند تھے۔ ان کی پرورش ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو عشقِ رسول میں سرتاپا غرق تھا اور جس کے سربراہ کو خود محسنِ انسانیتؐ نے اللہ سے مانگا تھا۔ یہ وہی عمرؓ تھے جن کے قبولِ اسلام سے اہلِ ایمان کو ناقابلِ تسخیر حصار میسر آیا تھا اور کفر و شرک کے صنم کدے میں کہرام مچ گیا تھا۔ اس جلیل القدر شخصیت نے اپنے بیٹے عبداللہ میں، ذاتی امنگوں اور آرزوؤں سے دست کش ہو کر دین حق کے لیے جینے اور مرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر صرف بارہ برس تھی لہٰذا انہیں کم عمری کے باعث غزوۂ بدر و احد میں شرکت کی اجازت نہ ملی تاہم بعد کی جنگوں میں آپ کفر کے خلاف صف آرا رہے۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے پس منظر میں لی گئی بیعتِ رضوان میں سب سے پہلے انہی کے ہاتھ نے دستِ رسالت مآبؐ کو چھونے کی سعادت حاصل کی۔ فتح مکّہ میں وہ پیکرِ رسالتؐ کے پہلو بہ پہلو چلنے والے خوش نصیبوں میں شامل تھے۔ حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں بھی انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

خلافتِ صدیقی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مانعینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے حضرت خالد بن ولید کے زیرِ قیادت تیغ آزما ہوئے۔ دورِ فاروقی میں ایرانی معرکوں بالخصوص جنگ نہاوند میں پیش پیش رہے۔ خلیفۂ ثالث کے لیے نامزد اصحاب میں ان کا اسمِ گرامی بھی شامل تھا۔ مگر حضرت عمرِ فاروقؓ نے اس خدشے کے پیش نظر یہ حق ختم کر دیا کہ خلافت کہیں موروثی شکل اختیار نہ کر لے۔ عہدِ عثمانی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سیاسی سوجھ بوجھ اور علمی وجاہت کے سبب معتمد مشیرِ خاص کا مرتبہ حاصل رہا۔ وہ افریقہ، خراسان اور بحرستان کی مہمات میں شریک رہے۔ معرکۂ قسطنطنیہ میں بھی حصہ لیا جس کے شرکاء کو نبی کریمؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین

Marfat.com

امارت کے مسئلے پر کشاکش ہوئی تو امت کی نگاہیں انہی کی طرف اٹھیں لیکن انہوں نے خون خرابے سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی۔

مدینۂ منوّرہ میں حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا تو عبداللہ بن عمرؓ لڑکپن کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ وہ انسانِ کاملؐ کے برادر نسبتی ہوئے تو انہیں اصحابِ صُفّہ کی مجلسوں اور صحابہ کرام کی محفلوں کے علاوہ براہِ راست کاشانۂ نبوت میں زیرِ تربیت رہنے کے مواقع بھی میسر آئے۔ وہ اپنا زیادہ وقت رسولِ اکرمؐ کی صحبت میں گذارتے اور آپؐ کے ارشادات کو ذہن نشین کرتے۔ حضورؐ بھی ان سے بڑی شفقت و محبت کا سلوک فرماتے۔ قدرت کی جانب سے انہیں ذہانت وفطانت اور زیرکی وطبّاعی کا بہرۂ وافر عطا ہوا تھا جسے ان کی ریاضتوں نے مزید نکھار دیا۔ چنانچہ وہ عنفوانِ شباب ہی سے زہد و تقویٰ اور فہم وفراست کے اعتبار سے ثقہ اصحابِ رسول میں شمار ہونے لگے۔ انہیں حدیث وفقہ میں بلند پایہ حاصل ہوا۔ ان سے ۱۶۳۰ احادیث مروی ہیں اور وہ کثیر الروایت اصحابِ رسول میں شامل ہیں۔ محدّثین نے حدیث کی جس کڑی کو مستند ترین قرار دیا ہے، اسے سلسلۃ الذّہَب یعنی سونے کی زنجیر کہا جاتا ہے۔ اس سلسلۂ روایت میں حدیث کی اوّلین صحیح ترین کتاب مُؤطّا کے مولف امام مالکؒ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافعؒ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں۔ حضرت ابنِ عمرؓ فقہی مسائل میں نہایت احتیاط ملحوظ رکھتے اور سخت چھان پھٹک کے بعد فتویٰ صادر کرتے۔ فقہِ مالکی کا ذخیرہ آپ ہی کی روایات پر مبنی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دامانِ نبوت کے سائے تلے نشوونما پائی تھی اس لیے وہ شریعتِ اسلامی کی زندہ تصویر تھے۔ روزمرّہ معاملات میں اتباعِ سنّت کا حد درجہ التزام کرتے۔ وہ نبی کریمؐ کے بعد تقریباً ساٹھ برس تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ سینکڑوں افراد نے ان کی زبانِ معرفت نشان سے احادیثِ رسول سنیں اور ہزاروں کو ان کے حلقۂ درس سے فکر و نظر کی روشنی میسر آئی۔ انہیں بجا طور پر نبیِ کریمؐ کی مسندِ علمی ودینی کا وارث کہا جاتا تھا۔ ۷۳ھ میں جب عالمِ اسلام پر ملوکیت کے سائے گہرے ہونے لگے اور خلافت کی قبا چاک کر دی گئی تو ایک دستِ گستاخ مرکزِ توحید کعبۃ اللہ کی طرف بھی دراز ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عبداللہ بن زبیرؓ نے حجاز میں اموی حکمران عبدالملک بن مروان کے متوازی حکومت قائم کر لی تھی۔ عبدالملک نے اپنے سیاسی حریف سے نجات

Marfat.com

پانے کے لیے حجّاج بن یوسف کو حجاز کا گورنر مقرر کیا جس نے ابنِ زبیر کو شکست دینے اور موت کے گھاٹ اتارنے کے ساتھ ساتھ خانۂ خدا پر شدید سنگ باری سے گریز نہ کیا۔ سرورِ کائنات کی قائم کردہ روایات کے پاسبان عبداللہ بن عمرؓ ان جسارتوں پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ لسانِ رسول ؐ نے باطل کی عالمی قوتوں کو للکارا تھا تو تلمیذِ رسول عبداللہ بن عمرؓ مطلق العنانیت کے خلاف کلمۂ حق کیوں بلند نہ کرتے؟ چنانچہ انہوں نے حجاج کی آمرانہ روش پر برملا سرزنش کرنا شروع کر دی۔

ایک بار حجّاج نے خطبۂ جمعہ اتنا طویل کر دیا کہ نماز کا وقت جانے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے احتجاج کیا مگر اس نے پروانہ کی۔ آپ نمازیوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اس پر حجّاج کو منبر سے نیچے اترنا پڑا۔ نماز کے بعد اس سے سامنا ہوا تو آپ نے فرمایا ___ "ہم یہاں نماز پڑھنے آتے ہیں، تمہاری خرافات سننے نہیں آتے!" ___ انہی دنوں ایک اور واقعہ ہوا۔ حجّاج حرم میں خطبہ پڑھ رہا تھا، عین اسی حالت میں حضرت عبداللہ ؓ نے کھڑے ہو کر کہا ___ "یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے"!

حجّاج کی سفّاک طبیعت کے لیے اس طرزِ کلام کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس نے سیخ پا ہو کر ایک ایجنٹ کے ذریعے ان پر قاتلانہ حملہ کرا دیا جس کے زہریلے آلے سے حضرت ابنِ عمرؓ اتنے شدید زخمی ہو گئے کہ جان بر نہ ہو سکے۔ آخر عالمِ اسلام کی اس متاعِ گرانمایہ کو سسکیوں اور آہوں کے جلو میں مکّہ کے نزدیک فخ کے مقام پر سپردِ خاک کر دیا گیا۔

فدائے سنتِ احمد ؐ جو اپنا نام کرتے ہیں
وہی دارَین میں اپنے کو خوش انجام کرتے ہیں

Marfat.com

# ترجمانِ طریقت ـــــ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

انسان نے جب سے اس دنیا میں قدم رکھا ہے' مکان ولامکاں کے اَسرار اس کے لیے چیلنج بن ہوئے ہیں۔ وہ ان سے باخبر ہونے کے لیے بصارت اور بصیرت کی قوتوں کو آزما رہا ہے۔ شوقِ تجسّس' دن رات' اسے کشاں کشاں لیے پھرتا ہے۔ اس سفر کے دوران میں اشیاءِ کائنات جہاں اس کی آنکھوں کے پردوں پر حیرتیں تحریر کرتی ہیں' وہاں بے کراں وسعتوں اور ان گنت حقائق کے سامنے اپنی کم مائیگی کا احساس اسے خوف میں بھی مبتلا رکھتا ہے۔ یوں بیم ورجا کے دو متوازی راستے اس کا مقدّر ٹھہرتے ہیں۔ حیرت فلسفے کو جنم دیتی ہے تو علم و فن کے چراغ جلتے ہیں۔ دریافتوں اور ایجادات کی صورت میں تلاش و جستجو کا جواب سامنے آتا ہے اور آدم زاد مادی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ ان ساری کامرانیوں سے ادھر مختلف حوادث و سوانح کا خوف اسے روحانی اور باطنی وارداتوں سے آشنا کرتا ہے۔ ایسے میں جب وہ اپنی ذات کے اندر جھانکتا ہے تو اسے کسی کنجِ خلوت میں ایک نادیدہ قطب نما آویزاں محسوس ہوتا ہے جس سے اسے صحیح سمت کا اشارہ ملتا ہے۔ اس سعادت سے مالا مال ہونے والے افراد صوفی کہلاتے ہیں جنھیں الُوہی روشنی قدم قدم پر آگہی بخشتی ہے۔

یہ صاف باطن لوگ نفس کُشی' علائقِ دنیا سے کنارہ کشی' سادہ زندگی' انسان دوستی اور اپنے پروردگار کی بندگی کی روش اپناتے ہیں جس سے ان کی شخصیت میں اہلِ دنیا اور اسبابِ دنیا سے بے نیازی کے اوصاف نمو پاتے ہیں۔ یہ قبیلہ بادشاہوں' مالداروں اور مطلق العنانوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ چنانچہ بجا طور پر' انھیں مردانِ حر کہا جاسکتا ہے۔ یہی دلیری اور بہادری انھیں اللہ ربُّ العزت کی بارگاہ میں باریابی کا شرف عطا کرتی ہے۔ قرآنِ ذی شان انھیں بشارت دیتا ہے ـــ اَلَآ اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوفٌ عَلَیْھِم وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

Marfat.com

___ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی اندیشہ ہے' نہ وہ غمزدہ ہوتے ہیں۔

دورِ رسالت مآبؐ سے لے کر تقریباً" دو سو سال تک ان اہلِ کمال کی توجہ زیادہ تر شریعت کے ظاہری اعمال تک رہی۔ ان کی عبادات میں اتنا خلوص شامل ہوتا تھا کہ انھیں باطنی زندگی کے تمام مراتب انھی وسیلوں سے میسر آجاتے تھے۔ بعد میں مادی علائق کے باعث جب صراطِ مستقیم سے بھٹکنے کے اندیشے بڑھ گئے تو صوفیا نے ترکِ دنیا کی روش اختیار کی اور روحانی ریاضتوں کو اپنا وتیرہ بنالیا۔ چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) میں اسلامی تصوّف کو باقاعدہ فن کی حیثیت ملی۔ امام غزالی' شیخ اکبر اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمھم اللہ نے تصوّف کے فلسفے' اساسی مسائل اور اصطلاحات کو منضبط انداز میں پیش کیا۔ یوں ایسے چودہ بنیادی سلسلے وجود میں آگئے جن کی روشنی میں اہلِ صفا نے سلوک کی پیچ در پیچ منزلیں طے کرنا شروع کر دیں۔ ان سلاسل میں چشتیہ' سہروردیہ' قادریہ اور نقشبندیہ بہت مشہور ہیں۔ جو صدیوں سے مخلوقِ خدا کی اصلاح و تربیت کا فریضہ ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان حضراتِ صوفیا کا نصب العین یہ ٹھہرتا ہے ___

"دل توڑ دیا ان کا غلامانہ روش نے"
دارُو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

چھٹی صدی ہجری اس اعتبار سے اہم ہے کہ اولیاءِ کرام عالمِ اسلام کے گوشے گوشے میں کہکشاں کی طرح چمک اٹھے۔ اسی زمانے میں حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کا ظہور ہوا۔ ان کی ولادت ۵۷۵ ہجری (۱۱۶۸ء) میں ملتان کے نواحی قصبے کھتوال میں ہوئی۔ ان کا سلسلۂ نسَب خلیفۂ ثانی حضرت عمرفاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ والدِ ماجد کا اسم گرامی شیخ جمال الدین سلیمان تھا جو شاہِ کابل فرخ شاہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت کی والدۂ ماجدہ قرسم خاتون مولانا وجیہ الدین خجندی کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت فرید الدین مسعود بارہ سال کی عمر میں' حفظِ قرآن کے بعد ملتان تشریف لائے اور محلّہ سرائے حلوائی میں' مولانا منہاج الدین ترمذی کے مدرسے سے علومِ دینیہ حاصل کرنے لگے۔ ایک روز فقہ کی کتاب "نافع" کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تشریف لائے اور پوچھا ___ "یہ کیا پڑھ رہے ہو؟" جواب دیا ___ "کتاب نافع"! حضرت کاکیؒ فرمانے لگے ___ "تم جانتے ہو کہ یہ کتاب واقعی تمہیں نفع دے گی؟" ___ ان الفاظ میں جانے کیا جادو تھا کہ حضرت فرید الدین کی باطنی دنیا میں ہلچل مچ گئی۔

Marfat.com

انھوں نے بے ساختہ، سرِ نیاز حضرت قطبؒ کے قدموں پر رکھ دیا اور ان کی ہم سفری اختیار کی۔ حضرت قطبؒ نے دہلی پہنچ کر مشائخ کے مجمعے میں حضرت فرید الدین مسعود کو چشتیہ سلسلے کے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ یہ واقعہ ۵۹۵ ہجری کا ہے۔

اسی دَور میں جب وہ اپنے مرشد کی زیرِ تربیت تصوّف کی منزلیں طے کر رہے تھے، انھیں گنجِ شکر کا لقب عطا ہوا۔ اس کا پس منظر بھی ایک صوفیانہ واردات ہے۔ ایک روز حضرت روزے سے تھے۔ افطار کے وقت اپنے مرشد کی خدمت میں جا رہے تھے کہ راستے میں پھسل گئے اور کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی مگر اللہ کی قدرت سے وہ کیچڑ شکر میں تبدیل ہوگئی۔ انھوں نے حضرت قطبؒ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ وہ بولے: ”فرید الدین! اگر مٹی تمھارے منہ میں شکر بن گئی تو مبارک ہو! خداوند تعالیٰ نے تمھارے وجود کو شکر بنا دیا۔ اب وہ تمھیں ہمیشہ میٹھا ہی رکھے گا۔“ یوں حضرت ”گنجِ شکر“ کے لقب سے مشہور ہوَگئے۔

حضرت فرید الدین مسعود گنجِ شکرؒ نے کچھ عرصہ ہانسی میں مسندِ ارشاد سجائی۔ ازاں بعد غزنی، قندھار، بخارا، عراق، شام کی سیاحت فرمائی۔ اس سفر کے دوران میں انھوں نے شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ سیف الدین خضری، شیخ سعید الدین جموی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت اوحد الدین کرمانی، شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری اور شیخ الاسلام اجل شیرازی رحمھم اللہ سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ واپسی پر اجودھن کو اپنا تبلیغی مرکز بنایا جو آج کل پاک پتن کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے دستِ مبارک پر پنجاب کے عوام و خواص اور بڑے بڑے گھرانے مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں ٹوانہ خاندان بھی شامل ہے۔ آپ کی بارگاہ میں ناصر الدین قباچہ اور غیاث الدین بلبن جیسے سلاطینِ وقت نے حاضری دی۔ بلبن کی عقیدت کا عالم تو یہ تھا کہ ایک روایت کے مطابق اس نے اپنی بیٹی ہزیرہ کا عقد آپ سے کر دیا۔

حضرت بابا فرید الدین گنجِ شکرؒ نے شریعت و طریقت میں توازن قائم کیا۔ عبادت و ریاضت، فقر و مجاہدہ، توکل و تقویٰ اور ذوق و شوق ان کی سیرت کے تابناک پہلو ہیں۔ ان کی فارسی شاعری میں صوفیانہ حقائق اور اخلاقی موضوعات پر زور دیا گیا ہے۔ علمی اعتبار سے بھی ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ان کے رسائل ”موجود وجود“ ”گفتار“ اور ”الٰہی نامہ“ تعلیماتِ تصوف کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ ان کے یہ اقوالِ زرّیں جویندگانِ حق کے لیے

Marfat.com

زادِ راہ ہیں:

- جو شخص دنیا کی رفعت وجاہ کا خواستگار ہو اور اپنی ذات کو لطفِ جہاں کا اسیر کرنے کی کوشش کرے، وہ درویش نہیں، مُرتدِ طریقت ہے، کیونکہ فقراء، دنیا سے کوئی غرض نہیں رکھتے۔
- زندہ دل وہ ہے جس میں محبتِ الٰہی ہے۔
- زندگی، علم میں، راحت معرفت میں، شوق، محبت میں اور ذوق، ذکر میں ہے۔

اس مجسمۂ علم و عرفان نے ۵ محرم ۶۶۴ ہجری (بمطابق ۱۲۶۵ء) کو دنیا سے رحلت فرمائی۔ ان کا مزارِ پُر انوار پاک پتن میں مرجعِ خلائق ہے۔

اٹھ، فریدا سُتیا، جھاڑو دے مسیت
توں سُتا، رب جاگدا، تیری ڈاہڈے نال پریت
رُکھی سُکھی کھاء کے ٹھنڈا پانی پی!
دیکھ پرائی چوپڑی، نہ ترسائیں جی!

Marfat.com

# صاحبِ سیف و قلم ـــــ شاہ ولی اللہؒ

جنوب مشرقی ایشیا کی سرزمین اگرچہ عہدِ رسالتمآبؐ ہی میں آفتابِ اسلام کی مقدّس شعاعوں سے منوّر ہونے لگی تھی مگر برِّصغیر ہندوستان میں اسلام کی باقاعدہ دعوت ترکوں کے وسیلے سے پہنچی۔ انہوں نے عربوں کی عسکری و ثقافتی فتوحات سے براہِ راست متأثّر ہونے والے ایرانیوں سے تعلیم اسلام حاصل کی تھی مگر ایک عمرانی المیہ رونما ہوا کہ یہ دولت' دست بدست سفر کرتی ہوئی اپنی آب و تاب بڑی حد تک کھو بیٹھی۔ علاقائی روایات اور عجمی رسوم نے اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا۔ مغل سلطنت کے عہد میں تو یہ حال ہوا کہ مقامی تمدن کے اثرات کے باعث اسلامی امور واحکام کی شناخت مشکل ہو گئی۔ مادہ پرستی اور شرک و بدعت کے طاغوتی عناصر نے متّحد ہو کر توحیدِ الٰہی اور وحدتِ اسلامی پر کاری ضرب لگائی مگر اہلِ عزیمت صُوفیا اور علما نے اپنے اپنے مخصوص اسلوب میں دینِ اسلام کی حرمت و عزت کی طرف بڑھتے ہوئے گستاخ ہاتھوں کو روکنے کی مستحسن کوشش کی۔ اکبر کی مذہبی و معاشرتی بدعتوں کے خلاف حضرت مجدّدِ الفِ ثانیؒ نے قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود شدّومد سے آوازۂ حق بلند کیا تاآنکہ سپاہِ صداقت نے جھوٹے افکار کو شکستِ فاش دی اور مغل تخت و تاج اورنگزیب عالمگیر جیسے درویش خصلت بادشاہ کے حصے میں آیا۔ اس کی شخصیت ایک مضبوط پشتے کی سی تھی جس نے نصف صدی سے زائد عرصے تک کفرو الحاد کے سرکش سیلاب کو نہ صرف روکے رکھا بلکہ اس کی پھنکارتی لہروں کی یلغار کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان پر پھر ایک کڑا وقت آیا تاہم اسّی سال قبل حضرت مجدّدِ الفِ ثانیؒ نے احیاءِ اسلام کی جس تحریک کا آغاز کیا تھا' اسے ایک عظیم قائد میسر آگیا۔ شاہ ولی اللہؒ حضرت شیخ مجدّدؒ کے خواب کی تعبیر تھے ـــــ ایک

Marfat.com

طرف ان کے زمانے اور ماحول کو اور دوسری طرف ان کے کام کو جب آدمی بالمقابل کر کے دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ دورِ جہالت میں اس نظرِ بلند' ان خیالاتِ عالیہ' اس خارقِ عادت و ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا! فرخ سیر' محمد شاہ رنگیلے اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا' اس تاریک زمانے میں نشوونما پاکر ایسا آزاد خیال مفکّر و مدبّر منظرِ عام پر آتا ہے جو زمانے کے ماحول کی تمام بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے' تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلۂ زندگی پر محققانہ اور مجتہدانہ نظر ڈالتا ہے اور ایسا لٹریچر چھوڑ جاتا ہے جس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اس جگہ لکھی گئی تھیں جس کے گردو پیش عیّاشی' نفس پرستی' قتل و غارت' جبرو تشدّد' ظلم و بدامنی اور طوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اسی زوال آمادہ ہندوستان میں اسلامی نظامِ حیات کی اصل دعوت کو مربُوط اور مدلّل انداز میں پیش کیا۔ انہوں نے شریعتِ اسلامی کے پاکیزہ وجود میں سرایت کرنے والی ہزار سالہ کثافتوں کو اپنی بے مثال علمی و روحانی بصیرت کے نشتر سے نکال باہر کیا۔ یہ اسی نیک نہاد ریاضت کا ثمرہ تھا کہ ان کے متّبعین کی ایک ایسی مشنری قوت ظہور میں آئی جس نے ایک صدی کے اندر اندر تمام باطل پرست طاقتوں کے خلاف پنجہ آزمائی شروع کر دی اور طلسمِ جمود پاش پاش کر دیا۔

شاہ ولی اللہؒ ایک صاحبِ سیف و قلم گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ۲۱ فروری ۱۷۰۳ کو میرٹھ کے نواحی قصبے پھلت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام قطب الدین تھا لیکن اپنے ظاہری و باطنی محاسن اور اخلاقِ فاضلہ کے باعث ولی اللہ کہلائے۔ آپ کے دادا حضرت وجیہ الدین' اورنگ زیب عالمگیر کی فوج میں ملازم تھے اور علم و فضل اور زہدو تقویٰ کا مثالی نمونہ۔ والدِ محترم شاہ عبدالرحیم' نامور عالمِ دین تھے۔ انہوں نے دہلی میں جامعہ رَحِیمِیَہ قائم کیا جہاں سے شاہ ولی اللہؒ نے علومِ اسلامی کی تحصیل کی اور سترہ سال کی عمر میں والدِ مرحوم کی مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ جامعہ رحیمیہ نے شاہ صاحب کی سربراہی میں بہت جلد مرکزِ حکمت و دانش کا درجہ حاصل کر لیا۔ انہوں نے سب سے پہلے فارسی زبان میں کلامِ الٰہی کا ترجمہ کیا۔ ان کے فرزندانِ گرامی شاہ رفیع الدین نے اردو میں لفظی ترجمہ اور شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ اردو ترجمہ کیا۔ یوں عوام و خواص کو روحِ قرآن تک رسائی حاصل ہوئی۔ بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز بڑے روشن خیال عالمِ دین تھے۔

Marfat.com

انہوں نے اپنے والدِ مکرّم کی مسندِ ارشاد کو سرچشمۂ عرفان بنا دیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم کردہ دہلی کالج اور اس طرز کی جدید درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کا فتویٰ دیا۔ ان کے علاوہ ہزاروں جیّد علما جامعۂ رحیمیہ سے فیض پاکر ولی اللّٰہی تحریک کے روشن ضمیر پاسباں ٹھہرے۔

شاہ ولی اللہ ؒ کی خدماتِ جلیلہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ـــــ اس نادرۂ روزگار ہستی نے ایک طرف علمی و دینی حوالے سے علومِ اسلامی کی نشأۃِ ثانیہ کا گراں بہا کارنامہ سرانجام دیا تو دوسری جانب مسلم حکومت کی بقاء واستحکام کے لیے سیاسی اقدامات کیے۔ ان کا زاویۂ نظر حضرت عمر فاروق ؓ کے قولِ مبارک "اَلْمُلْکُ وَالدِّیْنُ تَوأَمَانِ" سے خوش منظر تھا یعنی اسلام اور ریاست کا تعلق دو جُڑواں بھائیوں جیسا ہے۔ وہ دین و سیاست کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ انہوں نے جس زمانے میں آنکھ کھولی' عالمگیری دورِ سعادت گزر چکا تھا' اخلاقی اقدار دم توڑ رہی تھیں' سیاسی زوال و انحطاط سے زندگی کا سارا نظام ابتر ہو چکا تھا اور مغلیہ شان و شوکت کا منظرنامہ بے رنگ ہو چکا تھا ـــــ شاہ صاحب نے دس مغل بادشاہوں کا دَور دیکھا لیکن یہ کیسی بادشاہتیں تھیں کہ باغیانہ قوتیں ہر گام پر رقصِ ابلیس میں مصروف تھیں۔ نادر شاہ کے حملے نے کشورِ ہند کے وجود پر جو کاری زخم لگائے تھے' مرہٹوں' جاٹوں اور سکھوں نے طوفانِ بد تمیزی برپا کرکے ان زخموں پر نمک چھڑکنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ برّصغیر الاؤ بن چکا تھا اور شاہانِ مغلیہ بڑی بے بسی سے تماشا دیکھنے پر مجبور تھے۔

اس صورتِ حال میں شاہ ولی اللہ ؒ نے حکمرانوں' امرا اور وزرا کے نام کئی خطوط تحریر کیے جن میں اخلاقی و سیاسی زوال و انتشار پر بصیرت افروز گفتگو کرتے ہوئے انہیں انتباہ کیا کہ عیش و نشاط اور غفلت و کاہلی کی دھند میں لپٹی ہوئی مسندِ اقتدار کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جاسکتی' اس لیے غیرت و حمیت اور ہمت و استقلال کی اعلیٰ صفات اپنا کر بقائے سلطنت کے لیے کوشاں ہوں۔ لیکن ان کی تنبیہ صدا بصحرا ثابت ہوئی تاہم وہ مایوس نہ ہوئے۔ وہ ہندوستان باشندوں کے سماجی تحفظ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے شاندار ماضی کے حوالے سے ان کے نیم جاں سیاسی اداروں میں نئی روح پھونکنا چاہتے تھے۔ تب انہیں عسکری جدوجہد کے سوا اور کوئی راستہ سجھائی نہ دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو طرفہ کوششیں کیں۔ ادھر افغان حکمران احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

... روحانیت و عقیدت اور غیر اسلامی تصورات میں ایک حد فاصل قائم کر کے [illegible]

کذب و صداقت کی شناخت کرنا ممکن ہو گیا۔ شاہ صاحب اور ان کی تربیت یافتہ [illegible]

جو علمی میراث چھوڑی وہ درحقیقت اسلام کی ایک انقلابی نصب [illegible]

اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمان علماء نے اسی فکری اثاثے سے کام لے کر انیسویں صدی کی

مذہب بیزار تحریکوں اور عیسائی مشنریوں کے مذہبی تصور کا عقلی و منطقی [illegible]

توڑ جواب دیا اور اسلام کی حقانیت پر آنچ نہ آنے دی۔

شاہ صاحب کا انتقال ۲۲ اگست ۱۷۶۲ء کو ہوا اور وہ دہلی کے قبرستان مہندیان میں مدفون ہوئے۔ ان کی مسندِ ارشاد کے وارثوں نے ولی اللہی افکار کی اشاعت کو ایک منظم ادارے کی شکل دے کر اس مشن کو نہ صرف حکیمانہ اسلوب میں آگے بڑھایا بلکہ براہِ ر

Marfat.com

سبیل اللہ کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں پشاور کی سنگلاخ وادیوں اور بالاکوٹ کی سرسبز گھاٹیوں میں ولی اللٰہی جانبازوں نے اپنے لہو سے ایک داستانِ عزیمت لکھی جس کے پس منظر میں ملّی حمیت' دینی غیرت اور اخلاقی جرأت کی شفق پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔ اسلام دشمن اور مسلم کُش سکھ طاقت کے خلاف شاہ ولی اللہ کے سرفروش پوتے شاہ اسمٰعیل شہید اور معنوی شاگرد سید احمد شہید بریلوی کی یہ عسکری جدوجہد تاریخِ ہند کا ناقابلِ فراموش باب ہے۔

روئے زمین کے تمام متمدّن ممالک کے لوگوں نے مجھ سے اپنے نفسیاتی امراض کے سلسلے میں مشورہ حاصل کرنے کے لیے رجوع کیا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کا مسئلہ اپنے آخری تجزیے میں زندگی کا مذہبی نقطۂ نظر پانے کے سوا کچھ اور ہو۔ ہر شخص کی بیماری یہ تھی کہ اس نے وہ چیز کھودی تھی جو موجودہ مذاہب ہر دور میں اپنے پیروؤں کو دیتے رہے ہیں۔ ان مریضوں میں سے کوئی بھی حقیقتہ" اس وقت تک شفایاب نہ ہوسکا' جب تک اس نے اپنا مذہبی تصور دوبارہ نہیں پالیا۔

نامور نفسیات دان' پروفیسر ینگ (C.G.Jung)

Marfat.com

# یادگارِ اَسلاف ـــــ مولانا اشرف علی تھانویؒ

تھانہ بھوَن ـــــ برّصغیر ہندوستان کے ضلع مظفر نگر کا ایک ایسا نظر نواز خطۂ ارضی ہے جہاں وہ عظیم الشان شخصیت پیدا ہوئی جس نے نصف صدی تک خلقِ خدا کے اخلاق و اعمال اور کاروبارِ دین و دنیا کی صحت کو اپنا نصب العین قرار دیا- یہی نہیں بلکہ اسے اصلاح و تربیت کی منزل سے گزار کر انسانیت کی لائقِ تحسین قدروں سے آشنا کیا ـــــ مولانا اشرف علی تھانوی کی ولادت ۱۹ ستمبر ۱۸۶۳ء کو اسی مردُم خیز قصبے میں ہوئی- ان کے والدِ گرامی عبدالحق فاروقی ایک مقتدر رئیس اور ریاست میرٹھ کے مختارِ عام تھے- میرٹھ اور تھانہ بھوَن میں ابتدائی تعلیم پانے کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی نے دارالعلوم دیو بند سے علوم دینیہ کی تکمیل کی- ۱۸۹۸ء میں وہ مجاہدِ جنگِ آزادی حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی سے مکّہ معظمہ میں بیعت اور خلافت سے سرفراز ہوئے- بعد ازاں تھانہ بھوَن میں اپنے مرشد کی یادگار "خانقاہِ امدادیہ" میں تشریف لائے جہاں نصف صدی تک درس و تدریس، تبلیغ و افتاء اور وعظ و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے- ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء کو شریعت و طریقت کا یہ آفتاب غروب ہوگیا- مولانا اشرف علی تھانوی کے جسدِ خاکی کو "خانقاہِ امدادیہ" کی شمالی جانب "قبرستانِ عشق بازاں" میں دفن کر دیا گیا-

حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی بیک وقت مُترجِم و مُفسّرِ قرآن، مُحدّث، فقیہ، صاحبِ طریقت اور شارحِ علوم و حکم تھے- ان کی نسبی اولاد تو کوئی نہیں لیکن ایک ہزار سے زائد تصانیف ہی ان کی معنوی اولاد ہیں جنھیں ایک قیمتی ورثے کے لحاظ سے سرچشمۂ ہدایت کا مرتبہ حاصل ہے- کثیرالتعداد تصانیف کے اعتبار سے مولانا اشرف علی تھانوی، امام ابن جریر طبری، امام فخرالدین رازی، حافظ ابن جوزی اور حافظ جلال الدین سیوطی کے ہم پلّہ ہیں- ویسے تو ان کے تمام علمی سرمائے پر اصلاح کی چھاپ لگی ہوئی ہے تاہم اصلاح

Marfat.com

الرسوم' اصلاحِ امت' بہشتی زیور اور حیات المسلمین کو شاہکار کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ ان کی تفسیر "بیان القرآن" اور سیرتُ النبیؐ ـــــ "نَشْرُالطّیّب فِی ذِکرِ النّبیِّ الحَبِیْب" بھی اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔

بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں مولانا اشرف علی تھانوی نے علم و حکمت کے چراغ فروزاں کیے۔ اس دَور میں' برِّصغیر کی فضاؤں پر ہنگامہ خیز واقعات و حوادث کا طلسم چھایا ہوا تھا۔ مختلف کردار سیاست' مذہب' صحافت اور ادب کے حوالے سے داستانِ حرّیت رقم کر رہے تھے' مولانا تھانوی اس طبقۂ علماء میں شامل تھے جنھوں نے تحریکِ پاکستان کے حق میں اپنی مساعی صَرف کیں تاکہ آزادی کے ساتھ ساتھ شمالی ہند کے مسلمانوں کو ایک بااختیار ریاست بھی حاصل ہوسکے۔ انہوں نے جون ۱۹۱۸ء میں اپنی دُور رس قلندرانہ بصیرت کی روشنی میں فرمایا:

"دل یوں چاہتا ہے کہ ایک خِطّے پر اسلامی مملکت ہو۔ سارے قوانین کا اجرا' احکام شریعت کے مطابق ہو' بیت المال ہو' نظامِ زکوٰۃ قائم ہو' شرعی عدالتیں ہوں' وَقِس عَلیٰ ہٰذا ـــــ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو صرف مسلمانوں کی جماعت ہونی چاہیے اور اسی کو یہ کوشش کرنی چاہیے! ☆"

علاّمہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اسی "تصوّرِ پاکستان" کے خدوخال واضح کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی کے مَوقِف کی تائید میں الٰہ آباد میں کہا ـــــ "اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدّنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے! ☆☆"

یوں حکیم الامت کی آرزو' شاعرِ مشرق کے تصوّرِ پاکستان میں ڈھل کر قائدِاعظم محمد علی جناح کے وسیلے سے تعبیر آشنا ہوئی اور اسلامیانِ پاکستان کو وہ گوشۂ راحت میسر آیا جہاں انہیں آزادی کے ساتھ اپنے معاملات و مسائل کو سلجھانے کا موقع ملا۔ تاریخ کے صفحات پر وہ تمام جدوجہد نقشِ دوام کی صورت محفوظ ہے جس کے پس منظر میں مولانا اشرف علی تھانوی کی بصیرت روشنی بکھیرتی رہی۔ انہوں نے مسلمانوں کو وہ زادِ راہ فراہم کیا جس نے قدم قدم پر برکتوں اور کامیابیوں کے پھول بکھیرے ـــــ علاّمہ اسد ملتانی نے قائدِاعظم کے سیاسی و شعوری سفر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا ـــــ

Marfat.com

کچھ کلیسا کو بھی دیکھا اور دَیر کی بھی سیر کی
جب حَرَم کا مل گیا رستہ تو اس پر جَم رہا

انھیں حَرَم کا راستہ دکھانے والا وہ صوفیٔ باصفا تھا جسے دنیا مولانا اشرف علی تھانوی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ انھوں نے قائدِاعظم کی خدمت میں اپنے سفیر بھیجے جنھوں نے مسلسل ملاقاتوں کے بعد قائد کے سیاسی نظریات کو مذہبی رنگ دیا۔ دونوں شخصیتوں کے مابین خط کتابت بھی ہوئی جس کا بنیادی نکتہ یہی دینی تربیت رہا۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں قائدِاعظم کی جانب سے مولانا کو بصد احترام دہلی مدعُو کیا گیا تاکہ وہ آئندہ ظہور کرنے والی مملکت کے رہنماؤں کو اپنے گرانقدر خیالات و نظریات سے نوازیں لیکن مولانا کی شدید علالت نے اس کا موقع نہ دیا تاہم انھوں نے مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو اپنے ترجمان بناکر بھیج دیا۔ ان دونوں حضرات نے نہ صرف تحریکِ پاکستان میں گام گام پر قائدِاعظم کا ساتھ دیا بلکہ دستورِ پاکستان کی تدوین کے سلسلے میں بھی پیش پیش رہے۔ یہ دونوں عثمانی بزمِ اشرف کے روشن چراغ تھے جنہیں قائدِاعظم کی خصوصی قربت حاصل رہی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو کراچی میں اوّلین پرچم کشائی کی رسم دستِ شبیر سے ادا ہوئی اور ڈھاکا میں ظفر احمد عثمانی نے پاکستانی پرچم آزاد فضاؤں میں لہرایا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی ذاتِ گرامی ایک ایسا روشن منارہ تھی جہاں سے ہمہ وقت خوشگوار کرنیں پھوٹتی تھیں۔ ان کے شب و روز انضباط، احتیاط اور اتقاء سے معمور تھے "ــــ ہر کام اپنے وقت پر، ہر چیز اپنی مقررہ جگہ پر۔ کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے ــــ سب کے ضابطے، سب کے آداب، ہر گفتگو ایک مقصد لیے ہوئے۔ بے مقصد گفتگو جیسے جانتے ہی نہ تھے۔ زبان پر اتنا قابو کسی بزرگ کا نہ پایا گیا اَوراد و وظائف پر جو زور دوسرے آستانوں پر رہتا ہے، ان کا یہاں کام ہی نہ تھا۔ رسوم سے اجتناب، نمائشی تکلفات سے احتراز، بس اپنے کام سے کام۔ دوسروں کو زحمت سے بچانے کا کامل اہتمام، بندوں کی خدمت عبادت کے درجے میں ــــ بس یہی خصوصیات مجلسِ اشرفی میں دیکھنے میں آتیں"۔★

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو بجا طور پر اپنی ذات میں ایک انجمن کہا جاسکتا ہے۔ ان کی تعلیمات نے ایک طرف اسلام کے نام پر تراشے گئے بے چہرہ افکار پر خطِ تنسیخ پھیر دیا تو دوسری جانب شریعت و طریقت کے آئینے پر پڑے گرد و غبار کو صاف کیا۔ یوں

Marfat.com

اسلام کی اصل حقیقت آشکار ہوئی- اس اعتبار سے انھیں شاہ ولی اللہ ثانی کہا جاسکتا ہے۔
ان کی "خانقاہِ امدادیہ" "مدرسۂ رحیمیہ" کی طرح "ایسا شہرۂ آفاق' ہمہ گیرادارہ بن گئی جو ایک ہی وقت میں دینی علوم و فنون کی تحقیق کا ایک معیاری مرکز بھی تھا- یہاں سے دینِ متین کے اہم اور دقیق مسائل کی تنقیح و تحقیق کا زبردست کام ہوا- یہی خانقاہ ایک بے مثال درس گاہ بھی تھی جہاں علوم قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ تہذیبِ اخلاق کی عملی تعلیم بھی دی جاتی تھی ــــ یہ خانقاہ برِصغیر کا ایک مستند و معتبر دارالافتاء بھی تھی جہاں سے حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی ــــ اور یہی خانقاہ تعلیم و تربیت روحانی' تزکیہ نفس اور تہذیبِ اخلاقِ باطنی کی ایک ممتاز و منفرد تربیت گاہ بھی تھی جہاں بڑے بڑے جیّد علماء سے لے کر مسلمانوں کے ہر طبقے کے طالبینِ حق اور سالکینِ طریق تھوڑے عرصے میں حقیقتِ تصوف اور سلوک کا عرفان حاصل کرکے مشائخ بنے- وہ اس شمعِ ضیاپاش سے اپنی اپنی بساط کے موافق روشنی حاصل کرکے اور منصبِ رُشد و ہدایت پر فائز ہوکر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے- علم و فضل کے ان مجسّم خزانوں کی تعداد سو سے بھی زائد ہے- ان کی بدولت مولانا اشرف علی تھانوی کا فیضانِ روحانی اب تک جاری ہے"۔★

---

☆ بزمِ اشرف کے چراغ: پروفیسر احمد سعید

☆☆ علاّمہ اقبال اور قائدِاعظم کے سیاسی نظریات: محمد حنیف شاہد

Marfat.com

# شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

یوں تو برِصغیر ہندو پاک کے مرغزاروں، بیابانوں، دریاؤں اور پہاڑوں میں مختلف اقوام نے گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے دلچسپ منظرنامہ مرتّب کیا ہے مگر مسلمان اس خطۂ ارضی پر اپنے اثر و نفوذ، بقا و استحکام اور آزادی و سیادت کی خاطر چار عظیم جنگوں سے سرخرُو ہو کر نکلے ہیں ـــــ پہلی صبر آزما جنگ آٹھویں صدی کے آغاز میں لڑی گئی جب نوجوان جرنیل محمد بن قاسم نے سندھ کی بندرگاہ دیبل کو فتح کر کے باب الاسلام کھولا اور ملتان تک کا علاقہ اُموی حکومت کے زیرِ نگیں آگیا۔ تب اس دھرتی کی روح "غیر" کے شکنجے سے نکل کر "خیر" کی منزل میں داخل ہوئی اور اللہ والوں کے لیے صنم خانۂ ہند میں پیش قدمی کی ابتدا ہو گئی ـــــ دوسری فیصلہ کن جنگ گیارہویں صدی کے اوائل میں ہوئی جب محمود غزنوی نے سومنات کے مقام پر ہندو مت کی فصیل میں شگاف ڈال دیا اور اگلے چھ سو سال کے لیے مسلم حکومتوں کا سنگِ بنیاد نصب کیا ـــــ تیسری ہولناک جنگ کا الاؤ اٹھارویں صدی کے ساتویں عشرے میں دہکا جب احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدان میں مرہٹوں سے نبرد آزما ہوا اور اس نے مغل حکومت کے کھنڈر پر ہندو سامراج کی نیو ڈالنے کے ناپاک منصوبے کو خاک میں ملا دیا ـــــ بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں ان تینوں جنگوں کا تتمّہ لکھا گیا جب اسلامیانِ ہند نے ایک الگ وطن پاکستان حاصل کیا اور سیاسی میدان میں ہندوؤں کے رام راج کا خواب پریشان کر کے ان کے برطانوی مُربیوں کی ہر چال ناکام بنا دی۔

ہندوستان میں مسلم سالاروں کی علاقائی فتوحات کے ساتھ ساتھ صوفیائے کرام کی اصلاحی فتوحات سے جہانِ تازہ کی نمود ہوئی۔ انہوں نے اس ظلمت کدۂ کفر میں شمعِ توحید فروزاں کر کے غیر مسلموں میں اشاعتِ اسلام اور مسلمانوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کے

Marfat.com

کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ حضرت گنج بخش علی ہجویری" ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری" ، بابا فرید گنجِ شکر" اور خواجہ نظام الدین اولیاء" جیسے سینکڑوں بزرگانِ دین نے ایسا مستحکم نصابِ زیست پیش کیا کہ ہندو دھرم کی بنیادیں ہل گئیں۔ کیونکہ توہّمات، غیر عقلی افکار اور طبقاتی تقسیم پر مبنی یہ جامد اسلوبِ زندگی اسلام کے تصور توحید، نور ہدایت اور تکریم انسانیت کے زرّیں اصولوں کے حامل ضابطۂ حیات کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکا۔

اس "مخدوش" صورتِ حال میں ہندو مفکّرین نے اپنی تہذیب وثقافت کو زندہ رکھنے کے لیے بھگتی تحریک شروع کی جس کی اساس، اسلام اور ہندومت کے اصولوں کے اشتراک پر رکھ کر رام ورحیم اور قرآن وپران کے فرق کو مٹانے کی کوشش کی گئی۔ اس تحریک کے اہم پرچارکوں میں راما نند، بھگت کبیر اور گورونانک شامل تھے۔ ان کی تعلیمات سے ہندومت کو چند بیساکھیاں تو میسر آگئیں تاہم سیاسی اور معاشرتی حوالوں سے ہندو، مسلمانوں کے پاسنگ بھی نہ ہو سکے۔ بالآخر وہ مسلمانوں کی تہذیبی وسیاسی قوت کو اندر سے سبوتاژ کرنے (Infiltration) کے لیے سرگرمِ عمل ہوگئے۔ مغلِ اعظم جلال الدین اکبر کے عہد میں انہیں کچھ کامیابی نصیب ہوئی جب انہوں نے اس کے حرم تک رسائی حاصل کی اور اس کے نگار خانۂ افکار کو دھنک رنگ کر کے اسے دینِ الٰہی اور متّحدہ قومیت کی علامت بنا کر دنیا کے سامنے لاکھڑا کیا۔ اس آرٹ گیلری کی فضا بظاہر مسحور کُن لیکن درپردہ تباہ کن تھی۔ چنانچہ اس نام نہاد وسیع المشربی اور آزاد روی کی تحریک کے ردِّعمل میں ایسے مصلحین پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کی اصل روح اور اس کی منفرد قوت کو زندہ کیے رکھا۔ ان میں حضرت مجدّدِ الفِ ثانی" شاہ ولی اللہ" ، سید احمد بریلوی" شاہ اسماعیل شہید" اور حاجی شریعت اللہ" وغیرہم کی روحانی، سیاسی، علمی اور عسکری خدمات تاریخ کا ناقابلِ فراموش باب ہیں۔

شاہ ولی اللہ" تجدید واحیاءِ دین کی اس انقلابی تحریک کے بانی ہیں جس نے برّصغیر کے مسلمانوں کو اپنے عقائد کا قبلہ درست کرنے اور غیر اسلامی اقدار کے خلاف جہد آزما ہونے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے قرآن وسنّت کی اصل دعوتِ توحید کو پورے استدلال کے ساتھ مربوط ومرتّب شکل میں پیش کیا۔ علی گڑھ کالج اور دارالعلوم دیوبند اسی تحریک کے شیریں ثمرات ہیں۔ ان اداروں سے جدید وقدیم علوم کے سوتے پھوٹے اور ملّتِ اسلامیہ نے اپنے دفاع، بقا اور آزادی کا شعور حاصل کیا۔ دارالعلوم دیوبند سے جن بلند پایہ ہستیوں

Marfat.com

نے فیض پا کر قیامِ پاکستان کے لیے فکری و نظری طور پر جہاد کیا' ان میں مولانا اشرف علی تھانوی اپنی متنوع مذہبی و سیاسی خدمات کے باوصف ممتاز مقام پر فائز ہیں۔ وہ ایک ولیِ کامل اور صاحبِ طریقت و شریعت بزرگ تھے جن کی ذاتِ گرامی نصف صدی تک منبعِ رشد وہدایت بنی رہی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع انہی کے ایماء پر تحریکِ پاکستان سے وابستہ ہو کر عظمتِ رفتہ کی بحالی' جذبہ دینی کی بیداری اور برطانوی سامراج سے آزادی کے لیے سرگرمِ عمل ہوئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ان اکابر میں شامل ہیں جن کے بغیر تحریک و تاریخ پاکستان مکمل نہیں ہوتی۔ وہ اپنے وقت کے جیّد عالم' قرآن وحدیث کے شناور' فکرِ ولی اللّٰہی کے وارث اور علم الکلام میں یگانۂ روزگار شخصیت تھے۔ وہ اس قبیلۂ علماء کے نابغۂ عصر فرد تھے جنہوں نے برِصغیر کے سیاسی احوال کو تعمیری سانچے میں ڈھالنے کی مستحسن کوششیں کیں۔ اس غیر معمولی شخصیت نے جس خاندان میں جنم لیا' وہ جدید وقدیم علوم کی روشن اقدار کا وارث تھا۔ انہوں نے اپنے وقت کے مروّجہ علوم ــــ تفسیر' حدیث' فقہ' فلسفہ' منطق' علم الکلام اور ادب وغیرہ پر بہت جلد عبور حاصل کر لیا اور علمی حلقوں میں ایک روشن دماغ مذہبی مفکّر کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے متبحّر علماء کی صف میں امتیازی مقام پیدا کر لیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کیا اور متعدد تخلیقی کاوشوں کے علاوہ متکلّمانہ اسلوب میں صحیح مسلم کی شرح "فتح الملہم" لکھی جو اسلامی علوم کا گراں بہا سرمایہ ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن قرآن کے ترجمہ وحواشی کا مبارک کام سورۃ النساء تک مکمل کر پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا لیکن ان کے شاگردِ رشید شبیر احمد عثمانی نے نہ صرف اس باسعادت کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا بلکہ "اعجاز القرآن" کے نام سے ایک بلند پایہ تالیف بھی علمی دنیا کے حوالے کی۔

قدرت نے علامہ شبیر احمد عثمانی کو روشن ضمیری اور وجدانی بصیرت کے اوصاف سے نوازا تھا۔ وہ دو قومی نظریے کے شدّت سے حامی تھے اور برِصغیر پر مسلم حکمرانی کے دعوے دار۔ انہوں نے اس کھوئی ہوئی منزل کی بازیافت کے لیے جدوجہد کو جزوِ زندگی قرار دے لیا تھا کہ یہی ان کے اسلاف کا وتیرہ تھا۔ ان کے نزدیک اسلام ایک ایسی قوت ہے جو افراد کی تہذیب اور معاشرے کی تنظیم کر کے ایک طرف تو جمود وانتشار کا پردہ چاک کرتی ہے

Marfat.com

تو دوسری جانب ظالمانہ اقتدار و استحصال کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیتی ہے' لہٰذا وہ یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب تھے کہ ـــــ

"ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے' میرے نزدیک اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابلِ تنفّر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ دس کروڑ فرزندانِ اسلام کی مستقل قومیّت سے انکار کر دیا جائے۔"

کانگریس نے ہندو نوازی اور مسلم کُشی کا جو بے رحمانہ اور غیر عادلانہ طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا' اس نے آخر کار علّامہ شبیر احمد عثمانی کو ایک فیصلہ کن تاریخی کردار ادا کرنے پر اکسایا۔ وہ اپنی ملّت کو برطانوی چنگل اور ہندو کے مکرو فریب سے نجات دلانے کے لیے مضطرب تھے۔ ان کی ذات آیۂ قرآنی ـــــ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ـــــ کی دلکش تفسیر تھی۔ یعنی "تم ایک بہترین امّت ہو جسے دوسروں کے لیے جینا ہے ـــــ"

علّامہ اپنی امت کی بہتری کے لیے کارزارِ ہند میں اترے تاکہ اسے دیسی اور بدیسی قہرمانوں کے جَور و جفا سے نجات ملے اور امن و سکون سے زندگی بسر کرنے کے مواقع میسر ہوں۔ ان کا نظریۂ حیات یہ ٹھہرا تھا ـــــ

شمع کی طرح جئیں' بزم گہِ عالم میں
خود جلیں' دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

علّامہ شبّیر احمد عثمانی جمعیتہ العلماءِ ہند کی مجلسِ عاملہ کے مؤثّر ترین رکن رہے لیکن انہیں ہمیشہ جمعیت کی کانگریس نواز پالیسیوں سے اختلاف رہا۔ ذہنی طور پر وہ مسلم لیگ کے قریب تر تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں انہوں نے جمعیت سے استعفا دے دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ یہ ویسا ہی دُور رَس اثرات کا حامل فیصلہ تھا جو قائدِاعظم محمد علی جناحؒ نے ۱۹۲۰ء میں کانگرس سے علیحدگی کے وقت کیا تھا کہ قومی آزادی اور ملّی بہبود کی خاطر بہتر امکانات کی تلاش کی جا سکے' کیونکہ کانگرس کی ہم سفری میں بدیسی غاصبوں سے چھٹکارا تو مل سکتا تھا' حکمرانی کے دیسی دعویدار ہندو کے مستقل آزار سے تو پھر بھی نجات ممکن نہ تھی۔ اِدھر مسلم لیگ کی مشارکت میں دوگونہ نعمتیں مل رہی تھیں۔ مکمل آزادی ـــــ اور آزادی کا گہوارہ ایک ملک پاکستان! ـــــ ایک پھول منزل جس کی جستجو میں قافلۂ حریّت صدیوں سے رواں تھا ـــــ ایک چاند نگر جس کی آرزو میں خواب ستارے مدت سے چشم براہ تھے!

Marfat.com

علاّمہ شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ میں شمولیت کے موقع پر کہا ____

"میں ایک طویل مدت کے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کو حصولِ پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرنی چاہیے۔ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہو گئی تو پھر شاید عرصۂ دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع کہیں نہیں ملے گا!"

چنانچہ انہوں نے اپنے وجود کی مکمل توانائیاں' اپنے دماغ کی ساری صلاحیتیں اور روز وشب کی تمام ساعتیں حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں صرف کردیں۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان کو معرکۂ حق وباطل قرار دیتے ہوئے کہا:

"اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفّار و مشرکین سے ہے۔ مسلم لیگ میں شمار ہونے والے کلمہ گو مدّعیِ اسلام ہیں جو مسلمانوں کے قومی استقلال' سیاسی اقتدار' کلمہ اسلام کے اعلا اور ملت اسلامیہ کو مِن حَیثُ الْمَجْمُوْع مضبوط' طاقتور اور سربلند کرنے کے لیے آئینی جنگ کفّار اور مشرکین کے مقابلے پر کر رہے ہیں۔"

یہ رزمِ خیر و شر ہے سو الجھیں گے بار بار
دلدادگانِ صبح سے وابستگانِ شب

علاّمہ شبّیر احمد عثمانی کی ذاتِ گرامی کا پس منظر ناقابلِ شکست اعتقادات' روشن نظریات اور ملّی جذبات سے عبارت تھا۔ اس دَور پُرفِتَن میں جب دینی بصیرت اور دنیوی دانش دونوں میزانِ زر و سیم میں تُل رہی تھیں' علاّمہ کی حیثیت مسلم لیگ کے وجود میں ایک مُصَفّا روح کی مانند تھی جس سے مسلمانانِ ہند کا لیگ پر اعتماد راسخ ہوا' جس کی سیاسی پالیسیوں میں مذہبی عنصر کو تقویت ملی اور جس نے تشکیل و تعمیرِ پاکستان کے ہر مرحلے پر قائدانہ کردار ادا کیا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کے تقسیمِ ہند کے فارمولے کے تحت مسلم اکثریت کے علاقوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ پاکستان یا بھارت میں سے جس ملک کے ساتھ چاہیں' الحاق کرلیں۔ البتہ سرحد اور سلہٹ میں ریفرنڈم کے ذریعے فیصلہ ہونا قرار پایا۔ قائدِاعظم اس سلسلے میں بڑے متفکر تھے۔ انہوں نے سرحد کا محاذ علاّمہ شبیر احمد عثمانی کے سپرد کیا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو سلہٹ بھیجا۔ ان دونوں بزرگوں کی کاوشوں سے ان علاقوں میں مسلم لیگ سرفراز ہوئی تو وہ قائد کو مبارک باد دینے آئے۔ قائدِاعظم نے کہا ____

Marfat.com

"اس مبارک کے مستحق آپ ہیں- میں خواہ سیاستدان سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی ہے-"

اسی مذہبی روح نے علّامہ شبیر احمد عثمانی کو بندگانِ خدا اور خاصانِ سیاست کی صحیح سمت میں رہنمائی کے لیے بے قرار کیے رکھا- قیامِ پاکستان کے بعد ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرار دادِ مقاصد کی تائید میں ان کی معرکتہ الآرا پارلیمانی تقریر محض عنوان سے روشنی کا مینار نہ تھی بلکہ ایک آفاقی آواز تھی جس نے پاکستان کا نصب العین واضح کیا- اس کا ہر لفظ فصاحت وبلاغت کا شاہکار اور حکمت واسرار کا خزینہ ہے- علّامہ نے قائدِ ایوان خان لیاقت علی خان کو قرار دادِ مقاصد پیش کرنے پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا ـــــ

"یہ مبارک فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں، بلکہ پِسی ہوئی اور کچلی ہوئی روحِ انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص وآز اور رقیبانہ ہولناکیوں کے میدانِ کار زار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے- اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لیے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں مگر پھر علاج ودوا کی جستجو میں وہ اس لیے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے، اسی کو دوا اور اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے- اگر ہماری اس نئی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا بالکل بنیاد سے از سرِنو جائزہ لینا ہو گا- کسی درخت کی شاخوں اور پتّوں پر پانی چھڑکتے رہنا بے کار ہے اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں مَن مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے، مضبوط نہ ہو- آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سلجھ نہیں سکتے جب تک ان کی اصل الاصول درست نہ ہو جائے- اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے کسی نتیجے پر پہنچنا ہے تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہو گا جنہیں معاشی اور مادی مسابقت کی دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں ـــــ حق اکیلا رہ کر بھی حق رہتا ہے- اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا جب اس کے جھٹلانے والے زمانے کے دھکّے کھا کر اس کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے"!

Marfat.com

انہوں نے مملکتِ خداداد کے خدوخال اجاگر کرتے ہوئے کہا۔

"پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والحاد کی اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے - یہ دنیا کے لیے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لیے پُرامن پیغامِ حیات ونجات ہے اور اطمینان وخوشحالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لیے سہولت مہیا کرتا ہے ـــــ اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی' نسلی' قومی' حرفتی اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت کے اعلیٰ اصولوں پر ہو ـــــ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ' مساوات' حقوق' آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی خیال رکھتی ہے۔"

وقت کی آنکھ نے علاّمہ شبیر احمد عثمانی جیسا تقویٰ شعار' ذی علم' صاحب فراست اور پُرعزم انسان کم کم دیکھا ہو گا۔ انہوں نے اپنی بے بدل صلاحیتیں ایک اعلیٰ نصب العین ـــــ پاکستان کے لیے وقف کر دیں۔ انہیں دبستانِ قدیم کے علماء اور دانش کدۂ جدید کے فضلاء سے جُو کبھی لڑنا پڑی لیکن ان کے خوابوں کی صداقتوں نے جھوٹے افکار کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان کے جمالِ قلندری نے جلالِ بادشاہی کو پائے حقارت سے ٹھوکر ماردی۔ وہ قائدِاعظم کی سرکردگی میں قوم کی اجتماعی ہستی کو بحرانوں کے بھنور سے نکال لائے اور اسے اجالوں بھری راہوں پر گامزن کر دیا۔ وہ قائد کی جلوت وخلوت کے قابلِ اعتماد رفیق تھے اور ان کے کمرے میں بلا تکلّف آجا سکتے تھے۔ قائد نے انہیں اپنا جنازہ پڑھانے کی وصیت کی۔ مغربی پاکستان میں اوّلین پرچم کشائی کی رسم دستِ شبیر ہی سے ادا ہوئی۔ تب سے فضاؤں میں لہراتا ہوا سبز پرچم قطب تارے کی طرح اہلِ پاکستان کو مسلسل راست سمت میں اشارہ دے رہا ہے اور انشاء اللہ ابد تک سبز موسموں کی بشارت دیتا رہے گا!

Marfat.com

# مجاہدِ ملّت مولوی تمیزالدین خان

اسلام نے شخصی حکومت کی مخالفت اس لیے کی کہ انسان پر انسان کی خدائی کے نتائج ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں اور معاشرے کی بقا اسی میں ہے کہ عوام و خواص کی تمیز کیے بغیر جمہوری اصولوں کی فرمانروائی تسلیم کی جائے، جن کی اہم ترین قدر اظہار رائے کی آزادی ہے۔ اسلام نے زندگی کو اخلاقی ضابطوں کا پابند بنایا اور ایک ایسا یگانۂ روزگار معاشرہ قائم کیا جس میں اعلیٰ وادنیٰ کا تصور ختم ہوکر رہ گیا۔ تب چشمِ تاریخ نے یہ منظر دیکھا کہ خلیفۂ وقت حضرت عمرِ فاروقؓ سے عین خطبے کے دوران میں پوچھا گیا کہ آپ کے طویل القامت وجود کے لیے اتنا بڑا جُبّہ کہاں سے آگیا ہے؟ ___ بعد میں دنیا کی بہترین امت اس سنہری اصول سے بیگانہ ہوگئی تو اس کے نظمِ سیاست کا خوبصورت اسلوب، خلافت سے ملوکیت میں ڈھل گیا اور دنیا ایک صالح نظامِ حکومت سے محروم ہوگئی ___ اب آدم زاد نے اپنی انانیت کی تسکین کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے ایجاد کرلیے ہیں۔ جمہوریت کا دلفریب نعرہ گمراہ کن نظامِ فکر میں ڈھل چکا ہے۔ انسان دوستی کے نام پر آمریّت کے بدنما عفریت قوموں پر مسلّط ہو چکے ہیں۔ ایسا بھی ہو رہا ہے کہ اقتدار حاصل کرنے اور اسے مستحکم کرنے کے لیے قطعی غیر آئینی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ دراصل مطلق العنانیت ایک گھٹیا نفسیاتی مرض ہے جس کے شکار غلامانِ اقتدار اپنے مخصوص مفادات کے لیے ہر پرانے ادارے یا مروّجہ نظام کو یا تو بدل دیتے ہیں یا سرے سے ختم کر دیتے ہیں مگر انسانیت کی بدنصیبی اس وقت انتہا کو پہنچ جاتی ہے جب غیر آئینی اقدامات کے لیے قانونی جواز تراش لیے جاتے ہیں۔

پاکستان اسلامی جمہوریت کی اساس پر ظہور میں آیا۔ برِصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کے مختلف عناصر کے اتحاد میں یہی نظریہ کار فرما تھا۔ ورنہ ہندو اکثریت اور فرنگی شاطروں

Marfat.com

کے سیاسی شیرازے کو منتشر کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے بعد اس کے اندر ایسے عناصر پیدا ہوگئے جو اس نظریے سے متفق نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو زیرِ زمین سرگرمیوں سے مسندِ اقتدار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کے بارے میں انہی کے رازدار عبدالرّب نشتر نے کہا تھا ___

نیرنگئ سیاستِ دَوراں تو دیکھیے
منزل انھیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

ان لوگوں نے آزادی کے سارے شیریں ثمرات سمیٹنا شروع کر دیے۔ ان کی کم ظرفی کا عالم یہ تھا کہ وہ جس چھتنار درخت کے زیرِ سایہ پناہ گزیں تھے' اسی کی شاخیں کاٹنے لگے اور اس قطع و برید کو قانونی جواز فراہم کیا۔ تاہم قوم کے اجتماعی ضمیر نے ان حرکات کا بروقت نوٹس لیا اور کئی محبِّ وطن افراد ان طالع آزماؤں سے پنجہ آزمائی کے لیے میدانِ عمل میں اتر آئے۔ اس جدوجہد میں اگرچہ وہ زخم زخم ہوگئے مگر انہوں نے صداقت کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا۔ انہی حق پرستوں میں مولوی تمیزالدین خاں کا اسمِ گرامی بڑے احترام سے لیا جاتا ہے جو پاکستان کے پہلی دستور ساز اسمبلی کے صدر تھے۔

مولوی تمیزالدین خاں مارچ ۱۸۸۹ء میں مشرقی بنگال کے شہر خان خاناں پور ضلع فرید پور میں پیدا ہوئے۔ پریذیڈنسی کالج کلکتہ سے ایم اے کیا اور ۱۹۱۴ء میں قانون کی ڈگری لے کر فرید پور میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۱۵ء میں آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ وہ آل انڈیا کانگریس اور خلافت کمیٹی کے رکن بھی تھے۔ تحریکِ خلافت میں حصہ لینے کی پاداش میں ایک سال دو ماہ قید بھی کاٹی۔ وہ فرید پور ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین' بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر' بنگال کے وزیرِ صحت وزراعت اور وزیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۴۶ء میں اینگلو عربک کالج دہلی میں منعقدہ لیگ لیجسلیٹرز کنونشن میں سبجکٹ کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے شریک ہوئے جس میں اسمبلیوں کے مسلم ارکان نے قرار دادِ لاہور کے خاکے کو قرار دادِ پاکستان میں تبدیل کیا اور پاکستان کو ایک خود مختار "اسٹیٹ" کا نام دیا۔ انہوں نے بنگالی مسلمانوں کی اصلاح و فلاح و بہبود کا بیڑہ اٹھایا اور ہندوؤں کی متعصّبانہ کارروائیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بحیثیت وزیرِ صحت انہوں نے کلکتہ میڈیکل کالج میں ڈاکٹر توفیق احمد آئی سرجن کا تقرر کیا جو پہلے پنجابی مسلمان ڈاکٹر تھے۔ اس پر ہندوؤں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا لیکن مولوی صاحب نے بڑی فراست سے حریفوں کو شکست دے دی۔ وہ امن و سلامتی کے

Marfat.com

سفیر تھے۔ انہوں نے بقائے باہمی کے نام پر بننے والی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ سٹوڈنٹس انٹی فاشسٹ کانفرنس کا افتتاح کیا ـــــ انہی خدمات کا ثمرہ تھا کہ وہ ایک ہر دلعزیز پاکستانی شخصیت بن کر سامنے آئے اور قائدِاعظم کی وفات کے بعد دسمبر ۱۹۴۸ میں آئین ساز اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے۔ انہوں نے اپنی قوم کے سچّے ترجمان کی حیثیت سے دنیا کے مختلف ملکوں میں پارلیمنٹری وفود کی قیادت کی اور روم، اٹلی، کینڈا، برطانیہ اور ترکی میں پاکستان کی آواز بن کر گونجے۔

قائدِاعظم نے فروری ۱۹۴۸ میں آئینِ پاکستان کے خدوخال واضح کرتے ہوئے کہا تھا ـــــ "پاکستان کی اسکیم پیش کرنے میں ایک ہی بنیادی اصول میرے پیشِ نظر تھا یعنی اسلامی جمہوریت۔ آیئے، ہم اپنی جمہوریت کی اساس سچّے اسلامی تصورات اور اصولوں پر قائم کریں! ہمارے اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے امورِ حکومت باہمی مشوروں سے طے کیا کریں" ـــــ اس باہمی مشاورت کا مرکز قومی اسمبلی ہے جس کے لیے ابتدائی سات برسوں میں دستور کی تلاش ایک چیلنج بنا رہا کیونکہ پارلیمانی روایات کو مختلف عوامل کے باعث استحکام نصیب نہ ہوسکا۔ واقعہ یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد ایک سیاسی و معاشی مسابقت کا عمل شروع ہوا جس کے نتیجے میں ادنیٰ طبقات پر اعلیٰ اور اعلیٰ پر اعلیٰ تر بننے کی دُھن سوار ہوگئی۔ اس طرح جہاں معیشت کا توازن بگڑا، وہاں سیاسی منظرنامہ بھی بدزیب ہوا اور ملکی تعمیر و ترقی میں صرف ہونے والی توانائیاں مفادات کی بھینٹ چڑھنے لگیں۔ زندگی کی سہولیات اور کاروباری مراعات حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو بیورو کریسی سے سابقہ پڑا جو انگریزی اطوار اپنائے ہوئے تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اقتصادی و عمرانی ترقی کے ذمے دار طبقات بیورو کریسی کے محتاج ہوتے چلے گئے۔ یوں بیورو کریسی رفتہ رفتہ ایک مضبوط ادارے میں ڈھلنے لگی۔ اس کے پروردہ مُہرے نیم ڈکٹیٹر بننے لگے۔ تاآنکہ جمہوری اداروں پر اوّلین ضرب اس وقت لگی جب ایک بیورو کریٹ گورنر جنرل غلام محمد نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ کو بیک جنبشِ قلم اس دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا جس کے متفقہ صدر مولوی تمیزالدین خان تھے۔

دنیا کے نظام ہائے سیاست کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ تصویر سامنے آتی ہے کہ پارلیمنٹ سے مطلق العنان حکمرانوں کی نفرت ڈھکی چھپی نہیں کیونکہ عوام کا یہ مقتدر ادارہ ملک اور آمریت کے درمیان دیوار کی صورت کھڑا ہوتا ہے۔ یہاں محمود و ایاز ایک

Marfat.com

ہی صف میں نظر آتے ہیں اور غلط کار حکمران' عوام کے منتخب نمائندوں کی نگاہِ تنقید کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔ انائیت کی ماری قوتیں انہیں اپنے راستے کے کانٹے سمجھتی ہیں۔ اس لیے جونہی انہیں کوئی لنگڑا لُولا جواز میسر آجاتا ہے' وہ اپنے باطن کا سارا زہر باہر لاانڈیلتی ہیں۔ دستور ساز اسمبلی کی غیر جمہوری برخاستگی کے پس منظر میں ایسے ہی عوامل کار فرما تھے۔ گورنر جنرل نے ۱۶ اپریل ۱۹۵۳ کو وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے مسندِ اقتدار چھین کر محمد علی بوگرا کو وزیر اعظم نامزد کیا جن کے فارمولوں کی روشنی میں اسمبلی نے کئی آئینی مسائل حل کر لیے۔ مشرقی و مغربی پاکستان کی نمائندگی کا مسئلہ طے ہوا' بنگلہ اور اردو کو سرکاری زبانوں کا درجہ دیا گیا' لیکن جونہی دستور کا حتمی مُسَوَّدہ تیار ہو گیا اور اس کے نفاذ کے لیے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ کی تاریخ کا اعلان بھی کر دیا گیا تو اسے یہ کہہ کر برخاست کر دیا گیا کہ اسمبلی طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود مکمل دستور بنانے میں ناکام رہی ہے چنانچہ وہ مخصوص حالات میں اپنی نمائندہ حیثیت کھو چکی ہے۔ اصل صورتِ حال یہ تھی کہ اسمبلی نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ کی چند دفعات میں ترامیم کر کے گورنر جنرل کے ان لامحدود اختیارات میں کمی کر دی تھی جن سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے میں آزاد تھا۔

اسلام نے نوعِ بشر کو معاشرتی توازن اور استحکام کی بشارت ارزانی کی ہے۔ اس کا اعلان ہے ـــــ مَنْ رَاٰی مِنکُمْ مُنکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ۔ فَاِن لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ ـــــ برائی کو طاقت سے روکو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس کے خلاف زبان سے احتجاج کرو ـــــ مولوی تمیز الدین خان اپنے عہد کے مردِ مومن تھے۔ وہ جمہوری اداروں کے وقار کی جنگ لڑنے کے لیے معرکہ آرا ہو گئے۔ انہوں نے سرکاری مشینری کی دھمکیوں اور رکاوٹوں کے باوجود گورنر جنرل کے آمرانہ اقدام کو سندھ چیف کورٹ کراچی میں چیلنج کر دیا۔ عدالت نے مولوی تمیز الدین خاں کے مَوقِف کو درست قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ سنایا کہ گورنر جنرل کو آئینی طور پر اسمبلی برخاست کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔ اس فیصلے سے حکومت لرز کر رہ گئی۔ اس نے سندھ کورٹ کے فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس نے ۲۶ مارچ ۱۹۵۵ کو تکنیکی بنیادوں پر مجلسِ آئین ساز کو منسوخ کرنے کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے گورنر جنرل کو خبردار کیا کہ تمام اختیارات اپنی ذات میں مجتمع کرنے کی کوشش نہ کرے۔ سپریم کورٹ نے ایک نئی مجلسِ آئین ساز کی تشکیل پر بھی

Marfat.com

زور دیا کیونکہ آئین سازی میں کسی قسم کا کوئی خلا ملک و قوم کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا تھا۔

آمریت وقتی طور پر جیت چکی تھی لیکن مولوی تمیزالدین خاں کی اس قلندرانہ روش نے زندگی کی ایک نئی جہت کا تصور دیا کہ جبر و استحصال کی مکروہ قوتیں جب بھی سرگرمِ عمل ہوں، قانون اور اخلاق کی پاسبانی کے لیے ان کے مقابل آجانا چاہئے۔ اس جدوجہد میں اگر وہ ناکام ہو جائیں تو بھی وقت کی نظر میں فتحیاب ٹھہرتے ہیں۔ مولوی تمیزالدین خاں نے مکروفن کے آتش کدے میں سچائی کے پھول کھلا کر سنّتِ ابراہیمی ادا کردی اور ملک و ملت سے وفاشعاری کا حق ادا کر دیا۔ قوم نے بھی ان کی صدائے حق کو رائگاں نہ جانے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۶۲ میں جب نیا آئین بنا تو مولوی تمیزالدین خاں کو متفقہ طور پر قومی اسمبلی کا اسپیکر منتخب کیا گیا۔ وہ اسی عہدے پر فائز تھے کہ ۱۹ اگست ۱۹۶۳ کو انتقال کر گئے۔

مولوی تمیزالدین خاں نے اپنی سیاسی زندگی کی جو یادداشتیں قلم بند کیں، وہ ایک عہد کا بے لاگ منظر نامہ ہیں۔ "The Test of Time" کے نام سے شائع ہونے والی یہ سرگزشت تحریکِ آزادی، مسلم لیگ، تشکیل و تعمیر پاکستان اور قانون سازی میں ان کی بیش بہا خدمات کی گواہی دیتی ہے۔ یہ کتاب ان دلچسپ واقعات کا مرقّع بھی ہے جو پاکستانی سیاست کے نشیب و فراز کی مُستند تاریخ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس خود نوشت کے مطالعے سے مولوی تمیزالدین خان کے اس مثالی کردار کے خوبصورت خط وخال ابھر کر سامنے آتے ہیں جو شرافت، راستی اور خلوص سے عبارت تھا۔ مرحوم، قانون کے پاسبان، ملّی امنگوں کے ترجمان اور جمہوری قدروں کے داعی تھے۔ وہ ایک ایسے "ہیرو" ہیں جو ہر آئینی بحران میں بے ساختہ یاد آتے ہیں۔ ان کی پُرعزیمت زندگی پاکستانی قوم کے لیے ہمیشہ روشنی کی علامت بنی رہے گی!

Marfat.com

# اقبال کا مردِ مومن

دیوجانس کلبی ـــــ یونان کا ایک نیم دیوانہ صوفی فلسفی تھا۔ وہ ایک مرتبہ روزِ روشن میں چراغ اٹھائے گلی گلی گھوم رہا تھا۔ لوگوں نے سوال کیا ـــــ "حضرت! یہ کیا حرکت ہے۔ دن دہاڑے چراغ لے کر آپ کسے ڈھونڈتے پھرتے ہیں؟" اس نے جواب دیا ـــــ "انسان کی تلاش میں ہوں"!۔ حاضرین ہنس پڑے۔ کسی نے پوچھا ـــــ "صاحب، یہ چلتے پھرتے خاک کے پُتلے کیا آپ کو انسان دکھائی نہیں دیتے؟" اس نے برجستہ جواب دیا ـــــ "یہ تو اخلاق اور روحانیت سے محروم آدم نما مخلوق ہے اور بس! ـــــ یہ کہ کر اس نے سب کو حیران و پریشان چھوڑا اور آگے بڑھ گیا ـــــ یہ حکایت اتنی حقیقت کشا تھی کہ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اسے بعینہٖ نظم کر دیا ـــــ

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دیو و دَد ملُولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ ست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت مینشوَد جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

یہ اشعار عَلّامہ اقبال کی مثنوی "اسرارِ خودی" کے سرِورق پر نقش ہیں جو اس امر کی گواہی ہیں کہ اقبال بھی اسی "انسان" کی جستجو میں ہیں۔ یہ موضوع حق شناس اہلِ بصیرت کو نہایت مرغوب رہا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ عبدالکریم جیلی اور شیخ عزیزالدین نسفی نے تو "انسانِ کامل" کے عنوان سے باقاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں کاروانِ انسانیت کا یہی المیہ پیش کیا گیا ہے کہ فلسفہ و حکمت اور علوم و فنون کی ترقی کے باوجود نوعِ بشر کوئی ایسا عظیم الشان انسان پیدا نہیں کر پا رہی جسے "انسانِ کامل" یا "مردِ

Marfat.com

مومن" کا خطاب دیا جاسکے۔

تاریخِ انسانی میں پیغمبرِ آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسانِ کامل کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ آپ ؐ کی تخلیق، نوعِ بشر کے روحانی و معنوی ارتقا کا حاصل ہے۔ آپ ؐ مردِ مومن کا بے مثال ازلی و ابدی پیکر ہیں ___ اب اگر کسی شخصیت کو "مردِ مومن" کا اسم عطا ہوگا تو دراصل اس میں حضور ؐ کے اوصافِ حمیدہ کا پرَتو ہونا لازم ہے، یعنی وہ اسلام کی ظاہری و باطنی کیفیات سے متّصف ہو۔ اعلیٰ انسانی قدریں اس کی زندگی کا خاصّہ ہوں۔ وہ علم اور حلم کا خوشنما امتزاج ہو۔ وہ صبر و رضا کا مجسّمہ اور قناعت و شجاعت کا نمونہ ہو۔ اس کا وجود مخلوقِ خدا کے لیے رحمت اور انسان دشمن عناصر کے لیے برقِ جگر پاش ہو۔ علّامہ اقبال کو ان صفات کے جھلکیاں جہاں کہیں نظر آتی ہیں، وہ ان کی تعریف و توصیف میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ انھیں یہ اوصاف حضرت بلالِ حبشی ؓ میں دکھائی دیے۔ خالد بن ولید ؓ اور طارق بن زیاد ؒ کی شخصیات پر بھی انھی تجلّیات کا عکس پڑا۔ ابنِ سینا اور فارابی بھی انھی خوبیوں سے مالا مال ہوئے اور بندگانِ مولا صفات کہلائے ___

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

اقبال نے مردِ مومن کے لیے ایک تربیتی نصاب تجویز کیا ہے جس کا مرکز فلسفہ خودی ہے۔ یہ اپنی گہرائی کے اعتبار سے جذبہ وادراک کا ایک عارفانہ نظام ہے۔ انسان میں اپنی ذات وصفات کا احساس جب بلوغت کی منزل تک پہنچتا ہے تو اسے علمِ انسانیات کی زبان میں سیرت یا خودی کہتے ہیں۔ یہ ان ذہنی و روحانی ریاضتوں کا عطیّہ ہے جو انسان کو آہنی ارادے اور فولادی استقامت بخشتی ہیں۔ خود شناسی کی یہ منزل کائنات کو زیرِ نگیں کرنے کا نقطۂ آغاز ہے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ خود کو پہچانے، اسے اپنی شعوری صلاحیتوں اور جسمانی قوتوں کا احساس ہو اور وہ انھیں کام میں لاکر کائنات کو زیرِ نگیں کرلے ___ یہ عظیم الشان فلسفۂ خودی دراصل انسان کی انفرادی واجتماعی نشوونما اور عظمت مآبی کی

Marfat.com

خوشخبری ہے۔ اس انقلابی راستے پر روانہ ہونے کے لیے اسلامی تعلیمات کی پیروی کر کے اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو انسان اللہ کا نائب بننے کا اہل ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پھر مشیّتِ ایزدی اس کی رفیقِ کار ہو جاتی ہے اور وہ سربلند ہو جاتا ہے۔ اس ارتقائی مقام تک پہنچنے کے لیے دین کی رہنمائی درکار ہے جس میں چار عناصر بنیادی کردار ادا کرتے ہیں ــــــ

(الف) توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی پر ایمان جس سے انسان ہر خوف و خطر سے بے پروا ہو جاتا ہے۔

(ب) رسول اللہؐ سے گہری عقیدت اور ان کی جذباتی تقلید۔

(ج) قرآنِ مجید کا مطالعہ جو شعور کو روشنی اور وجود کو تقویت عطا کرتا ہے۔

(د) جرأت، امید اور عزم

اقبال کی ساری شاعری پر درحقیقت انھی عناصر کا پرتو ہے۔ اس میں وہ انقلابی پیغام پوشیدہ ہے جو کسی انسان کو دنیا میں اجالوں کا سفیر بناتا اور اسے مردِ مومن کا منصب تفویض کرتا ہے۔

اقبال نے مردِ مومن کے حوالے سے درویشِ خدامست، بندۂ صحرائی اور مردِ کہستانی جیسی اصطلاحات استعمال کی ہیں ــــــ

درویشِ خدامست، نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلّی، نہ بخارا نہ بدخشاں

ــــــ

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

فطرت کے مقاصد کی نگہبانی تو وہی شخص کر سکتا ہے جو حجرہ نشینی اور جمود کے طلسمات کو توڑ کر وسعتوں کا شیدائی ہو۔ مسلسل حرکت، جوشِ فراواں اور سعیِ پیہم اس کی رگ و پے میں چراغاں کرتے ہوں۔ وہ شاہین کی طرح بلند پرواز ہو۔ محدود مادی حاجات اس کے لیے بے معنیٰ ہوں۔ وہ جلال و جمال و کمال کا قابلِ رشک مجموعہ ہو ــــــ جب کسی آدم زاد کو یہ خداداد قوتیں نصیب ہو جائیں تو اس سے حیرت انگیز کارنامے سرزد

Marfat.com

ہونے لگتے ہیں۔ اس کا ارادہ اللہ کا ارادہ‘ اس کا قول‘ اللہ کا قول اور اس کا عمل اللہ کا عمل بن جاتا ہے۔ تب کیفیت یہ ہوتی ہے ـــــ

ہاتھ ہے اللہ کا‘ بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں‘ کار کشا و کار ساز

یہ مرحلہ کسی مردِ مومن کے لیے "مقامِ محمود" سے کم نہیں۔ ایک حدیثِ قدسی میں اس کی طرف واضح اشارے ملتے ہیں ـــــ "بندہ" مسلسل طاعات و عبادات سے تقرّب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ میرے اوصاف کا آئینہ بن جاتا ہے۔ میں ہی اس کی زبان بن جاتا ہوں کہ وہ میرے ذریعے بولتا ہے‘ میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں اور وہ میرے ذریعے سنتا ہے‘ میں ہی اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے سہارے سے وہ حملہ اور تصرّف کرتا ہے اور میں ہی اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جسے وسیلہ بنا کر وہ چلتا ہے۔"

اللہ اور بندے کے درمیان یہ ربطِ باہمی اور ہم رنگی بندگی کا نقطۂ عروج ہے مگر صدیوں سے عالمِ انسانیت‘ یہ منظر نامہ دیکھنے کو ترس رہا ہے ـــــ عصرِ موجود میں جبکہ انسان کو لحہ لحہ معرکۂ روح و بدن کا سامنا ہے‘ مردِ مومن کی جتنی ضرورت ہے‘ اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔

Marfat.com

# اِسلام

بندگی ! بندگی !

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ (اَلنَّحل : ۹۰)

اللہ تعالیٰ عدل' احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی' بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔

Marfat.com

# تخلیقِ انسان کا مقصد

ہمارے اردگرد کائنات کا جو وسیع و عریض سلسلہ پھیلا ہوا ہے' یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا منظر نامہ ہے۔ اس نے ہر مخلوق کے لیے ایک نظامِ فطرت مقرر کر رکھا ہے جس کے تحت وہ اپنے ذمے کا کام ٹھیک سرانجام دے رہی ہے۔ اس قانونِ فطرت کی کڑیاں اتنی مضبوط ہیں کہ کوئی چیز' کسی بھی لمحے' کسی بھی جگہ اور کسی بھی طرح نہ اپنے دائرۂ کار سے انحراف کر سکتی ہے' نہ اپنے فرائض سے انکار کر سکتی ہے۔ سورج کے طلوع وغروب ہونے کے اوقات مقرر ہیں۔ چاند اپنے مدار کے گرد گھومتا ہے۔ ستارے اپنے حدود میں گردش کرتے ہیں۔ زمین کا ایک مخصوص محور ہے۔ موسم' لگے بندھے نظام الاوقات کے تحت آتے جاتے ہیں۔ چشموں' ندیوں' دریاؤں اور سمندروں کے سفر کا نصاب بھی معیّن ہے ___ مخلوقات کا یہ سفر اللہ تعالیٰ کے اس آئین کے حوالے سے ہو رہا ہے جسے اسلام کی اصطلاح میں بندگی اور اطاعت کہا جاتا ہے۔

مخلوقات کے اس ہجوم میں انسان کو مرکزیت حاصل ہے۔ ربُّ العزت نے اس "احسنِ تقویم" کو بہترین شکل وصورت سے مزیّن کیا' اس میں اپنی صفات کا عکس ڈالا' اسے حیرت انگیز جسمانی' ذہنی اور روحانی صلاحیتوں سے نوازا اور اشیاءِ کائنات پر اسے فضیلت عطا کر کے مخلوقات کو اس کی فیض رسانی کا پابند کر دیا۔ چنانچہ حیوانات' جمادات' نباتات اور ساری مخلوقات اگر اپنے اپنے انداز سے قادرِ مطلق کی بندگی میں مشغول ہیں تو لازم آتا ہے کہ انسان کی تخلیق کا بھی کوئی نہ کوئی مثبت مقصد اور مفید مَصرف ہونا چاہیے۔ قرآنِ حکیم نے اس سلسلے میں اعلان کیا ___ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ___ ہم نے جنّوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

عبادت کا مفہوم محض یہ نہیں کہ حضورِ خداوندی میں نماز' روزہ وغیرہ کے عاجزانہ

Marfat.com

افعال انجام دے دیے جائیں اور بس' بلکہ عبادت تو ایک اللہ کو معبودِ حقیقی تسلیم کرنے اور اپنی ساری زندگی کو اس کے اشاروں پر چلانے کا نام ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک بندۂ خدا کہلانے کا مستحق ہی نہیں جب تک اس کی مادی وروحانی زندگی ایک مربُوط وحدت کے سانچے میں نہ ڈھل جائے۔ چنانچہ اسلامی نظریے کی رُو سے حیاتِ انسانی کا کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جو عبادت کے دائرے سے خارج ہو۔ آدمی کی پیدائش کے اوّلین لمحے سے لے کر موت کی آخری ساعت تک اس کے وجود کے اعضاء وحواس' طبعی انداز سے سرگرمِ عمل رہتے ہیں تاہم اس برتر مخلوق کو ارادے اور مرضی کی تھوڑی سی آزادی بھی دی گئی ہے۔ مگر کتنے تعجب کی بات ہے کہ اس نے محدود سے اختیارات میں بھی فسادات کا ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ طبعاً مکمل طور پر باشعور نہیں بلکہ ناقص علم کا مالک ہے۔ اسی کوتاہ نظری کے باعث وہ اکثر بے مقصد' ناجائز اور شرمناک حرکتوں پر اتر آتا ہے جو اس اشرف المخلوقات کو قطعاً زیب نہیں دیتیں۔ یوں اس کے مقصدِ تخلیق اور مقصودِ حیات' دونوں پر زد پڑتی ہے اور وہ اپنی فطرت کے مخصوص ومحدود ضابطوں کے مطابق زندگی گذارنے والے حیوانوں کی سطح سے بھی نیچے آن پڑتا ہے۔ انسان کی اسی باغیانہ روش کو موضوع بناتے ہوئے قرآنِ حکیم نے کہا ــــ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ ــــ قسم ہے زمانے کی' انسان واقعی خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ نیک اعمال کی تعلیم کون دے؟ ــــ یہ کون بتائے کہ انسان کو ایسا کونسا طرزِ عمل اپنانا چاہئے جو اس کے مقصدِ تخلیق سے متصادم نہ ہو؟ ــــ یہ فریضہ پیغمبر کی ذاتِ گرامی انجام دیتی ہے۔ وہ انسان کے ذہنی وروحانی مطالبات کا تسلّی بخش جواب دیتی ہے' ہر الجھن میں اس کا آسرا بنتی ہے اور کائنات کے خالق ومالک کی مرضیات سے اسے آگاہ کرتی ہے ــــ اللہ کے پیغمبر بتاتے ہیں کہ یہ کائنات ازخود ظہور میں نہیں آگئی بلکہ یہ ایک عظیم صنعت گر اور خلّاق کے ہنر کا شاہکار ہے ــــ پھر یہ کہ ہر چیز تغیّر وتبدل کے مراحل سے گذر رہی ہے مگر اس ذاتِ یکتا کو ثبات ودوام حاصل ہے۔ پیغمبر یہ بھی بتاتے ہیں کہ انسان ازخود پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ بھی ساری مخلوقات کی طرح پیدائشی رعیّت ہے۔ وہ اس بات کا مجاز نہیں کہ اپنے لیے زندگی گذارنے کا کوئی اسلوب خود

Marfat.com

بنا لے۔ وہ دنیا میں کسی بھی چیز کا مستقل مالک و مختار نہیں بلکہ یہ سب کچھ اسے امانتاً دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ امانتوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں سارے آدم زادوں کو اللہ کی رعیّت ہونے کے باعث معاشرتی زندگی گذارنے کے لیے ازخود اصول وضوابط بنانے کا کوئی اختیار حاصل نہیں بلکہ انہیں انفرادی واجتماعی زندگی انہی قوانین کے تحت بسر کرنا ہوگی جو احکم الحاکمین نے مقرّر کیے اور اپنے رسولوں کی معرفت بندوں تک پہنچائے ہیں۔

اسلام کوئی ایسا نظامِ فکر و عمل نہیں جسے پیغمبرِ آخر الزّمان حضرت محمد ﷺ نے ایجاد کیا بلکہ یہ تو وہی آفاقی پیغام ہے جو کرۂ ارض پر انسان کو اس کی تخلیق کے ساتھ ہی بخشا گیا اور جس کی دعوت حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء دیتے آئے۔ یہ الگ بات کہ ان انبیاء کے پیش کردہ اسلام میں ان کے پیروکاروں نے تخیّلاتی، علمی اور عملی عناصر کی آمیزش کر کے اس کی اصل شکل بگاڑ دی۔ آخرِ کار اسلام کو اس کی ساری توانائیوں سمیت اجاگر کرنے کے لیے سرورِ کائنات محمد ﷺ کا ظہورِ قدسی ہوا ___ اب نوعِ بشر کے لیے آخری، مکمل اور برحق دین وہی ہے جو صدیوں پہلے خطۂ عرب میں مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لیے سیّد الانبیاءؐ نے پیش فرمایا۔

اسلام فقط چند اعتقادات وافکار کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک دائمی تحریک ہے جو انسان کو مثبت تہذیبی اقدار سے رُوشناس کر کے اسے فعّال اور کرشمہ ساز شخصیت میں بدل دیتی ہے۔ یہ ایک ایسا طریقِ زندگی ہے جسے دینِ فطرت کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات اور احساسات کو فطرتِ سلیمہ کے خاص رنگ سے آشنا کرتا ہے۔ اس کے ذریعے اوصافِ حسنہ جنم لیتے ہیں جنہیں اختیار کرنے کے بعد انسان کو اللہ کا قابلِ اعتماد سہارا نصیب ہوتا ہے اور وہ ہر خوف وخطر اور اندیشہ وغم سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

انسان جب اپنی ذات کو قدرت کے واحد مستحکم ادارے کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کے تصورات، جذبات اور اعمال کا رخ خودبخود اللہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ تب اس کے وجود میں ایک ایسی آفاقی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے تمام حواس براہِ راست مشیّتِ ایزدی کی رہنمائی میں اپنا تعمیری کردار ادا کرنے لگتے ہیں اور اس کی رگ رگ سے الُوہی طاقتوں کے سوتے پھوٹ بہتے ہیں۔ ایسے بندگانِ خدا کے بارے میں قرآنِ حکیم بشارت

Marfat.com

دیتا ہے ___ یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیْھِم ___ اللہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھ دیتا ہے ___ بندہ و آقا کی اس ہم آہنگی کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں ___

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کشا و کارساز

عالمِ انسانیت کے اسی درجۂ کمال کو عبادت کا نام دے کر انسان کے مقصدِ تخلیق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس کا فرضِ منصبی بھی ہے اور اعزاز بھی کہ اس حوالے سے اسے اپنے پروردگار کی قربت اور خوشنودی نصیب ہوتی ہے۔

ادب و احترام' فیّاضی' کردار کی بلندی' اخلاق' اعلیٰ خیالات اور وہ سب کچھ جس کو خدائی صفات (Divine attributes) کہا جاسکتا ہے' وہ کبھی الحاد سے پیدا نہیں ہو سکتیں۔ الحاد دراصل خود بینی کی عجیب و غریب قسم ہے' جس میں آدمی خود کو خدا کے مقام پر بٹھا لیتا ہے۔ عقیدے اور یقین کے بغیر تہذیب تباہ ہو جائے گی۔ نظم' بے نظمی میں تبدیل ہو جائے گا' ضبط نفس اور اپنے آپ پر کنٹرول کا خاتمہ ہو جائے گا ___ اور برائی ہر طرف پھیل جائے گی۔ ضرورت ہے کہ ہم خدا پر اپنے یقین کو دوبارہ مضبوط کریں!

اے کریسی ماریسن ___ صدر نیویارک اکیڈمی آف سائنس

Marfat.com

# صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ــــ انعامِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے احسنِ تقویم' انسان کو جہاں کائنات کی اشیاء کا علم بخشا' وہاں موجودات کے اَسرار کی نقاب کشائی کی صلاحیت بھی عطا فرمائی۔ اس مقصد کی خاطر پیکرِ خاکی کے کسی گوشے میں ایک نادیدہ "قطب نما" آویزاں کر دیا جو اسے صحیح سمت میں اشارہ دیتا ہے۔ یوں' حدِ نظر سے بھی آگے پھیلے ہوئے جہانوں میں آدم زاد کی تگ و تاز کا آغاز ہوا مگر بدقسمتی سے اس نے اس "قطب نما" سے رہنمائی لینا چھوڑ دی جو نہ صرف س پر نِت نئے سفر کا دریچہ کھولتا تھا بلکہ تازہ تر منزلوں کی بشارت بھی دیتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی وسیع النظری کو محدود اور لایعنی مسائل نے محصور کر لیا۔ اس کے افکار پریشان ہو گئے' اس کے عمل کی راہیں دشوار ہو گئیں اور آفاق کا مسافر خشک و تر کے پیچ و خم میں الجھ کر رہ گیا۔

یونان کے حکماء جنہیں اپنی عقل و دانش پر بڑا ناز تھا' بصیرت کی بجائے بصارت اور باطن کی بجائے ظاہر پر انحصار کرنے لگے۔ انہوں نے عالمِ افلاک کے سارے کُرے گول دیکھے تو فیصلہ دے دیا کہ مقصودِ فطرت اور تقاضائے شعور بھی دائرے میں چلنا ہے' سیدھا آگے بڑھنا نہیں۔ اسی نظریے نے "تناسُخ" کے نام سے ہندومت میں ظہور کیا۔ یورپ کے نامور فلسفیوں ــــ نطشے' ہیگل اور مارکس کے نظریات کی اساس بھی یہی ہے کہ تصوّرات اور نظام ہائے حیات جب پروان چڑھتے ہیں تو ان کی ضد دوسرا تصور یا نظریہ پیدا ہوتا ہے جو پہلے تصورات اور نظاموں پر خطِ تنسیخ پھیر دیتا ہے۔ جیسے سرمایہ دارانہ نظام انتہا کو پہنچا تو اس کی کوکھ سے اشتراکیت نے جنم لیا۔ اب اس کا عروج اس کے لیے پیامِ مرگ ٹھہرے گا اور کسی تازہ نظام کا ظہور ہو گا۔

ان افکار کو شعور کی بے ثمر ریاضتوں کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے! ــــ بیسویں

Marfat.com

صدی کے نامور عالم ڈاکٹر الیکسس کارل نے اپنی کتاب "انجان انسان"۔۔۔۔۔ (Human the unknown)میں اس المیے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"ہمارے پاس سائنسدانوں' فلسفیوں' شاعروں اور صوفیوں کے افکار و تحقیقات کا گرانقدر سرمایہ موجود ہے تاہم ہم اپنی ذات وصفات کو محض جزوی طور پر سمجھ پائے ہیں' اور جتنا کچھ سمجھ پائے ہیں' وہ بھی اپنے ناقص ذرائع سے کام لے کر ۔۔۔۔ یوں لگتا ہے جیسے انسان کا وجود مختلف ہیولوں سے بنی ہوئی ایک ایسی سواری ہے جس میں کوئی نامعلوم حقیقت رواں دواں ہے"۔

بات یہ ہے کہ انسان اپنے متنوّع اوصاف کے باوجود مخلوق ہے اور وہ بھی ناقص الفہم۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے زندگی اور کون ومکاں کے متعلق جب بھی کوئی نظریہ تراشا' اسے ٹھوکروں پر ٹھوکریں ملی ہیں۔ چنانچہ اسے ہمیشہ اس راہنمائی کی حاجت ہے جو اسے ساری فکری و عملی مشقّتوں سے نجات دلا کر اس کا سفر آسان کردے۔ اس مقصد کے لیے عظیم المرتبت خالق ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ انہیں صحیح اور یقینی علم دیا تاکہ وہ انسانوں کو اس لاحاصل تحقیق و جستجو سے بچالیں جس کے نتیجے میں انہیں متضاد خیالات' ادھوری معلومات اور مبہم نظریات کے سوا اور کچھ نہیں مل سکتا۔

انبیاءِ کرامؑ نے جو ضابطۂ حیات فراہم کیا' اسے صراطِ مستقیم کہا جاتا ہے۔ صراطِ مستقیم وہ شاہراہ ہے جو اشرف المخلوقات' انسان کو کسی ایک مقام پر رکنے یا دائرے میں گھومتے رہنے کا اشارہ نہیں دیتی بلکہ علم و عمل کے صحیح' صاف' کشادہ اور ہموار خطّوں میں آگے بڑھنے پر مستعد رکھتی ہے۔ اولادِ آدم کے لیے پروردگارِ عالم کی اس سے بڑی نعمت اور کوئی ہو نہیں سکتی کہ اس نے ازخود صراطِ مستقیم عطا کرکے انسان کو اس ذہنی ورزش سے بچالیا جو قیاسی فلسفوں کی بھول بھلیّوں میں ٹامک ٹوئیے مارنے اور توہّمات کی تیرہ و تار پگڈنڈیوں پر بھٹکنے کا خمیازہ ٹھہرتی ہے۔ ان پر گامزن ہونے سے تھکن اور گمراہی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ جو مخلوق اپنے وجود کی صلاحیتوں اور طاقتوں ہی سے مکمّل طور پر آگاہ اور زمان ومکاں کی پہنائیوں سے واقف نہیں' وہ کوئی ایسا منضبط نظامِ حیات کیونکر تشکیل دے سکتی ہے جو اس کی ہمہ گیر فوز وفلاح کا باعث ہو۔

قرآنِ حکیم میں سولہ مقامات پر صراطِ مستقیم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کا اجمال یہ ہے کہ اللہ صراطِ مستقیم پر ہے ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا دامن تھامنا صراطِ مستقیم ہے ۔۔۔۔ حضورؐ کا

Marfat.com

اتباع صراطِ مستقیم ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کو رب ماننا اور اس کی عبادت کرنا صراطِ مستقیم ہے ـــــ قرآنِ مجید یا دینِ اسلام صراطِ مستقیم ہے ـــــ انبیاءؑ کی راہ صراطِ مستقیم ہے ـــــ اللہ کے نیک، برگزیدہ بندے صراطِ مستقیم پر تھے ـــــ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے، اطاعت کرنے اور عملِ صالح سے صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی ملتی ہے ـــــ جو شخص اللہ کی رضا جوئی کی جدوجہد کرے تو وہ اسے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا اور صراطِ مستقیم سجھاتا ہے ـــــ صحیح فیصلہ کرنا صراطِ مستقیم ہے ـــــ صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے انعامات کیے ـــــ قرآنِ مجید میں ان انعام یافتگان کی فہرست بھی دی گئی ہے:

مَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ـــــ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء ۶۹:۴)

جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہوا، یعنی انبیاء، صِدّیقین، شہداء اور صالحین ـــــ کیسے اچھے ہیں یہ ساتھی جو کسی کو نصیب ہو جائیں!

چنانچہ ہر بندۂ مومن اپنے معبود کے حضور بار بار اسی باسعادت رفاقت کی تمنا کرتا ہے ـــــ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ ۱: ۵، ۶) ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا! ـــــ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ربِّ کریم کے بے پایاں احسان سے کم نہیں۔ اس سے آدمی، قلب و نظر کے اس انتشار سے محفوظ ہو جاتا ہے جو موہُوم خیالات اور نفسانی خواہشات کے باعث رونما ہو کر مسلّمہ مُصفّا اخلاقی اقدار کو بے چہرہ کر دیتا ہے۔ ایسے میں یہ راہِ راست بندۂ خدا کے لیے روح و بدن کی ہم آہنگی اور باطنی آسودگی لے کر ظہور کرتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی زندگی جس روش پر چل رہی ہے، وہ یقینی طور پر اسے محفوظ طریقے سے اس منزل تک لے جائے گی جہاں اسے خالق و مالک کی خوشنودی ارزانی ہوگی۔

رضائے الٰہی کے حصول کا یہ راز قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے پا لیا تھا۔ وہ صراطِ مستقیم کو پروردگار کی نعمتِ عظمیٰ جانتے تھے۔ وہ اس پر چلنے کو توفیقِ ایزدی سمجھ کر اس پر کشاں کشاں رواں تھے۔ یوں ان کی تمام آرزوئیں، تمام حسرتیں، تمام راحتیں اور تمام

Marfat.com

کلفتیں اس وحدت میں ڈھل گئی تھیں جو حقیقتِ واحدہ' اللہ کی جانب یک سُو تھی۔ جس طرح روشنی کا قرب اشیاء کی آگہی بخشتا ہے' اسی طرح ان اہلِ ایمان کو وہ عرفانی قوّت نصیب تھی جس کے وسیلے سے وہ اسرارِ کائنات آشکار کر رہے تھے۔ صراطِ مستقیم کے ان عظیم الشان راہرووں کے شاندار کارنامے تاریخِ انسانی کا عنوانِ جَلی ہیں ــــ چنانچہ آج اور ہر زمانے میں' قافلۂ انسانی جب بھی صراطِ مستقیم کا پُروقار سفر اختیار کرلے تو اس پر کامرانیوں کے در کھلتے چلے جائیں گے اور زندگی کے سارے شیریں ثمرات اس کی میراث ٹھہریں گے!

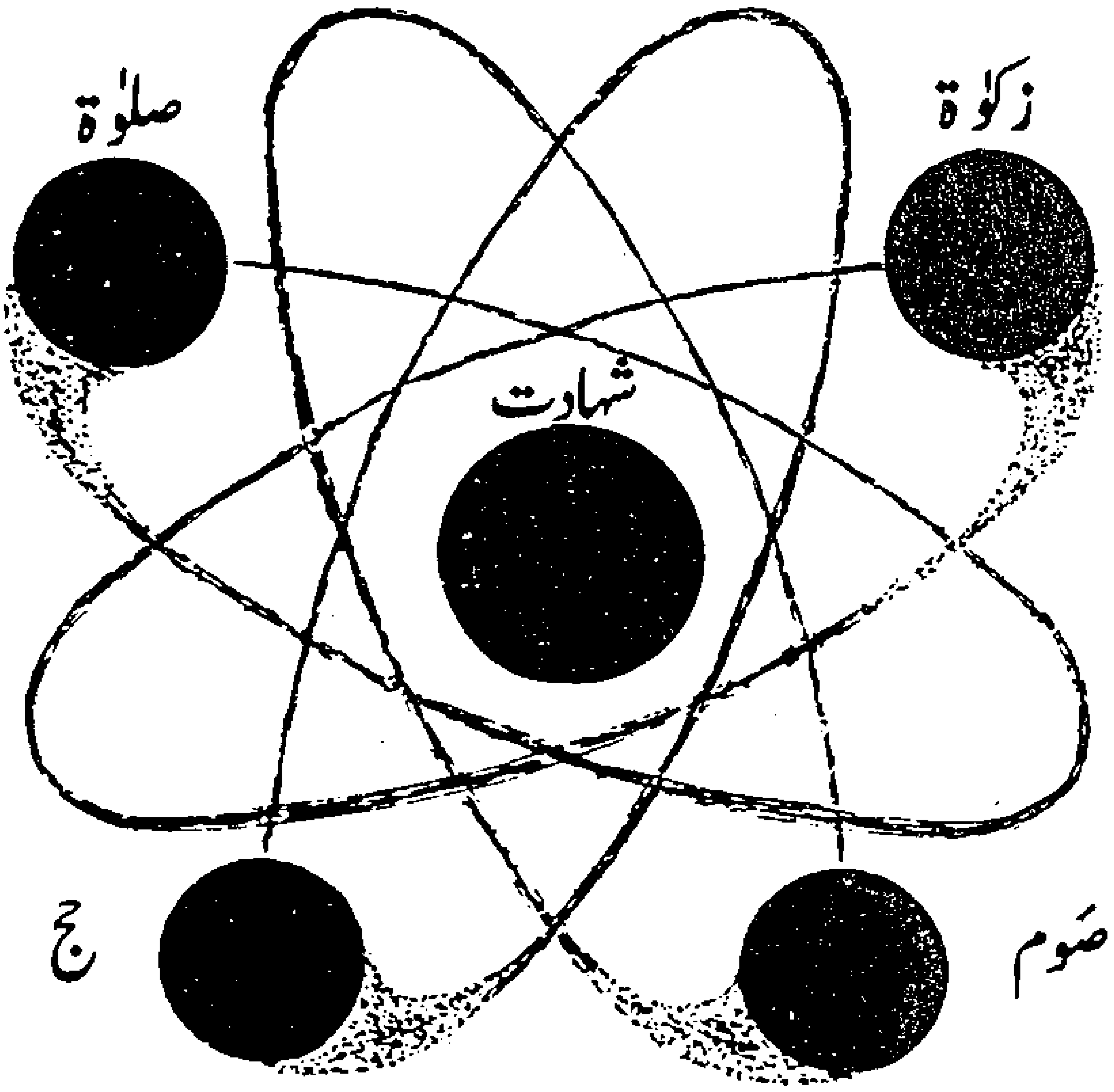


Marfat.com

# ایمان کی اوّلین اساس ___ توحید

فکرِ انسانی کے امکانات اس قدر محدود ہیں کہ ماہ و انجم کو اسیر کرنے کے خواب دیکھنے والا بسا اوقات بالکل تہی دامن ٹھہرتا ہے اور یہ منظر نامہ ظہور میں آتا ہے ___

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

کتنے تعجب کی بات ہے کہ قرنوں کا سفر طے کرنے والا انسان ابھی تک ارضی عجائبات تک رسائی حاصل نہیں کر پایا۔ نسلِ انسانی ___ ہر لحظہ نیا طور' نئی برق تجلّی' کی شائق رہی تاہم اس کی تگ و تاز کا محور یا تو اس خاکدان کی محدود وسعتیں رہیں یا فضاؤں کے نارسا سلسلے' جہاں زندگی' روشنی اور تیرگی کے طلسمات سے عبارت ہے۔ کہیں قطرۂ آب' سیپ کی اندھیری کوٹھڑی میں موتی کی صورت میں ڈھل جاتا ہے تو کہیں مٹی کی تاریک گود میں بیج کو' شعاعوں کی گرمی اور چاندنی کی ٹھنڈک بالیدگی عطا کرتی ہے ___ سوچنا تو یہ ہے کہ روشنی و تیرگی کے ان کرشموں کے پیچھے کس عظیم ہنرور کی خلّاقی کار فرما ہے! حیرت ہے کہ زمین یا فضا میں کوئی باکمال تخلیق دیکھ کر لوگ اس پر فریفتہ ہو جاتے اور سر خم کر دینے پر تل جاتے ہیں حالانکہ تمام عظمتوں کا سرچشمہ تو ذاتِ باری تعالیٰ ہے ___ تو کیا مخلوق کو خالق کے ہم مرتبہ بنانے والے ذرا بھی شعور نہیں رکھتے؟

دُور کیوں جایئے؟ ___ اپنی ذات کے مختصر سے عالم میں جھانکیے! ___ ایک جہانِ معنی ہے۔ ایک قطرہ تومند وجود کی شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں' کان' قلب و جگر اور معدے کے افعال ___ حواس کی حیرت انگیز دنیا' تو کیا اعضاءِ انسانی کی کسی بھی کرشمہ سازی کی پرستش کی جانی چاہئے؟ حالانکہ' کھلی آنکھوں سے اس عالمِ صغیر کی تعجب خیز مشینری کو موت کے ہاتھوں از کار رفتہ ہوتے سب نے دیکھا ہے۔

Marfat.com

تو بس! ــــ انسان لائقِ پرستش ہے نہ کوئی اور ہستی! ــــ اللہ تعالیٰ کی اکیلی ذات تمام کمالات سے مُتّصف ہے۔ وہ لازوال ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو جسمانی و مادی نشوونما اور ارتقا کے لیے اناج، پانی اور دوسری نعمتیں بخشتا ہے تو روحانی تربیت کی خاطر رشد و ہدایت کے اسباب بھی مہیا کرتا ہے۔ جس شخص میں ذرا سی عقل موجود ہو، وہ سمجھ سکتا ہے کہ انسان کو اَن گنت اوصاف سے مالا مال کرنے والی ہستی فقط ایک اللہ ہے! ــــ یہ عقیدہ دینِ اسلام کی اصطلاح میں "توحید" کہلاتا ہے۔

توحید کے لغوی معنی ہیں ــــ "ایک ماننا"۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات اور افعال میں بے مثل و یکتا تسلیم کرنے کا نام توحید ہے۔ اس عقیدے کو ایمانیات ــــ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج میں اولیت حاصل ہے۔ اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ کلمۂ توحید ــــ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا مطلب بھی اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرنا ہے یعنی "معبود تو فقط اللہ ہی ہے!" یہ بندے کی طرف سے بندگی کا اعلان ہے کہ کائنات کا خالق و مالک اور رازق ایک اکیلا اللہ ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ شکل و صورت سے مُبرّا ہے مگر ہر جگہ، ہر ساعت اس کی قدرت نمایاں ہے۔ وہ سب کچھ دیکھنے سننے کی قوت رکھتا ہے حتیٰ کہ سینوں میں کھٹکنے والے راز تک پالیتا اور کیفیات کو پرکھ لیتا ہے۔ اس کے علم کا احاطہ ناممکن ہے۔ رہنمائی کے لیے قانون، نظام اور اقدار و معیارات کے پیمانے بھی اسی کے مستند ہیں لہٰذا تمام مظاہرِ عبادات بھی اسی کے لیے خاص ہوں گے! قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ وحدانیت کو ۱۲۸ متنوّع پہلوؤں سے اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کی تلخیص سورۃ الاخلاص میں نظر آتی ہے ــــ

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد۔ اَللّٰہُ الصَّمَد۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَد۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَد

کہو، وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں!

توحید کا یہ عقیدہ حضرت آدمؑ کی بعثت کے روزِ اول سے اسلام کا بنیادی رکن رہا ہے جسے پیش کرنے کے لیے انبیاءِ کرام وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انبیاءؑ کے اوّلین پیروکار تو براہِ راست فیضانِ نبوت سے تربیت پاکر اسلام کے لیے مخلص رہے لیکن جوں جوں وقت گزرا، برحق نظریات پر جاہلی تصوّرات کی دھند کا غلاف چڑھتا گیا۔ اللہ ربّ العزت جسے انسان کی ہدایت منظور تھی، بار بار اپنے برگزیدہ

Marfat.com

رسولوں کو بھیجتا رہا تاکہ توحید اور تمام سچی تعلیمات کو جہالت کے آدمی ساختہ پردوں سے باہر نکالیں اور ان کا اصل چہرہ واضح کریں۔ ان کا منصب حقیقی یہ تھا کہ گمراہی کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیے مارنے والی مخلوق خدا کو نہ صرف اللہ واحد کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا سکھائیں بلکہ ان کی زندگی کی ایک ایک ادا کو اسی کے تابع کردیں کیونکہ مخلوق کی عبُودیت (بندگی) کا تقاضا یہ ہے کہ وہ الوُہیت (خدائی) کی عظمت کو مان کر اس کی عبادت کرے۔ جس کا مطلب دل و دماغ اور روح و بدن کی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کو اللہ ربّ العزت کے حوالے کر دیتا ہے۔

آدم زاد کو جب تک اپنی عبودیت کا احساس رہا' توحید کی خوشبو اس کی سوچوں اس کی دھڑکنوں اور اس کے سانسوں میں جاری و ساری رہی۔ اس کا ثبوت وہ سارے مذاہب ہیں جن میں' اسلام کے اثرات کے تحت' یہ نظریہ کسی نہ کسی حد تک جلوہ فرما دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً:

(الف) ہندو مذہب میں "براہما" کی حیثیت عظیم ترین وجودِ واحد کی ہے جس میں ساری صفات خیر جمع ہیں۔ وہ ذرّے سے لے کر بلند و بالا پہاڑ تک' دانے سے لے کر تناور درخت تک اور جرثوے سے لے کر اشرف المخلوقات انسان تک تمام مظاہر میں "حلُول" کیے ہوئے ہے' حالانکہ تمام اشیاء اپنی فطرت کے اعتبار سے ناقص ہیں۔ اس پر مستزاد انسان جس میں نقص کے ساتھ ساتھ "شر" کا وصف بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر مذہبی ہندو اپنے "شریر" کو فنا کر کے اس وجودِ واحد کو نقص و شر سے نجات (نروان) دلاتا ہے۔

(ب) فراعنۂ مصر کا مذہب "اخناتون" ' "اتوُن" دیوتا سے منسوب تھا جس میں وحدانیت اور خلاّقی کی صفات موجود تھیں۔

مگر افسوس ان مذاہب کو لایعنی تاویلوں اور بے بنیاد مفروضوں نے کہیں کا نہ رکھا۔ رہی سہی کسر توہمّات نے پوری کردی جنھوں نے سطحیت پسند انسان کو مظاہر پرست بنا دیا۔ رفتہ رفتہ توحید کی توانا کرن جوان مذاہب میں دوڑ رہی تھی' کہیں غائب ہوگئی اور انسان ذہنی پریشانی اور روحانی رائگانی کے سفر پر چل نکلا۔ علاّمہ اقبال نے اسی المیے کو موضوع بناتے ہوئے کہا تھا ___

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!

Marfat.com

توحید ایک ایسی قوتِ نافذہ ہے جو انسان کو بت شکنی کا جوہر ارزانی کرتی ہے۔ یہ جب کسی بندۂ خدا کے رگ و پے میں امنڈ آتی ہے تو اسے بے بہا فوائد نصیب ہوتے ہیں:

○ اسے کشفِ ذات اور اسرارِ کائنات کی نقاب کشائی کی صلاحیت میسّر آتی ہے کیونکہ علیم و خبیر اللہ سے تعلّقِ خاطر رنگ لاتا ہے اور آقا اپنے بندے پر نت نئے حقائق کے دریچے کھولتا ہے۔

○ توحید شناس کو فکری و عملی انتشار سے نجات مل جاتی ہے کیونکہ اللہ ایک "وحدت" ہے لہٰذا اس سے رابطے کے نتیجے میں بندے کے خوابوں' خیالوں کی شیرازہ بندی اور اس کی ذات و صفات میں یکجائی کی نمود ہوتی ہے۔

○ توحید کے سائبان تلے پناہ لینے والا ہر خوف و خطر سے بے پروا ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جیسی زبردست ہستی کی امان میں بھلا کس چیز کا خوف ہو سکتا ہے؟

○ عقیدۂ توحید سے پاکیزگیٔ نفس پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ مُوحّد کو پختہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ سوچوں' آرزوؤں' نیتوں اور خلوت و جلوت کے اعمال سے باخبر ہے۔

○ عقیدۂ توحید انسان کو طمانیتِ قلب جیسی نادر چیز عطا کرتا ہے کیونکہ ربِّ کریم جس کا ذکر ہی آرامِ جاں ہے' اپنے بندے پر ہمہ وقت مہربان ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اسے سرمدی تسکین میسر آتی ہے۔

یہ ہیں وہ شیریں ثمرات جو توحید کی کرشمہ ساز آفاقی قوّت سے ظہور میں آتے ہیں۔ جس معزّز و محترم شخص کو یہ نصیب ہو جائیں' اس کے متعلّق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ___ مجھے اپنی غیرت و جلالت کی قسم! اگر یہ بندہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اسے جواب دیتا ہوں۔ یہ اگر مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں۔ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھوں میں جلوہ آرا ہو جاتا ہوں' جن سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کے ہاتھوں کا روپ دھار لیتا ہوں' جن سے وہ کام لیتا ہے۔ میں اس کے پاؤں میں اتر آتا ہوں' جن سے وہ چلتا پھرتا ہے۔ بندہ و آقا کا یہ معنوی ربط حیرت انگیز

Marfat.com

کارناموں کا نقطہ آغاز ٹھہرتا ہے اور پیرِ رومیؒ کے بقول ـــــ

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بُود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بُود

بندۂ مُوحّد کے اسی رتبۂ عالی کو شعری پیرایہ دیتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں ـــــ

ہاتھ ہے اللہ کا' بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کشا و کار ساز!

اسلام کے عقیدۂ توحید نے عیسائی دنیا کے مذہبی عقائد کو زیر وزیر کر دیا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں سپتمانیہ (Septmania) میں ایک ایسی تحریک سامنے آئی جو پادریوں کے سامنے اعترافِ گناہ کی قائل نہ تھی۔ ان کے نزدیک معافی کے لیے صرف خدا کے سامنے التجا کرنی چاہیے۔ اسی طرح اِکو نکلا (Iconocla) تحریک' مذہبی تصویروں اور مجسموں کے خلاف تھی۔ رومی حاکم لیو ثالث نے ۷۲۶ء میں ایک فرمان کے ذریعے مجسموں اور تصویروں کی تعظیم کو حرام قرار دیا اور ۷۳۰ء میں اسے بت پرستی کے مماثل جرم ٹھہرایا۔ قسطنطین خامس اور لیو رابع بھی اس کے مخالف تھے' کلوڈیس (Clodius) ۸۲۸ء میں تورین کا اسقف بنا تو اس نے تصویروں اور صلیبوں کی عبادت سے روکا۔ ایک عیسائی فرقہ الوہیتِ مسیح کا منکر اور اپنے عقائد کی تفسیر توحید کے انداز میں کرتا ہے۔

مصری عالم' احمد امین : فجر الاسلام

Marfat.com

# بندگی کی معراج ـــــ نماز

اسلام نے اولادِ آدم کے جس گروہ کو اپنی ملّتِ مطلوب کہا ہے' وہ چند خصوصیات کے اعتبار سے اقوامِ عالم میں یگانہ و ممتاز ہوتی ہے۔ اس کے اعمال اس مخصوص مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں جو حقیقی نظامِ زندگی کی طرف پیش رفت کرنے پر ابھارتا ہے۔ وہ دنیا و آخرت کو اکائی قرار دیتے ہوئے ہر عمل کو عبادت یعنی اللہ کی بندگی سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ دونوں مل کر ایک ایسا نظامِ وحدت تشکیل دیتے ہیں جسے الٰہیات کے سرچشمۂ نور سے فیضان حاصل ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت ایک کیمیائی عمل ہے جس سے وجودِ انسانی کی ظاہری و باطنی قوتیں یک رنگ ہو جاتی ہیں۔ توحیدِ الٰہی کی کرشمہ سازیاں وحدتِ انسانی کا روپ دھار لیتی ہیں۔ انتشار دم توڑ دیتا ہے اور زندگی کی متضاد سمتیں خوابِ رائگاں بن کر رہ جاتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس عظیم مقصد تک رسائی کیونکر حاصل ہو؟ ـــــ اسلام نے اس کے لیے عبادات کا نصاب مقرر کیا ہے۔ یہ ایسا شجرِ طیّب ہے جس کے تمام پھل میٹھے ہیں۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج اور عبادات کے دوسرے مظاہر محض ظاہری مراسم نہیں جن کی ادائیگی ہی حرفِ آخر ہو بلکہ ان کی قدر و قیمت تب ہے جب ان کی بجا آوری سے حیاتِ انسانی کا ایک ایک لمحہ عبادت بن جائے۔ یعنی تمام اعمال کا مرکز ذاتِ باری تعالیٰ ہو اور زندگی نفسانی آرزوؤں یا سماجی تقاضوں کے تحت نہیں بلکہ اللہ سے مسلسل رابطے کی روشنی میں بسر ہونے لگے۔ عبادات میں اہم ترین دستور العمل نماز ہے جسے قرآن کی اصطلاح میں صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ اس کا مفہوم ہے ـــــ دعاءِ شوق' نیک تمنا اور کسی چیز کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا۔ یہ وہ فرض عبادت ہے جو پیغمبرِ اسلام محمد ﷺ نے مخصوص ہیئت کے ساتھ خود ادا فرمائی اور اپنی امّت کو سکھائی۔ صلوٰۃ ـــــ قیام' تکبیر' ثنا' قرأت'

Marfat.com

رکوع، سجدہ، تشہدؔ، تسبیح اور دعا وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس عمل کے دوران میں بندہ اپنی ذات کو بارگاہِ الٰہی میں محسوس کرتا ہے۔ اس حضوری کے وسیلے سے ایسا روحانی تعلق پیدا ہوتا ہے جس کے صلے میں اسے تجلیاتِ الٰہی اور برکاتِ زمانی نصیب ہوتی ہیں۔

ہر پیغمبر نے اپنی امّت کو کسی نہ کسی انداز سے صلوٰۃ کا حکم دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی عمل کے ذریعے عبودیت کا ثبوت فراہم کیا جاتا ہے۔ مومن حضورِ الٰہی میں جھکتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کا حقیقی ارتباط قائم ہوتا ہے۔ وہ ان اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہوتا ہے جن کے حوالے سے اس کی شخصیت ایک مثالی سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ اسی لیے نبیؐ نے نماز کو معراج المومنین فرمایا۔ نماز کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ آدمی ایمان لانے کے فوراً بعد عملی اطاعت پر کمربستہ ہو جائے۔ دوسری عبادات ـــــ زکوٰۃ، روزہ اور حج کا ایک مخصوص موسم ہے۔ ان کی ادائیگی میں قانونی طور پر چھوٹ اور اختیار موجود ہے لیکن نماز کسی نہ کسی وقت سے متعلق ہونے کے باعث کھرے کھوٹے کو پرکھنے کی ہمہ وقتی کسوٹی ہے۔ ایمان لانے کے بعد بمشکل چند ساعتیں گذرتی ہیں کہ مؤذن کی آواز ایمان کی جانچ پڑتال کرانے کے لیے نماز کی طرف بلاتی ہے۔ تب فیصلہ ہو جاتا ہے کہ حق کا دعویٰ کرنے والا کتنے پانی میں ہے!

فریضۂ نماز ایک باضابطہ اور مربُوط نظام الاوقات کے تحت ادا کیا جاتا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں پانچ فرض نمازوں کے لیے اوقات مخصوص ہیں جن کی پابندی لازم ہے۔ قرآنِ مجید نے اس کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے کہا ـــــ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً (النساء۴:۱۰۳) نماز مومنوں پر مقرّرہ اوقات میں فرض کی گئی ہے ـــــ یہ پاکیزہ عمل بشری تقاضوں اور طبعی میلانات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

نمازوں کے مقررہ اوقات کاروبارِ حیات میں رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ معاشرتی و اقتصادی عمل کو مفید تر بنانے کے ساتھ ساتھ راحت و آرام کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہ عبادت زادِ راہ کے لیے وقتاً فوقتاً رکنے کا نام ہے تاکہ دل کو روحانی غذا میسر آتی رہے جس سے تقویت حاصل کر کے انسان کا سفر خوش اسلوبی سے جاری رہے۔

صبحِ صادق کے وقت، رات اپنے تمام تر سکون کے ساتھ رخصت ہو رہی ہوتی ہے اور حسنِ فطرت کی رعنائیاں جوبن پر ہوتی ہیں۔ ایسے میں اہلِ دل، خالقِ کائنات کے گُن گانے پر بے ساختہ آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اذان کی روح پَرور صدائیں اور حمد و ثنا کی سرُور

Marfat.com

آمیز آوازیں انہیں بارگاہِ ایزدی کی سمت بلاتی ہیں۔ وہ دن رات کے اس سنگم پر نمازِ فجر ادا کرتے ہیں اور لذتِ خواب چھوڑ کر نئے دن کی آمد پر ہدیۂ تشکر بجالاتے ہیں۔ یہ وقت بہت مختصر ہوتا ہے اور ایک ایک لمحہ قیمتی' کیونکہ طلوعِ آفتاب کے بعد نمازِ فجر کی اصل ادائیگی کا جواز باقی نہیں رہتا۔ صبح کے بعد دوپہر تک کوئی نماز نہیں۔ یہ وقفہ انسانی احتیاجات کے بالکل موافق ہے۔ لوگ اس دوران میں کام کاج اور محنت ومشقت میں مصروف ہوتے ہیں۔ نمازِ ظہر ایسا مرحلہ ہے جس میں طبیعت' معمول کی مصروفیات سے کٹ کر' دربارِ خداوندی میں ذکر وفکر سے طمانیت سمیٹتی ہے۔ دوپہر کے کھانے اور قیلولے سے وجود کسل مندی محسوس کرنے لگتا ہے' لہٰذا نمازِ عصر سہ پہر کے وقت مقرّر کی گئی تاکہ خوراک اور غنودگی کے اثرات زائل کیے جاسکیں۔ ظاہر ہے یہ مسرّت بخش کیفیات کی قربانی ہے جو نمازِ عصر کی پابندی ہی سے ممکن ہے۔ دن اور رات کے لمحۂ اتصال پر مومن پھر اپنے پروردگار کے رُوبرُو ہوتا ہے اور اس کی عطا کردہ رات کا استقبال کرنے کے لیے نمازِ مغرب ادا کرتا ہے۔ آخر میں جب نرم وگداز بستر اسے مکروہاتِ دنیا سے چھٹکارا دلانے کے لیے اپنا آغوش کھولتا ہے تو بندۂ خدا اپنے رب کو نہیں بھولتا بلکہ مصلّے پر نمازِ عشا میں محو ہو جاتا ہے۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اسلام کی اس روح تک رسائی حاصل کرلی تھی کہ انسان کائنات میں ایک مؤثّر اور فعّال قوت ہے۔ چنانچہ دینِ برحق نے بہت کم عرصے میں ان پر انفرادی واجتماعی ترقی کے راز فاش کر دیے۔ اس سلسلے میں نماز کی معجز نمائی مسلّم ہے۔ قرآن نے اعلان کیا ___ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (مومنون ۲۳:۱'۲) نماز میں عاجزی کرنے والے مومن یقیناً کامیاب ہو گئے۔ اس فلاح کا تعلق دنیا وآخرت دونوں سے ہے ___ دنیا کے حوالے سے فلاح کا مطلب یہ ہے کہ قابلِ قدر اشیاء اور قائدانہ مقام کا حصول ہو۔ آخرت میں کامیابی سے مراد یہ ہے کہ قربتِ الٰہی نصیب ہو ___ نماز ہر دو منازلِ حیات میں کامرانی کا وسیلہ ہے۔ یہ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روک کر اخلاقِ حسنہ کو فروغ دیتی ہے۔ یہ اتوار یا کسی تہوار سے مخصوص نہیں بلکہ دن رات میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اور اس پابندی کے ساتھ کہ کوئی کمی بیشی ممکن نہیں۔ اوقات کے اس تعیّن سے بار بار قوّتِ عملیہ کو جلا ملتی ہے اور انسان رفتہ رفتہ زندگی کے تمام معاملات میں پابندیٔ وقت کا عادی ہو جاتا ہے۔ نماز کی یہ

Marfat.com

روح جب جماعت کی رگ وپے میں اتر آتی ہے تو ایک ایسا صالح اور منضبط معاشرہ جنم لیتا ہے جس پر کامرانیوں کے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

پنج وقتہ نمازوں کی پابندی دراصل ایک تربیتی سلسلہ ہے جس کے ذریعے مسلمان اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ نظم وضبط کے ساتھ زندگی گذار سکیں اور اپنے معمولات کو اس انداز سے ترتیب دیں کہ ہر رخ سے اللہ کی بندگی ان کا مطمحِ نظر ہو۔ نماز کاروبارِ حیات میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتی۔ اوقات نماز کا جائزہ لیا جائے تو فجر اور ظہر کے مابین طویل دورانیہ اور باقی نمازوں کے درمیان مناسب وقفے' جسمانی اور ذہنی مصروفیتوں میں حائل نہیں ہوتے بلکہ فطری طور پر اگلے مرحلے کے لیے تیار کرتے ہیں کیونکہ اسلام دینِ فطرت ہے جسے اعتدال وتوازن کی قدروں نے انسانیت کے لیے دلکش بنایا ہے۔ لیکن خدا بیزار مادیت نے جو اسلام کی انقلاب آفریں تحریک سے ہمیشہ مزاحم رہی ہے' ایسے ایسے ہتھکنڈے اختیار کیے ہیں کہ شروفساد کی فضا میں مسلمان اس دینِ فطرت کے شیریں ثمرات بحسن وخوبی سمیٹ نہیں پا رہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ روزوشب کے معمولات اسلامی نظام الاوقات سے ہم آہنگ نہیں۔ گھروں میں ٹی وی اور وی سی آر کا جادو جاگتا ہے اور باہر مارکیٹیں اور عشرت گاہیں رات گئے تک مسلسل کھلی رہتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نماز جیسے فرض عمل کی پابندی کرنا مشکل ہو گیا ہے اور اسلامی معاشرہ صلح وخیر کی اعلیٰ روایات سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

Marfat.com

# معاشی ترقی کا نقشِ اوّل ـــــ زکوٰۃ

قدرت نے فطرتِ انسانی میں ایک ایسی مقناطیسیت رکھ دی ہے جو اسے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ میل ملاپ پر اکساتی ہے۔ اس جذبے کو معاشرت کہا جاتا ہے۔ اچھی معاشرت اعلیٰ قدروں سے پروان چڑھتی ہے۔ مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے دوسروں کے دست نگر ہوتے ہیں، تو تعلقات پر خود غرضی کی دھند چھا جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرت کے احوال بگڑنے لگتے ہیں۔ ایسے میں کسی ایسی تنظیمی قوت کی حاجت محسوس ہوتی ہے جو معاشرتی اداروں میں توازن برقرار رکھے اور کسی فرد یا طبقے کے حقوق پامال نہ ہونے دے ـــــ ساتویں صدی عیسوی میں تاریخ ایک ایسے طاقتور نظریاتی نظام کا مشاہدہ کر چکی ہے جس نے مخلوقِ خدا کی ہمہ رنگ فلاح و بہبود کی ضمانت دی تھی۔ پیغمبرِ آخر الزّمان حضرت محمد ﷺ نے مدینۂ منوّرہ میں دنیا کی جو اوّلین فلاحی ریاست قائم کی، اس نے نسلی، علاقائی اور طبقاتی کشاکش میں الجھی ہوئی اولادِ آدم کو سلامتی اور خوشحالی کا پیغام دیا۔ آپؐ نے چند برسوں میں سماج کی ایسی کایا پلٹ دی کہ ہر شعبۂ حیات میں فطری اور حقیقی مساوات قائم ہو گئی۔

اسلام زندگی کو بامعنی اکائی کا درجہ دیتا ہے، اسی لیے اس کے پاس تمام مسائلِ حیات کا شائستہ اور قابلِ قبول حل موجود ہے۔ وہ عالمِ انسانیت کے اقتصادی پہلو پر خصوصی توجہ دیتا ہے کہ اسی سے سلسلۂ حیات وابستہ ہے۔ اس نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کے فروغ سے جہاں انسان کی ذہنی و روحانی کائنات میں چراغاں کیا، وہاں معاشی اعتبار سے بھی باوقار زندگی گذارنے کا لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ یہ دین ایک طرف محنت کی توقیر کرتے ہوئے ملکیّت کو جائز قرار دیتا ہے تو دوسری جانب تقسیمِ دولت کے لیے زکوٰۃ جیسے، حکمتِ بالغہ پر مبنی قانون کا نفاذ بھی کرتا ہے۔ اس کی اصل الاصول یہ ہے کہ سال بھر جمع شدہ سرمائے کا

Marfat.com

چالیسواں حصہ مسلم حکومت کے خزانے' بیت المال میں جمع کرایا جائے تاکہ سرکاری پیمانے پر غریب لوگوں کی احتیاجات پوری کی جا سکیں۔ اس کا مدّعا یہ ہے کہ کائنات میں بکھری ہوئی نعمتوں میں سب کا حصہ ہے اور رزق کے سرچشمے کسی کی انفرادی ملکیت نہیں ہیں۔ انہیں دریا کی طرح بہتے رہنا چاہئے اور زکوٰۃ وصدقات کے وسیلے سے ان کا فیضان جاری رہنا چاہئے ـــــ ساری قوم کے لیے' ہوا' روشنی اور پانی کی طرح عام!

ابتداءِ اسلام میں اہلِ ثروت مسلمان غرباء ومساکین کے لیے از خود پیش قدمی کیا کرتے تھے۔ اس حسنِ سلوک کے قاعدے کلیے مقرّر نہ تھے لیکن ہجرت کے دوسرے سال جب مدینۂ منوّرہ میں ایک خودمختار اسلامی مملکت قائم ہو چکی تھی تو زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اس کے نفاذ سے اسلامی معاشرت کا انقلابی نمونہ سامنے آیا۔ زرپرستی اور استحصال کی خودغرضانہ روش کا خاتمہ ہوا۔ امراء وغرباء میں خوشگوار تعلقات پروان چڑھے جن سے اجتماعی زندگی میں امن وسکون اور خوشحالی کا دَور دورہ ہوا۔

زکوٰۃ کے لفظی معنی ہیں' پاک صاف کرنا' پھَلنا پھولنا ـــــ فلسفۂ زکوٰۃ پر غور کیا جائے تو یہ دونوں مفاہیم نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ اسلام چونکہ انسانیت کے ازلی خواب کی عملی تعبیر ہے لہٰذا اس نے فطرتِ انسانی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ وہ افراد اور جماعتوں کے درمیان تعاون کا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ زندگی کا شجر پھلے پھُولے اور معاشرے کی فضا خرابیوں سے پاک ہو۔ دولت کمانے والا آدمی اگر اسے صرف اپنی ذات پر صَرف کرنے کا سوچے تو اس طرزِ فکر سے یقینی طور پر مفاد پرستی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے۔ سنگدل حیوانیت کے جراثیم پرورش پانے لگتے ہیں۔ وہ صَرف کی مدّات کے تمام دروازے بند کر کے صرف آمد کی مدّات کا اسیر ہو جاتا ہے۔ یوں ایک ایسا مکروہ حریصانہ رویّہ جنم لیتا ہے کہ حقوق پامال اور رشتے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ اسلام نے ظلم وزیادتی کے ہر سرچشمے کو بند کرتے ہوئے لامحدود ملکیت کے سرمایہ دارانہ فلسفے اور وسائلِ رزق پر ریاستی قبضے کے اشتراکی نظریے کو استحصال قرار دیا۔ اس نے ان دونوں انتہاؤں سے ہٹ کر حصولِ دولت اور اس کے مصارف کو قانونِ الٰہی کے تابع کر دیا جس کے بروئے کار آنے سے نہ تو فرد کی حق تلفی ہوتی ہے' نہ معاشرے کے اجتماعی ڈھانچے پر کوئی آنچ آتی ہے۔ اس کے برعکس فرد اور ریاست' آجر اور مزدور' کسان اور زمیندار کے مابین تعاون کی نمود ہوتی ہے۔ معاشی دوڑ میں حصہ لینے والے افراد تیز رَوی میں ایک دوسرے کو

Marfat.com

دھکیلتے اور روندتے ہوئے آگے نہیں بڑھتے بلکہ درماندہ ساتھیوں کو سہارا دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جو لوگ معاشی دوڑ میں حصہ لینے کے قابل نہ ہوں' انہیں مستقل امداد فراہم کرتے ہیں۔ اس تعمیری اندازِ فکر سے دوگونہ فوائد حاصل ہوتے ہیں ــــ ایک یہ کہ دوسروں کی دستگیری کرنے سے متاعِ دنیا سے رغبت کم اور مخلوقِ خدا سے محبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے بخل اور کنجوسی کے گھٹیا جذبات روح پر غلبہ نہیں پا سکتے اور انسان کی شخصیت اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہتی ہے۔

زکوٰۃ کا ایک معنیٰ افزائش' ترقی یا بڑھوتری بھی ہے' اس لیے معاشی ترقی میں بھی زکوٰۃ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ قرآنِ کریم نے علامتی اسلوب میں اس موضوع پر نہایت خوبصورت بحث کرتے ہوئے کہا ہے ــــ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ (البقرۃ:۲۶۱) ــــ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے' جیسے ایک دانہ ہو' جو زمین سے اُگے اور سات بالیاں نکالے۔ ہر بالی میں سو دانے بھرے ہوں۔ اللہ جس کے لیے چاہے' کئی گنا بڑھا دیتا ہے ــــ چنانچہ معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ دولت اہلِ زر کے پاس منجمد ہو کر نہ پڑی رہے۔ خزانے کا سانپ بننا کسی بھی لحاظ سے مستحسن نہیں۔ اس سے تنگدلی' خودغرضی اور نفسانیت کے سِفلی اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ چند اشخاص کے پاس دولت جمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اکثریت بے وسیلہ ہوتی چلی جائے۔ سرمایہ دارانہ سماج میں تو یہ ننگی تلوار ہر جگہ لٹکی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالدار اور نادار طبقات کے درمیان تضاد اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ایک نہ ختم ہونے والی کشیدگی شروع ہو جاتی ہے جو بالآخر معیشت اور معاشرت دونوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے خودکار نظام سے دولت کے ارتکاز میں کمی آتی ہے۔ اس کی مثال ایک ایسے پائپ سے دی جا سکتی ہے جس کے ذریعے ٹنکی کا ذخیرۂ آب' ایک حد تک پہنچتے ہی ازخود باہر آنے لگتا ہے اور پانی کی مقدار ایک خاص پیمائش سے زیادہ نہیں ہونے پاتی۔

جس طرح آبِ رواں صاف ستھرا ہوتا ہے' اسی طرح کسی خوشحال سوسائٹی کی پہچان یہ ہے کہ وہاں سرمایہ گردش میں رہے اور وسائلِ حیات کی ہمہ وقت طلب وصَرف کا سلسلہ جاری رہے۔ یہ کارِ خیر' نظامِ زکوٰۃ سے بخوبی سرانجام پاتا ہے۔ اس کے ذریعے اڑھائی فیصد دولت مال داروں کی آہنی تجوریوں سے مسلسل باہر آتی ہے۔ عوام کے

Marfat.com

ہاتھوں میں پہنچتی ہے تو ان کی قوّتِ خرید میں اضافہ ہوتا ہے۔ یوں اشیاء کی مانگ بڑھتی ہے جس کے سبب پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا زیادہ فائدہ بہرصورت سرمایہ دار کو پہنچتا ہے اور وہ اپنے سرمائے کو کاروبار میں لگائے رکھتا ہے۔ اگر سرمایہ کاری نہیں ہوگی تو غیر متحرک پونجی زکوٰۃ کی سالانہ کٹوتی سے مسلسل گھٹتی جائے گی جسے کوئی بھی معقول سرمایہ دار برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا وہ سرمایہ کاری پر مجبور ہوتا ہے جس کا ثمرہ معیشت میں روزبروز ترقی کی شکل میں ملتا ہے۔

کامیاب اقتصادی عمل کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ معاشی دائرۂ کار میں ماحول پُرامن ہو۔ ماحول کا پُرامن ہونا معاشرے کے تمام افراد کے مطمئن ہونے پر منحصر ہے۔ اس اطمینان کے لیے ضروری ہے کہ انسانوں کی ضروریاتِ زندگی پوری کی جائیں اور انہیں مسائل کا شکار ہونے سے بچایا جائے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طبقۂ امراء جس میں زمیندار، کارخانہ دار اور تاجر شامل ہوتے ہیں، دولت کی ریل پیل میں محو ہو کر بھول جاتے ہیں کہ ان کی بھلائی سماج کے دوسرے طبقات کی بھلائی سے وابستہ ہے۔ وہ اس خام خیالی میں رہتے ہیں کہ ان کی دولت کا کچھ حصہ دوسروں کے دامن کی زینت بننے سے ان کے مال وزر میں کمی واقع ہو جائے گی یا ان کی خوشحالی پر زد پڑے گی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جو دولت دوسروں پر صَرف کی جاتی ہے، وہ رائگاں نہیں جاتی بلکہ عمرانی اصول کے مطابق سرمائے میں اضافے کا باعث بنتی ہے ــــ مثال کے طور پر اگر کوئی صاحبِ ثروت کسی بے روزگار شخص کی مالی مدد کرتا ہے اور اسے قابل بناتا ہے کہ وہ ایک کمانے والا فرد بن جائے تو اس کی کمائی سے محض ایک فرد کی دولت نہیں بڑھتی بلکہ درحقیقت ساری قوم کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے جس سے لامحالہ اس انسان دوست صاحبِ ثروت کو بھی حصہ ملتا ہے جس نے قوم کے ایک کماؤ فرد کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ لیکن اگر بے روزگار افراد کو دشتِ حیات میں آوارہ پھرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جائے تو وہ قوم کے مفید افراد نہیں بن پائیں گے بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ جرائم پیشہ بن کر لُوٹ مار شروع کر دیں جس کا براہِ راست نشانہ دولت مند ہی بنتے ہیں اور لاقانونیت کا ایسا سلسلہ چل نکلتا ہے کہ معاشرے کے سارے ادارے غارت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

آج کی نام نہاد مہذّب دنیا میں جب رُوئے زمین پر سرمایہ دارانہ نظام کا ہشت پایہ اپنے زہریلے پنجے گاڑ چکا ہے، دولت مندوں کی تجوریاں سیم وزر سے جگمگا رہی ہیں، مگر

Marfat.com

انبوہِ آدم دشت افلاس میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ ستم یہ ہے کہ زبردست طاقتیں حقوقِ انسانی کے بلند بانگ دعوے بھی کیے جا رہی ہیں مگر ان کی کج نگاہی کا عالم یہ ہے کہ وہ امیر کو امیر تر ہوتے تو دیکھ رہی ہیں مگر غریب کو غربت سے بچانے کی کوئی سبیل نہیں کرتیں۔ اسلام نے معاشی توازن کو معاشرتی بقا کی خشتِ اول قرار دیتے ہوئے نظامِ زکوٰۃ کا اجراء کیا جس کے آئینی نفاذ سے دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمرِ فاروق ؓ کے زمانے میں تمدنی خوشحالی کا یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ بستی بستی کوئی حاجت مند نظر نہ آتا تھا اور حکومت کے لیے زکوٰۃ کی تقسیم ایک مسئلہ بن گیا تھا۔

آج کی حرماں نصیب دنیا کو اگر اپنی مادی مشکلات سے چھٹکارا پانا ہے تو اسے اسلام کے اس آزمودہ نظامِ معیشت کی برکات سے استفادہ کرنا ہو گا جس کے حیات بخش سرچشمے پر بدنصیب انسانیت نے اپنے ہاتھوں سے بھاری پتھر رکھ چھوڑا ہے!

Marfat.com

# ماہِ صیام ــــ قرآنی انوار و تجلّیات کا امین

ہر قوم کسی نہ کسی آئین کے تحت زندگی گذارتی ہے۔ قرآنِ مجید ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اولادِ آدم کی دنیوی اور اُخروی فوز وفلاح کا ضامن ہے۔ اس نے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ کا فیصلہ کن اعلان کر کے زندگی کا نصب العین یہ قرار دیا کہ وہ اللہ کی عبادت میں بسر ہو۔ عبادت کا مفہوم یہ نہیں کہ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج جیسے دینی مراسم ادا کر لیے جائیں اور بس! نظامِ عبادات تو دراصل ایک تربیتی نصاب ہے۔ دینی مراسم ایسے لازمی معمولات کا درجہ رکھتے ہیں جو اہلِ ایمان کو تمام امورِ حیات میں قرآن کے دستور العمل سے رہنمائی لینے پر تیار کرتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کا لُبِ لباب یہ ہے کہ آدمی کی شخصیت خدا ترسی' انسان دوستی اور اخلاقی ذمہ داری کے سانچے میں ڈھل جائے تاکہ نفسانیت' ظلم اور بے حیائی کی شیطانی قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جائیں۔

قرآنِ مجید نے اس سلسلے میں جو نصاب مرتّب کیا ہے وہ تین پہلوؤں کو محیط ہے:

(الف) ایک یہ کہ روزے سے تقویٰ اور پرہیزگاری کو فروغ ملنا چاہیے۔ یعنی جس طرح روزے کے دوران میں خواہشات پر قابو پایا جاتا ہے' اسی طرح روزے کے بعد بھی سیرت وکردار میں بے لگام آزادی کا تصور ختم ہو جائے اور انسان عملی زندگی میں پھونک پھونک کر قدم رکھے۔ اس ٹریننگ سے یہ مقصد بحُسن وخوبی پورا ہوتا ہے۔ انسان سال بھر حرام چیزوں اور ناجائز حرکات سے پرہیز کرتا ہے مگر اس ماہِ مبارک میں' دن بھر وہ اپنے پروردگار کے حکم سے تمام حلال غذاؤں اور جائز کاموں سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ اس کمالِ اطاعت سے اسے اس درجہ پاکیزگی حاصل ہوتی ہے کہ مادی وجود رکھتے ہوئے بھی اسے فرشتوں جیسا قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

Marfat.com

(ب) روزے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہ نیکی چونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حاصل ہوتی ہے' لہٰذا روزہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کی عظمت و کبریائی کا اعلان کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف حمد و ثنا اور کلامِ الٰہی کا وِرد کیا جائے بلکہ قرآنی آیات پر غور و فکر اور عمل کرتے ہوئے معاشرے میں اس کی دعوت کو عام کیا جائے۔

(ج) روزے کا تیسرا مدّعا یہ ہے کہ عظیم و کبیر اللہ کے حضور ہدیۂ تشکرّ پیش کیا جائے۔ اس کی نعمتوں کا اقرار زبان سے بھی کیا جائے اور دل میں بھی اس کی محبت و عظمت کو جاگزیں کیا جائے۔

ایک مومن ویسے تو ہر لحظہ ان مقاصد کے لیے سرگرم عمل رہتا اور قرآن کا انسانِ مطلوب بننے کی مستحسن کوشش کرتا ہے تاہم ماہِ صیام میں یہ سرگرمیاں تیز تر ہو جاتی ہیں۔ قرآن اپنے حلقہ بگوشوں سے جس منضبط کردار کی توقع رکھتا ہے' وہ اسی ماہِ مبارک کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے۔ سحر و افطار کے مخصوص لمحات' نمازوں میں باقاعدگی اور تراویح کے اہتمام سے قرآن کے مثالی فرد اور معاشرے کی نمود ہوتی ہے ___ احسان' ہمدردی اور اخلاص جیسے اعلیٰ اوصاف نمایاں ہوتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو بار بار احساس ہوتا ہے کہ رحمتِ حق کا ان پر خاص فیضان ہو رہا ہے۔ ہر پیداوار کے لیے ایک مخصوص رُت ہوتی ہے جس میں کاروبارِ حیات پورے جوبن پر آجاتا ہے اور لوگ آئندہ وقت کے لیے مال و زر اور ضروریاتِ زندگی جمع کر لیتے ہیں تاکہ پریشانیوں سے بچ جائیں۔ ماہِ رمضان بھی صالح بندوں کا خوشگوار موسم ہوتا ہے جس میں وہ قرآن کی برکات سمیٹتے ہیں۔ روایت ہے کہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ عام مہینوں میں نیکیوں کے لیے بادِ سحرگاہی کی طرح نرم رَو ہوتے لیکن ماہِ صیام کے آتے ہی عبادت اور خیرات کے لیے آندھی کی طرح تیز رفتار ہو جاتے۔ آپ ؑ کا اسوۂ حسنہ صحابۂ کرام کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوتا۔ مدینۂ منورہ کے گلی کوچے ترتیلِ قرآن سے گونج اٹھتے اور پیشانیاں حضورِ حق میں جھکی نظر آتیں۔

اللہ پاک نے قرآن اور رمضان کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا ___ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ___ یہ مقدّس کتاب ماہِ رمضان میں اتاری گئی ___ اپنی برکات کے اعتبار سے قرآن اور رمضان میں واضح قدرِ مشترک نظر آتی ہے۔ یہ مہینہ

Marfat.com

بھی باسعادت اور اس کی وہ رات ___ لیلۃُ القدر بھی باسعادت جب غارِ حرا میں سعادتوں کی بارش ہوئی۔ جبریلِ امین نے اوّلین وحی ___ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ___ کا سرمدی زمزمہ چھیڑا اور پھر آسمانی خوشخبریوں کا سلسلہ دراز ہوگیا جو رہتی دنیا تک عالمِ انسانیت کے لیے گراں بہا نعمت ہے۔ لہٰذا قدرت کے اس احسان کے شکریے کی خاطر اس مہینے میں روزے جیسی عبادت مقرر کی گئی۔ یہ عبادت ان پاکیزہ معیارات کے مطابق ہے جن کا تقاضا کلامِ پاک کرتا ہے' روزہ دار ماکولات' مشروبات اور لذات کو ترک کر دیتا ہے گویا مادیت اور اس کے سارے مظاہر اس کے لیے نامعتبر ٹھہرتے ہیں۔

جس طرح قرآن باطل عقائد اور فاسد اعمال کی درستی کے لیے انقلابی لائحۂ عمل پیش کرتا ہے' اسی طرح اخلاقی تہذیب و اصلاح کے لیے ماہِ رمضان کے روزے ایک مؤثر تربیتی نظام کا درجہ رکھتے ہیں۔ ماہِ صیام روحانیت کا موسمِ بہار ہے جس میں قدرت اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہو جاتی ہے۔ وہ نیکیوں کے لیے خود سازگار فضا مہیا کرتی ہے۔ جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ دوزخ کے کواڑ بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ عابدوں کو اپنے معبود تک رسائی پانے میں کوئی دقّت پیش نہ آئے۔ کلامِ الٰہی کی ہفت رنگ آوازیں اقصائے عالم میں نورانی چادر تان دیتی ہیں۔ ماہِ صیام میں قرآنی انوار و تجلّیات سے عالمِ انسانیت دو طرح سے تابناک ہوتا ہے ___ ایک تلاوت جو تراویح' نوافل شبینہ اور عام دورۂ قرآن کی صورت میں سنائی دیتی ہے۔ سرکارِ دو عالمؐ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تلاوتِ قرآن کرتے صبح ہو جاتی۔ ائمہ' صوفیاء اور صلحا کا معمول تھا کہ وہ شب بھر میں قرآنِ مجید کا دورہ کر لیتے۔ امّتِ مُسلِمہ آج بھی دل و جان سے اس روایت کا اعادہ کیے جا رہی ہے ___ قرآن کی فیض رسانی کی دوسری شکل یہ ہے کہ اس کے مطالب و مفاہیم تک دسترس حاصل کی جاتی ہے۔ تاکہ شعوری طور پر اس کی برکات سے زندگی کو سنوارا جا سکے ___ ماہِ صیام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ ان مقاصد کی تکمیل کا سبب بنتا ہے اور امّتِ محمّدیہ روحِ قرآن تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

Marfat.com

# رمضان المبارک ___ نیکیوں کا موسمِ بہار

نیکی کا ماحول پیدا کرنے میں یوں تو ہر عبادت اپنا مخصوص کردار ادا کرتی ہے، تاہم اس میں کسی نہ کسی سطح پر ریاکاری کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ نماز کی ایک خاص طرزِ ادا ہے۔ اس کی تیاری کے لیے نمازی کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ قیام، رکوع، سجدہ ___ اس عبادت کے مظاہر ہیں جن کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ لینے والا اس عمل کو کُھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ حج کا سفر، اس کے شعائر کی ادائیگی اور واپسی کا عمل، سب کچھ ظاہری صورت میں ہوتا ہے لیکن روزہ سراسر ایک مخفی عبادت ہے جس میں نمائش کا ذرا سا بھی امکان نہیں۔ یہ فریضہ بندہ و آقا کے مابین ایک اَن دیکھے معاہدے پر مبنی ہوتا ہے جو ایک طرف تو آدمی کو ظاہری بداخلاقی سے روکتا ہے تو دوسری جانب اس کی باطنی خواہشات کو پاک وصاف کرتا ہے۔ اس طرح سیرت و کردار میں بے لگام آزادی کا تصوّر ختم ہو جاتا ہے اور انسان عملی زندگی میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے۔

رمضان المبارک کا آغاز درحقیقت اس تربیتی نصاب کا بابِ اول ہے جب اللہ کی رحمتیں خوشبو کی طرح دلوں کے خزاں رسیدہ باغوں میں اترنے لگتی ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان خوابِ غفلت سے چونک اُٹھتے ہیں۔ روحانیت کی نورانی فضا چھا جاتی ہے اور اللہ کی رحمتیں کشید کرنے کا جذبہ عروج پر پہنچ جاتا ہے ___ پہلا عشرۂ رمضان، نیکیوں کی طرف میلان کا ہے جب ایمان کا بیج روح کی زمین میں ڈالا جاتا ہے ___ رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ تربیتی نصاب کا ایسا مرحلہ ہے جب ایمان کا بیج پودا بن کر سر اٹھاتا ہے جس پر اعمالِ صالحہ کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ تقویٰ طبیعت کا حصہ بنتا ہے، خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کامیاب ہوتی ہے اور صبر و تحمل کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جو تزکیۂ نفس کے لیے بنیادی شرط ہے۔ ان ریاضتوں سے علاّمہ اقبال کے بقول یہ صورتِ حال

Marfat.com

پیدا ہو جاتی ہے ـــــ

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحَر گاہی کا نَم

اور پھر تیسرا عشرہ آجاتا ہے۔ پرہیزگاری کی مسلسل مشق سے روزہ دار نیکی کی مہک سے سرشار ہو جاتا ہے۔ اس کی شخصیت نور کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ مومن ہر لحظہ خود کو بارگاہِ الٰہی میں محسوس کرتا ہے۔ ایک عجیب سا سرور اس کی رگ رگ میں اتر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ روح زنگ سے پاک وصاف ہو رہی ہے اور تعلّق باللہ میں شدت آجاتی ہے۔ ایسے میں پروردگار بھی اپنے بندوں کے قریب آجاتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اللہ والوں کو یوں بشارت دی ـــــ اِنِّی قَرِیْبٌ۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ـــــ میں تو ان کے بالکل پاس ہوں۔ میں تو ان کی پکار سنتا ہوں ـــــ اور اللہ جب کسی مومن کی آواز سن لیتا ہے تو اسے یقیناً قربتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے ـــــ حضورؐ نے رمضان المبارک کے ان تینوں عشروں کے مدارج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ـــــ یہ وہ مہینہ ہے جس کا آغاز رحمت، وسط میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضورؐ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں خصوصی طور پر عبادت پر کمربستہ ہو جاتے۔ گھر والوں کو جگا دیتے۔ آپؐ کی عادتِ مبارکہ ہمیشہ یہ رہی کہ آخری عشرے میں گوشہ نشینی اختیار فرماتے۔ جس سال آپؐ کا انتقال ہوا، آپؐ نے بیس روز اعتکاف فرمایا۔ اعتکاف رمضان المبارک کے تیسرے عشرے کی ایک اہم فضیلت ہے۔ اس کی اصل روح یہ ہے کہ دنیا داری کے سارے کاموں اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے خود کو صرف اللہ کے لیے وقف کر دیا جائے، حتیٰ کہ اہل وعیال سے بھی دُوری اختیار کر کے اللہ کے گھر میں ڈیرہ ڈال دیا جائے۔ دن رات اس کے ذکر و فکر میں بسر کیے جائیں ـــــ یہ دراصل ایک تربیتی نصاب ہے، زندگی کو بندگی کے سانچے میں ڈھالنے کا۔

رمضان المبارک کی فضیلتوں کا کیا کہنا۔ یہی وہ مقدّس مہینہ تھا جس کی ایک صبح، نئی ادا سے مکّۂ معظمہ پر طلوع ہوئی تھی۔ غارِ حرا کی تاریکی چھٹ گئی تھی اور وحیِ الٰہی کی اوّلین کرن نے قلبِ محمدی کو منوّر کر دیا تھا۔ یہی مہینہ تھا جس کے تیسرے عشرے میں ربِ کریم نے عالمِ انسانیت کو اپنی عظیم ترین رحمت، قرآن مجید کا تحفہ عطا کیا۔ ارشاد ہوا

Marfat.com

____ اِنَّآ اَنزَلنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ____ ہم نے اس کتابِ مقدّس کو برکت والی رات میں اتارا۔ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کونسی رات ہے ____ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی طاق رات ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبیِ محترمؐ گھر سے باہر تشریف لائے تاکہ شبِ قدر کی تخصیص فرمائیں۔ اس وقت دو مسلمان جھگڑ رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا' میں تمہیں شبِ قدر کی خبر دینے آیا تھا مگر اس جھگڑے کی وجہ سے اس کا تعیّن میرے ذہن سے اٹھا لیا گیا اور کیا بعید ہے کہ یہ اٹھا لینا اللہ کے علم میں بہتر ہو' لہٰذا اب اسے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی نویں' ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔ اس رات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی لامحدود رحمت' بے پایاں حکمت اور بے پناہ قوّت کے ساتھ منسلک کیا۔ یہ ساری فضیلتیں رمضان المبارک کے تیسرے عشرے کو بخشی گئیں۔

اس عشرے کی آخری شب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ____ رمضان کی آخری رات میری روزہ دار امت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ صحابہؓ کرام نے عرض کیا ____ یا رسول اللہ کیا یہی لیلۃُ القدر ہے؟ ____ حضورؐ نے فرمایا نہیں بلکہ مزدور کو مزدوری اس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔ تبھی تو رمضان المبارک کے اختتام پر روزہ داروں کو عید منانے کا فرمان جاری کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اسے نزولِ قرآن کی سالگرہ اور نیکیوں کا جشنِ بہار کہا گیا۔ ارشاد ہوا ____ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا (یونس ۱۰:۵۷) اے نبیِ محترم! فرما دیجئے کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تمہاری ہدایت کے لیے قرآنِ مجید نازل کیا۔ اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیے ____ اور بندۂ مومن کے لیے اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ اسے روزے کے وسیلے سے دنیا کی لذّتوں کو ترک کرنے کی تربیت ملی۔ وہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں مادیت اور اس کے سارے مظاہر اس کے لیے نامعتبر ٹھہرتے ہیں۔ اس ریاضت سے وہ روحانی مدارج طے کرنے لگتا ہے تاآنکہ رمضان المبارک کے اختتام پر اس کا قلب اتنا پاکیزہ و لطیف ہو جاتا ہے کہ وہ اگرچہ اپنے مادی وجود کے باعث دیدارِ الٰہی سے تو مالا مال نہیں ہو سکتا لیکن اس میں اتنی صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ وحیِ الٰہی کی برکات سے مستفیض اور اسرارِ کائنات سے آگاہ ہو سکے۔

یہی بندۂ مومن کی معراج ہے!

Marfat.com

# حج ___ عالمگیر اتحاد کا منشور

۲۱۶۰ قبلِ مسیح میں قدیم عراق کا شہر "اُر" جسے آج کل "تلُ العبید" کہتے ہیں، خوش بخت ٹھہرا جہاں اللہ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی کے پیشوا اس پیغمبرِ خدا کی عظمت مآبی کا کیا کہنا کہ نہ صرف حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور رسولِ آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انھی کی نسل سے ہیں بلکہ نبوّت ورسالت کا بیشتر حصہ آپ ہی کی نسل کے لیے مخصوص کر دیا گیا ___ اسی لیے انھیں ابُوالانبیاء کہا جاتا ہے۔ بت پرستوں کے گھرانے میں جنم لینے والے اس عظیم الشان انسان نے بچپن ہی سے کائنات اور اس کے مسائل پر غور و خوض کرنا شروع کر دیا تھا۔ برسوں کی وجدانی ریاضت کے بعد ان کے دل و دماغ نے یہ فیصلہ دے دیا کہ مظاہرِ قدرت ___ سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کی حرکت، محض غلامانہ روش ہے۔ روشنیوں کے یہ سفیر ہستیٔ باری تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ وہ اسی کے اشاروں پر گردش کر رہے ہیں اور متحرک و ضَوفشاں ہوتے ہوئے بھی مجبورِ محض ہیں ___

ستارے کیا مری تقدیر کی خبر دیں گے
وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہیں خوار و زبوں

تو پتھر کے بے نُور صنم جو اپنے اختیار سے ذرا سی جنبش بھی نہیں کر سکتے، خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ ___ چنانچہ انھوں نے اپنے آبائی مذہب کے پنڈتوں اور پروہتوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ...اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ___ تم جنھیں اللہ کے اختیارات میں شریک کرتے ہو، ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں بلکہ میں نے تو سب سے منہ موڑ کر فقط اس ذات کو عبادت اور بندگی کا مستحق ٹھہرایا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے ___ یہ

Marfat.com

توحیدِ الٰہی کی وہ توانا آواز تھی جو تمام انبیاءِ کرام نے ہر عہد میں بلند کی مگر عاقبت نااندیش انسانوں نے سُنی اَن سُنی کردی اور گمراہی کا اسلوب تراش لیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی ندائے حق سے ایوانِ باطل میں ہلچل مچ گئی۔ اس پر مستزاد کہ انھوں نے ایک روز معبد میں داخل ہوکر بتوں کے حُلیے بگاڑ دیے جس کے نتیجے میں انھیں طرح طرح کے اذیّت ناک مراحل سے گزرنا پڑا۔ خاندان کے متعصب لوگوں نے ان سے قطع تعلق کرلیا۔ حکمرانوں نے انھیں آگ کے الاؤ میں ڈال دیا جو اللہ کے حکم سے گلزار ہوگئی۔ یوں پہاڑ جیسے ارادوں اور فولاد جیسے عقیدوں کے مالک ابراہیمؑ، مخلوقِ خدا کو بندگی کا درس دینے شام، فلسطین اور عرب کے علاقوں میں نکل گئے۔ انھوں نے اس وقت کی معلوم دنیا کو توحیدِ الٰہی کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے ایک عظیم الشان تحریک کا آغاز کردیا ــــ اپنے بھتیجے حضرت لُوطؑ کو "سدوم" میں اپنا نائب بنایا جسے آج کل شرقِ اردن کہا جاتا ہے۔ یہ مقام تبلیغی اعتبار سے بہت اہم تھا کیونکہ یہ اس شاہراہ پر واقع تھا جہاں سے ایران، عراق اور مصر کے تجارتی قافلے گزرا کرتے تھے ــــ اپنے چھوٹے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو کنعان (فلسطین) کا مرکز سپرد کیا جو مصر اور شام کے سنگم پر واقع تھا چنانچہ ان کے بیٹے یعقوبؑ اور پوتے یوسفؑ کے وسیلے سے دعوتِ حق مصر جا پہنچی ــــ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو خطۂ عرب کی قیادت سونپی۔ وہ خود بھی ان کے ساتھ مل کر تبلیغی سرگرمیوں کو فروغ دینے لگے تا آنکہ مکّہ کی بستی ظہور میں آگئی۔ یہاں باپ بیٹے نے اللہ کی وحدانیت کا نام بلند کرنے کے لیے بیت اللہ کی تعمیر کی۔ قرآنِ مجید نے تعمیرِ کعبہ کا اساسی فلسفہ بیان کرتے ہوئے دعویٰ کیا ــــ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آل عمران ۹۶:۳) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، وہی تھا جسے "مکّہ" میں تعمیر کیا گیا جو برکت والا اور سارے جہانوں کے لیے مرکزِ ہدایت ہے۔ الطاف حسین حالی نے اس کی عظمت یوں اجاگر کی ــــ

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار جس کا بنا تھا
ازل میں مشیّت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدیٰ کا

Marfat.com

کعبہ مروّج معنیٰ میں کبھی مسجد نہیں رہا بلکہ یہ تو اسلام کی عالمگیر تحریک کا وہ سرچشمہ قرار پایا جہاں اللہ والے' دنیا کے گوشے گوشے سے آکر مخصوص عبادت کریں' دل و دماغ کو نورِ توحید سے مالا مال کریں اور اپنے اپنے ملکوں میں' واپس جاکر تہذیب و تمدن کا انقلاب برپا کردیں ــــ یہ اجتماع اسلام کی اصطلاح میں "حج" کہلاتا ہے جو دینِ اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ ایک اللہ کے ماننے والے اس کے گھر میں حاضر ہوں۔ یہاں مخصوص عبادات سے بندگی کا اقرار کریں اور اس کے گرد طواف کرکے یہ ثابت کردیں کہ ان کی زندگی اس پہیے کی طرح ہے جو اپنے محور (توحید) کے گرد گھومتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے حج کا جو سلسلہ شروع کیا تھا' اس نے اللہ اور انسان کے ربطِ باہم کو مستحکم کیا تاہم انسان نے شیطان کی کارستانیوں کے طفیل رفتہ رفتہ اس عبادت کی صورت مسخ کرکے رکھ دی۔ خانۂ کعبہ میں سینکڑوں بت سجا دیے گئے جن میں اس کے قابلِ قدر "معماروں" کے بت بھی شامل تھے۔ حج کو ایک میلہ منڈی بنا دیا گیا جہاں آنے والے زائرین سے چڑھاوے وصول کیے جانے لگے۔ لباس سے آزاد ہوکر طواف کیا جانے لگا۔ قربانی کا گوشت کعبے کے دروازے پر ڈالا جاتا۔ ذبیحے کا خون دیواروں سے لتھیڑا جاتا ــــ یوں دو ہزار سال بیت گئے تاآنکہ پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح نہ صرف بت شکنی کی بلکہ ہمیشہ کے لیے اصنام پرستی کا قلع قمع کرکے رکھ دیا۔

امام ابو حنیفہؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مدتوں اس مخمصے میں رہے کہ نماز' روزے' زکوٰۃ اور حج میں سے افضل ترین عبادت کونسی ہے؟ تاہم حج کے بعد انھوں نے فیصلہ دے دیا کہ اس عبادت میں اَن گنت فوائد پوشیدہ ہیں۔ تب قرآنِ ذی شان کے اس فرمان کی معنویت اجاگر ہوئی ــــ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ــــ حج روحانی تربیت کا ایک بے مثال سلسلہ ہے جس کے دوران میں دل نرم' قوتیں تازہ دم اور آرزوئیں جوان ہو جاتی ہیں۔ یہ عبادت اپنی ہیئتِ مجموعی میں' جب اسے جمِ غفیر میں ادا کیا جائے' تقویٰ' خدا ترسی' پاکیزگی' سادگی اور مساوات کی اعلیٰ قدروں کا درس دیتی ہے ــــ ایک جیسا فقیرانہ لباس (احرام) عاجزی کی شان' دن رات ذکر و فکر' پابندی سے نمازیں' ذوق و شوق سے طوافِ کعبہ اور ایثار و قربانی کا شیوہ عطائے ایزدی ہی تو ہے جس سے وجود میں ایمان کی

Marfat.com

سلسبیل جاری ہو جاتی ہے۔

اب سے ساڑھے چار ہزار سال پہلے سب سے بڑے مُوَحِّد حضرت ابراہیمؑ نے نوعِ انساں کو صدا دی تھی ـــــ اللہ کے بندو، اللہ کے گھر کی طرف آؤ! زمین کے ہر گوشے سے آؤ! خواہ پیدل آؤ یا سواریوں پر، آؤ! بس چلے آؤ! ـــــ اور حرمِ پاک کا ہر مسافر اپنے ہر سانس کے ساتھ اس پکار کا جواب دیتا ہے ـــــ لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ۔ لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْک لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ! میں حاضر ہوں میرے اللہ، میں حاضر ہوں! تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں تیری طلبی پر حاضر ہوں۔ میرے اللہ، میں حاضر ہوں۔ ہر تعریف اور ہر نعمت تیری اور ہر حکومت بھی تیری۔ تیرا شریک ہر گز کوئی نہیں! ـــــ

اس پکار کا ایک ایک انگ من کی کھیتی کو سیراب کرنے کی ضمانت ہے کیونکہ اس کے جلو میں بندگانِ الٰہی، پاکیزہ ریاضتوں کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں جہاں گام گام پر عشق و سرمستی کی کیفیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ وہ از خود رفتہ ہوکر کبھی آستانِ کعبہ کو چومتے ہیں۔ کبھی بے قراری میں اس کے گرد سات چکر لگاتے ہیں (جسے طوافِ قدوم کہتے ہیں) کبھی مقامِ ابراہیم پر دور کعتوں کی سلامی دے کر جبینِ نیاز جھکاتے ہیں۔ یہی اضطراب انھیں صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑاتا ہے۔ آٹھویں ذی الحجہ کو وہ سپاہیوں کی طرح منیٰ میں جا چھاؤنی ڈالتے ہیں۔ نویں ذی الحجہ کو نمازِ فجر کے بعد میدانِ عرفات میں کیمپ لگاتے ہیں جہاں کمانڈر انھیں اگلے معرکے کی ہدایات دیتا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد مزدلفہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور شب بھر وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد دسویں ذی الحجہ کو طلوعِ صبح کے بعد پھر منیٰ کی طرف کوچ کرتے ہیں اور ان تین ستونوں پر کنکریوں سے چاند ماری کرتے ہیں جہاں تک بادشاہِ یمن، ابرہہ کا لشکر اللہ کے گھر کو مسمار کرنے کے لیے پہنچ گیا تھا۔ یوں ان کے اندر کا مجاہد طمانیت پاتا ہے اور ان کی بے کلی کو قرار آنے لگتا ہے۔ اس خوشی میں وہ جانور قربان کرتے ہیں، اپنے سر کے بال منڈواتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں۔ اچانک انھیں یاد آتا ہے کہ ہم اپنے رب کا شکر تو ادا کرلیں جس نے انھیں اس جدوجہد کی توفیق ارزانی کی۔ چنانچہ وہ صحنِ حرم میں پہنچ کر طوافِ زیارت سے دلوں کو تسکین دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اگر چہ معمول کی زندگی اختیار کرلیتے ہیں تاہم ان کے باطن کی آواز انھیں پھر سے کشاں کشاں منیٰ میں لے آتی

Marfat.com

ہے۔ وہ گیارہ' بارہ ذی الحجہ کو ان تینوں ستونوں کو دوبارہ کنکریوں کا نشانہ بناتے ہیں اور اس تاریخی واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں جب انبوہِ ابابیل نے اسی طرح سنگریزے برسا کر اصحابُ الفیل کو تباہ کر دیا تھا۔

اور پھر جلوہ گاہِ جمال سے جدائی کی المناک ساعتیں آن پہنچتی ہیں۔ آنسوؤں کی دھند میں لپٹی ہوئی آنکھیں کعبے سے ہٹنے کا نام نہیں لیتیں۔ ہاتھ حجرِ اسود کی جانب لپکتے ہیں۔ کپکپاتے ہونٹ اس کے بوسوں سے تھکتے نہیں اور لڑکھڑاتے پاؤں طوافِ وداع کیے چلے جاتے ہیں' اس آرزو میں کہ یہ برکتوں بھرا موسم روح و بدن اور دل و دماغ میں بس جائے اور وہ نعمت نصیب ہو جائے جسے رضائے الٰہی کہتے ہیں۔ مگر اس منزل کا راستہ نصب العین کی یک جہتی' جذبہ و احساس کی یک رنگی اور اہلِ اسلام کی یک دلی میں سے ہو کر نکلتا ہے ___ طاقتور اقوام جب بھی کہیں جمع ہوتی ہیں تو جنگ ناموں کا دیباچہ لکھا جاتا ہے جس کی روشنی میں خاک و خون کے افسانے ظہور میں آتے ہیں۔ ان مجالسِ اقوام میں کمزور انسانوں کے حق میں نفرت بھری تقدیریں رقم کی جاتی ہیں اور سازشوں کے جال بُنے جاتے ہیں۔ مگر حج وہ اجتماعِ عظیم ہے جہاں ہر سمت سے مختلف شکلوں' رنگوں' زبانوں اور لباسوں کے لوگ ایک شہنشاہ' اللہ کے دارالسلطنت' کعبہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں مہر و محبت' دلوں میں خلوص و وفا' باتوں میں عجز و انکسار اور اداؤں میں وقار و احترام کی مہک بسی ہوتی ہے۔ وہ سب ایک امام' ایک کلام اور ایک نظام کے مطابق حج کے رسوم ادا کرتے ہیں۔ یوں اتحاد و اتفاق کا نظریاتی فلسفہ بھرپور عملی روپ میں سامنے آتا ہے۔

عَلّامہ اقبال نے کہا تھا ___

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

سوال یہ ہے کہ مِلّتِ احمدِ مُرسل ؐ نے صدیوں پہلے منطقۂ عالَم پر جو لازوال نشان چھوڑے تھے' وہ محض کتابی حوالے کیوں بن گئے ہیں؟ ___ اسلام کے شیدائیوں کا شمار اب زندہ قوموں میں کیوں نہیں ہوتا؟ ___ گردشِ ایام کو ان کی حرارتِ ایمانی محسوس کیوں نہیں ہوتی؟ ___ ان کی لوحِ تقدیر پر کوئی حرفِ تازہ کیوں نہیں ابھرتا؟ ___ اور وہ حج کا نسخۂ کیمیا استعمال کرنے کے باوجود دین و دنیا کی سعادتوں سے محروم کیوں ہیں؟

Marfat.com

# اسلام کا تصوّرِ آخرت

یہ سوال اولادِ آدم کے لیے ہمیشہ سے دلچسپی کا باعث بنا رہا ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اس حوالے سے مختلف تصورات تراشے گئے۔ ایک طبقے نے سوچا کہ انسان بار بار اسی دنیا میں جنم لیتا ہے۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہوں تو اس کی روح پھر سے انسانی سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ شخص کوئی درخت یا جانور بن جاتا ہے۔ یہ عقیدہ جسے آواگون یا تناسخ کہا جاتا ہے' سراسر خلافِ عقل ہے کیونکہ اس طرح نہ تو یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کونسے اچھے اعمال ہیں جن کی بنا پر کوئی درخت یا حیوان انسانی شکل میں آجاتا ہے' نہ یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ کونسے بُرے اعمال ہیں جن کے سبب سے یہ حیوان یا درخت انسانی جسم سے محروم ہو گیا ہے۔ یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مختلف روپ کس تخلیقی عمل کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں؟

قدیم زمانے میں جب انسان کا شعور خام تھا' یہ سمجھا جاتا رہا کہ آدمی مرنے کے بعد فنا ہو جاتا ہے اور بس! نہ کوئی زندگی ہے نہ محاسبہ۔ یہ نظریہ چونکہ ایامِ جاہلیت کی پیداوار تھا لہٰذا اس پر بحث کرنا لاحاصل ہے مگر افسوس تو موجودہ مہذّب دنیا کے ان باشندوں پر ہے جو طبعی عمر کے اختتام پر زندگی کا کھیل ختم سمجھتے ہیں۔ ان کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ ___ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست! ___ یعنی کھاؤ' پیو' اور عیش کرو! اس احمقانہ طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان مادہ پرستی کے شکنجے میں جکڑا گیا ہے اور اس کی ساری دوڑ دھوپ محض دنیوی مفادات کے دائرے میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

انبیاءِ کرام نے موت کے بعد کی زندگی کا ایک واضح تصور پیش کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ یہ کائنات مکمّل نہیں' نہ یہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس کارخانے کی ہر شے ناقص بھی ہے اور ناپائیدار بھی۔ چونکہ ہر نامکمل شے اپنی تکمیل کا اور ہر فانی شے اپنی بقا کا تقاضا

Marfat.com

کرتی ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ ایک دوسرا جہان بھی ہو جہاں اس زندگی کی خرابیاں دُور کی جائیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگ یہاں آزادی سے برائی کرتے ہیں اور ان پر کوئی آنچ نہیں آتی بلکہ بعض ظلم و ستم کرنے والوں پر تو راحتوں کے دروازے کُھل کُھل جاتے ہیں۔ دوسری جانب یہ منظر دکھائی دیتا ہے کہ بھلے لوگوں کی نیکیاں رائگاں جاتی ہیں۔ وہ قدم قدم پر نقصان اٹھاتے ہیں اور ان کی دنیوی زندگی میں مشکلات و مسائل کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل مطالبہ کرتی ہے کہ ایک ایسا عالم ضرور ہو جہاں کوئی منصف ایسی عدالت قائم کرے جس میں انسانی اعمال کا جائزہ لیا جائے' جرائم کی صحیح بازپُرس ہو اور بھلائیوں کا ٹھیک صلہ دیا جائے۔ قرآن حکیم نے آخرت کے جواز کا اعلان کرتے ہوئے کہا ___ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ (المومن:۵۸'۵۹) جس طرح یہ ممکن نہیں کہ اندھا اور بینا یکساں ہو جائے' اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایماندار' نیکوکار اور بدکار برابر ٹھہریں۔ مگر تم لوگ بہت کم سمجھتے ہو۔ تمہیں اب تو یقین نہیں آرہا لیکن عنقریب تمہارا یہ شک دُور ہو جائے گا جب قیامت کی گھڑی آجائے گی اور برے بھلے کا امتیاز نمایاں ہو کر سامنے آجائے گا۔

اسلام کا تصوّرِ آخرت بڑی سائنسی بنیادوں پر قائم ہے۔ ہماری نگاہوں کے سامنے چیزیں ہر وقت بنتی' بگڑتی اور ختم ہو رہی ہیں۔ خود انسانی وجود بھی فنا کے گھاٹ اتر رہے ہیں۔ یہاں بڑی سے بڑی قوّت بھی محدود دائرے میں مصروفِ عمل رہ کر بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دنیا کو بھی دوام حاصل نہیں اور اس کا کسی روز ختم ہو جانا یقینی ہے ___ تصوّرِ آخرت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ نوعِ انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ خالقِ کائنات کے لیے یہ نہایت معمولی سا کام ہے کیونکہ اس دنیا میں زندگی بخشنے والے کے لیے آخرت میں زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ___ تصوّرِ آخرت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ جس طرح آڈیو اور ویڈیو کیسٹ پر آواز اور افعال کو نقش کیا جا سکتا ہے' اسی طرح اللہ کے ہاں بھی ہمارا ریکارڈ محفوظ ہو رہا ہے اور وہ یقیناً ہماری نگاہوں کے سامنے لایا جائے گا ___ تصوّرِ آخرت کا آخری پہلو یہ ہے کہ اس روز اچھے' بُرے اعمال کا صحیح فیصلہ دیا جائے گا ___ انسان اپنی تمام تر اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود غلط فیصلہ دے سکتا ہے اور دیتا ہے کیونکہ

Marfat.com

اس کے خام ذہن کے باعث اس کے تمام معیارات ناقص ہیں' چنانچہ عقل مطالبہ کرتی ہے کہ کائنات کے عظیم ترین منصوبہ ساز ــــ اللہ کے صحیح اور عادلانہ فیصلے کی کوئی گھڑی ہونی چاہئے تاکہ بھلے انسانوں کو نیکی کا پھل اور بُرے لوگوں کو بدی کا بدلہ ملے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ اس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے جس سے اسے کچھ فائدہ حاصل ہو۔ اس کے برخلاف وہ ایسی سرگرمیوں سے بچتا ہے جو اس کے لیے نقصان دِہ ہوں۔ اس دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو صرف وقتی فائدے کے لیے کوئی کام کرتے ہیں۔ وہ نیکی بھی محض دنیوی مفادات کے لیے کرتے ہیں۔ وہ بُرے بھلے کی تمیز کیے بغیر اپنا مطلب نکالنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف عاقبت اندیش لوگوں کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ اعمال کے عارضی فوائد پیش نظر نہیں رکھتے بلکہ مفادات یا نقصانات سے بے پروا ہو کر نیکی کرتے اور بدی سے پرہیز کرتے ہیں ــــ بس یہیں سے دنیاداروں اور اللہ والوں کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔ اہلِ دنیا اسی زندگی کے عارضی فائدوں کے لیے کوشاں رہتے ہیں جب کہ بندگانِ خدا آخرت کے دائمی فوائد کا خیال رکھتے ہیں۔

اسلام کا تصوّرِ آخرت' افراد کی تربیت واصلاح کے لیے اکسیر نسخے کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ۱۱۳ مرتبہ اس موضوع کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان میں ایک ذمہ دارانہ کردار پیدا کیا جائے۔ اس کی انفرادی واجتماعی زندگی کو ایسے اَخلاق کا پابند بنایا جائے جن کے ذریعے پاکیزہ' فرض شناس' دیانتدار' پُرامن اور منصف مزاج معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔ یہ کردار دراصل خوفِ خدا سے پیدا ہوتا ہے جو انسان کو اندر سے عملِ خیر پر ابھارتا اور شر سے روکتا ہے۔ یہ اس کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ دنیا کی زندگی کسی بھی لحاظ سے معتبر نہیں اور اسے ایک علیم وخبیر ہستی کے سامنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔ یہ نقطۂ نظر اس کی فکری وعملی اصلاح کا مُوجب ہوتا ہے۔ تب اس کی ذات میں ایک ایسی قوّتِ مُحرّکہ وجود میں آتی ہے جو اسے ناانصافی' مفاد پرستی' بددیانتی اور سنگ دلی جیسی بُری صفات سے بچاتی ہے۔ اس طرح انسان اس پاکیزہ روح کا مالک ہو جاتا ہے جسے حشر کے دن یہ کہا جائے گا ــــ يَاۤ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِیۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ــــ اے نفسِ مطمئن! چل اپنے رب کی جانب۔ آج تو اس سے راضی' وہ تجھ سے راضی۔ جا میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنّت میں داخل ہو جا!۔

Marfat.com

# دنیا میں آخرت کے گھر کی تیاری

انسان کے دو گھر ہیں ــــ ایک دنیا اور دوسرا آخرت۔ گھر وہ مقام ہوتا ہے جہاں آدمی سُکھ محسوس کرے۔ جو اس کے لیے پناہ گاہ کا کام دے اور اسے خارجی پریشانیوں سے نجات دلائے۔ مگر دنیا ایسا گھر ہے جہاں کسی بھی لمحے انسان کو سُکھ کا سانس لینا نصیب نہیں ہوتا ــــ تو ایسی دنیا جس میں آرام و سکون حاصل نہ ہو بلکہ ہر گھڑی کسی نہ کسی مسئلے، کسی نہ کسی دُکھ سے دوچار ہونا پڑے اور زندگی کے مسائل کسی کل چین نہ لینے دیں، کس کام کی ہے؟ میر انیس دنیا کی الم آفرینی پر دلچسپ تشبیہات سے روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں ــــ

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گُل ہے یہ گُل، بُوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست، مروّت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد، حلاوت نہیں جس میں
بے درد والم شامِ غریباں نہیں گذری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گذری

یہ دنیا بظاہر بڑی دلکش نظر آتی ہے مگر اس سے دل لگانے والا ہمیشہ دھوکا کھاتا ہے۔ اور جتنا کوئی اس سے دل لگاتا ہے، یہ اسے اتنا ہی دُور پھینکتی ہے، یعنی نت نئی الجھنوں میں ڈال کر اسے اللہ اور اعمالِ حسنہ سے غافل کر دیتی ہے۔ قرآنِ پاک نے زندگی کی حقیقت کو نمایاں کرتے ہوئے کہا ہے ــــ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ــــ دنیا کی ہر چیز دھوکا دینے والی ہے! ــــ انسان اس کے فریب کا شکار ہو کر خود کو روپے پیسے کے لالچ، ساز و سامان کی طمع اور اقتدار کی حرص میں گرفتار کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں اس کی زندگی

Marfat.com

سراپا الم بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کیفیت کو غالب نے نہایت حکیمانہ انداز سے شعری جامہ پہناتے ہوئے کہا ہے ___

قیدِ حیات و بندِ غم' اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی' غم سے نجات پائے کیوں؟

دنیا کے بارے میں حضورِ اکرمؐ کا ارشاد ہے ___ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ ___ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ قید خانے میں کوئی شخص خوش نہیں ہوتا۔ وہاں رہنے کے لیے ساز و سامان اکٹھا نہیں کرتا اور اس سے دل نہیں لگاتا بلکہ وہاں سے جانے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ وہ ہر امکانی کوشش کرتا ہے کہ اسے اس المناک جگہ سے چھٹکارا ملے۔ اسی طرح دنیا بھی ایک ایسی جگہ ہے جہاں قدم قدم پر مصائب و مشکلات ہیں اور کہیں عافیت نہیں۔ ہاں ایک طرح سے ہم کسی قدر پُرسکون رہ سکتے ہیں کہ دنیوی دھندوں سے چھٹکارا پا کر آخرت کی زندگی کے بارے میں غور و فکر کریں اور وہاں کے لیے نیکیوں' عبادتوں اور خدمتِ خلق کا سامان جمع کریں۔ کیونکہ اس فانی دنیا میں فکرِ آخرت کے علاوہ ہر کام فضول اور لاحاصل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ___ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ ___ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور کارگاہِ عمل ہے۔ اس زندگی میں انسان اپنی آخرت کو بہتر بنانے کے لیے جو کچھ کرے گا' وہی اسے فائدہ دے گا اور اس کی عزت اور خوش بختی کا باعث ہو گا۔

ہر بندۂ خدا انہی خطوط پر دنیا کی کارگاہِ حیات میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات پر قابو پاتا ہے۔ ظلم و زیادتی سے بچتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا احترام اور اپنے فرائض کا اہتمام کرتا ہے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ زندگی کا ایک ایک لمحہ صَرف کرتا ہے۔ اس سلسلے میں مصائب پیش آئیں تو پسپائی اختیار نہیں کرتا' نہ باطل قوتوں سے مفاہمت کرتا ہے بلکہ وہ تو بس رضائے الٰہی کی خاطر ہر آزمائش میں ثابت قدمی کو اپنا ایمان قرار دیتا ہے۔ ایک صاحبِ ایمان کی اس جدوجہد کو قرآن کریم نے "فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَات" کا عنوان دیا ہے یعنی بڑھ چڑھ کر نیکیوں میں مصروف رہو کیونکہ

آخرت میں عملِ نیک ہی کام آئیں گے
پیش ہے تجھ کو سفر' زادِ سفر پیدا کر

Marfat.com

یہ زادِ سفر پیدا کرنے کے لیے دَورِ اوّل کے مسلمانوں نے سخت جدوجہد کی۔ انہوں نے یہ بات ذہن نشین کر لی تھی کہ دنیا اور آخرت کا راستہ ایک ہی ہے۔ یہ دونوں منزلوں کو ملاتا بھی ہے اور دونوں تک پہنچاتا بھی ہے۔ اس راستے کا آغاز دنیا سے ہوتا ہے اور اختتام آخرت پر۔ ان دونوں جہانوں کا رابطہ عملِ خیر سے قائم ہوتا ہے اور اسی حوالے سے کامیابی کی ضمانت ملتی ہے۔ یہی ایک مومن کا حاصلِ زندگی ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ــــ "اگر قیامت کی گھڑی آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کسی پودے کی قلم ہو اور اسے اتنا وقت میسّر آجائے کہ اسے زمین میں لگا سکے تو اسے ضرور لگادے کیونکہ اسے اس بھلے کام کا اجر بھی ملے گا" ــــ مگر یہ اجر تو اِسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ ایک صاحبِ ایمان کا ہر عمل اخروی زندگی میں نجات حاصل کرنے کی جدوجہد پر مبنی ہوتا ہے اس لیے وہ نیک کاموں میں راحت محسوس کرتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآنِ مجید نے بشارت دی ــــ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ــــ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کی فکر رکھتا ہو' اس کے لیے دو جنّتیں ہیں۔ ایک جنّت اسے دنیا کی زندگی کے بعد ملے گی لیکن ایک جنّت اُسے اِسی دنیا میں حاصل ہوجاتی ہے کیونکہ نیک اعمال کرنے سے اس کے دل میں لذّت اور سرور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو درحقیقت بہشتی زندگی کی علامت ہے۔

Marfat.com

# فتح و نصرت جہادِ فی سبیل اللہ

ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں خطۂ عرب میں برپا ہونے والا عالمگیر اسلامی انقلاب اپنے جلو میں دو مقاصد لے کر آیا ــــ ایک یہ کہ تمام بندگانِ خدا کو گمراہی کے ان اندھیروں سے نجات دلائے جنھوں نے ان کے افکار و اعمال کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں ایسے مستحکم نظریات اور ابدی اصول و ضوابط ارزانی کرے جن پر کار بند ہو کر نسلِ انسانی دنیا و آخرت میں سرفراز ٹھہرے۔ ظہورِ اسلام کا دوسرا عظیم مقصد یہ تھا کہ ایک قوم وجود میں لائی جائے جسے عالمِ انسانیت کی قیادت سونپی جا سکے تاکہ اللہ کی زمین اس کی منشا کے مطابق صلح و سلامتی کا گہوارہ بن سکے ــــ داعئ اسلام محمد ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں ان دونوں مقاصد کو حاصل کر لیا۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جن کے ذہنوں میں اللہ کی ذات و صفات کا واضح تصور، دنیا میں انسان کا مقصد تخلیق اور مقام و کردار جاگزیں تھا۔ وہ زندگی کی ان اعلیٰ اقدار سے متصف تھے جنھوں نے ان کے سینوں میں عزیمتوں کی قندیلیں روشن کر رکھی تھیں۔

مسلمانوں نے روئے زمین سے ظلم و زیادتی کو مٹانے اور اسے گوشۂ راحت بنانے کے لیے بدی کے خلاف جس طویل جنگ کا آغاز کیا، اسے اصطلاح میں جہاد کہا جاتا ہے لیکن دینِ اسلام میں جہاد جنگ (War) کا ہم معنیٰ نہیں۔ جنگ دشمن کا سر کچلنے اور اسے ہر طرح سے برباد کرنے کے لیے لڑی جاتی ہے لیکن اسلام میں نوعِ انسان کی تباہی، ہوسِ ملک گیری یا حرصِ زر و سیم کے لیے جنگ کی قطعاً گنجائش نہیں بلکہ جہادِ فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ کے راستے میں خیر کے غلبے اور شر کو مٹانے کی انقلابی جدوجہد (Revolutionary Struggle) کا نام ہے۔ یہ جدوجہد زبان سے ہو یا قلم سے، علم و فن

Marfat.com

کے وسائل سے ہو یا مال و اسلحہ سے' معاشرتی میدان میں ہو یا رزم گاہِ قتال میں ___ اسلام کا مدّعا یہ ہوتا ہے کہ ظالمانہ نظام مٹ جائے اور عادلانہ نظام قائم ہو جائے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا ___ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ___ انسانیت اور اللہ کے دشمنوں سے لڑو اور ان کا صفایا کر دو' یہاں تک کہ فتنہ و فساد مٹ جائے اور اللہ کا دینِ امن و مساوات غالب آجائے! ___ اسی ارفع و اعلیٰ مقصدیت کے پیش نظر جہادِ فی سبیل اللہ کو ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ دیا گیا ہے۔

اسلام روئے زمین کے تمام انسانوں اور ان کی نسلوں تک کے لیے امن و محبت کا پیامبر بن کر نمودار ہوا تھا۔ چونکہ اس دینِ فطرت میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت موجود ہے لہٰذا اس نے اپنے پیروکاروں میں بین الاقوامیت کے روح پیدا کی اور انہیں یہ شعور دیا کہ مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے' کہ اللہ کے نافرمان بندوں کو اس کا فرمانبردار بنایا جائے اور عالم انسانیت کو ایسے معاشرے میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں صلح و آشتی کا دور دورہ ہو۔ چنانچہ مسلمانوں کی لشکر کشی مال و منال یا تخت و تاج کے حصول کے لیے نہیں تھی بلکہ حالات کے تقاضے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے دَور میں جب اسلامی حکومت مستحکم بنیادوں پر استوار ہو چکی تھی' ایرانی اسے محض ایک قبائلی طاقت سمجھ کر اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ ان کے احساسِ برتری کا عالم یہ تھا کہ شاہِ ایران خسرو پرویز نے نامۂ رسالت کو حقارت سے چاک کر دیا تھا۔ ان گستاخانہ رویّوں کے ردِ عمل میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیرِ قیادت ایران پر حملوں کا آغاز ہوا تاآنکہ حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہد تک قادسیہ' مدائن' نہاوند اور متعدد خونریز معرکوں کے بعد ۶۴۲ عیسوی میں ایرانی استبداد کا طلسم پاش پاش کر دیا گیا اور دریائے دجلہ سے کوہستان البرز اور ماوراء النہر تک اسلام کی روشنی جا پہنچی۔

عربوں کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیوں کی تھی جس کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا۔ قدیم زمانے سے ان کی عربوں سے رقابت چلی آتی تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں رومیوں کے اشارے پر ہی حبشہ کے عیسائیوں نے یمن میں نام نہاد کعبہ بنایا تھا۔ ظہورِ اسلام کے بعد اس رقابت نے دشمنی کا روپ دھار لیا اور ۶ ہجری میں سفیرِ رسول حضرت دحیہ کلبیؓ کو رومی علاقے میں لُوٹ لیا گیا جو حضور کا نامۂ مبارک قیصرِ روم کے پاس لے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے سفیر حارث بن عمرازدیؓ کو حاکم بصریٰ شرجیل بن عمر نے قتل کر دیا۔ ۹ھ

Marfat.com

میں رومیوں نے مدینے پر حملہ کا ارادہ کیا اور آنحضرت ﷺ کو مدافعت کے لیے نکلنا پڑا۔ لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی۔ انھی وجوہات کی بنا پر باقاعدہ جنگی تیاریاں کی گئیں اور رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زید کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ کا سانحۂ ارتحال پیش آگیا تاہم حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اسامہ کا لشکر روانہ کیا۔ یوں روم سے کشیدگی بڑھ گئی اور لڑائیوں کا آغاز ہوگیا۔ بعد میں اسلامی افواج نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ؓ کی قیادت میں رومی سلطنت پر جگہ جگہ سے دھاوا بول دیا اور دورِ فاروقی تک یرموک اور بیت المقدس کی جنگوں کے بعد فتحِ روم کے دروازے کھل گئے۔ حضرت عثمانِ غنی ؓ کے عہد میں مسلمانوں کی تگ و تاز کا عالم یہ تھا کہ برّاعظمی فاصلے سمٹنے لگے اور وہ ایشیا سے آگے بڑھ کر اسپین، طرابلس، اور غرناطہ تک پہنچ گئے۔

تاریخ حیران ہے کہ یہ محیّرالعقول واقعات کیسے رونما ہوئے؟ مختصر سی مسلم افواج نے آخر کس طرح ایران کے عیش پرست حکمرانوں سے زمامِ اقتدار چھین لی اور روم کے بدکردار ستم گروں کا تختہ الٹ دیا؟ ــــ کیا ان کے پاس افرادی قوت زیادہ تھی؟ ــــ کیا وہ جدید اسلحے سے لیس تھے؟ ــــ کیا انھوں نے رسل و رسائل کا اعلیٰ بندوبست کر رکھا تھا؟ اور کیا ان کے پاس سامانِ رسد کے وافر ذخائر موجود تھے؟ ــــ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں تھا! تو پھر یہ کرشمہ کیونکہ ظہور میں آیا؟ قرآنِ حکیم نے اس گتھی کو یوں سلجھایا ــــ هُوَالَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ....اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ۔ یہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں اپنی مدد اور مخلص بندوں کے ذریعے فتح سے ہمکنار کیا....اگر اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا" ــــ کیونکہ اسے گوارا نہیں کہ دنیا میں ظلم و تشدّد اور سیہ کاری کا سلسلہ جاری ہے اور بندگانِ خدا کو محکوم و مجبور بنا کر رکھ دیا جائے۔ اہلِ ایمان کے دلوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کے لیے ارشاد ہوا ــــ وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ــــ تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جنگ آزما نہیں ہوتے جنھیں کمزور پاکر نشانۂ ستم بنایا جارہا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے یہ حکمِ الٰہی گرہ میں باندھ لیا اور وہ اولادِ آدم کی مجبور آوازوں کا جواب بن کر بیتابانہ نکل کھڑے ہوئے۔

اللہ کی رضاجوئی اور اس کی مخلوق کی بھلائی کی خاطر زندگی وقف کرنے کا یہ تصوّر

Marfat.com

جہادِ فی سبیل اللہ کہلاتا ہے۔ جس کی خاطر قرنِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے قلتِ تعداد‘ مادی وسائل سے تہی دامنی اور اسلحے کی کمیابی کے باوجود ان تمام مادی و نظریاتی قوتوں کا منہ پھیر دیا جو انبوہِ انسانی‘ مال و دولت کی فراوانی اور ہتھیاروں کے انباروں کی شکل میں ان کے مدِ مقابل آئیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ جدوجہد ایک طرف تو اللہ کا اسمِ اعظم بلند کرنے اور اس کی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے تھی تو دوسری جانب صفحۂ ہستی پر موجود تمام انسانوں کو پُر امن بقائے باہمی کا درس دینے کے لیے تھی۔ اسی لیے مسلمان‘ عرب‘ روم و ایران کے معرکوں میں مادی و معنوی طاقتوں پر غالب آ گئے اور پھر اس قافلۂ سخت جان نے زندگی کے ہر میدان میں تگ و تاز کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیا۔ علوم و فنون میں کمال حاصل کیا‘ فنونِ حرب پر دسترس حاصل کی‘ تہذیب و ثقافت کی خوشنما روایات قائم کیں اور ثابت کر دکھایا کہ وہ زمین پر عظیم تر قوت کے مالک ہیں۔ یہ منصبِ امامت مسلمانوں کو اس لیے ملا کہ انہیں تائیدِ ایزدی حاصل تھی چنانچہ اللہ کا یہ فرمان سچا ہوا ___ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں‘ ہم انہیں دنیا و آخرت میں کامرانیوں کے رستے دکھائیں گے اور یاد رہے کہ اللہ ہر قدم پر اپنے مخلص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے!

Marfat.com

# شجاعت و استقامت

زمانۂ قبلِ مسیح کے ایک چینی جرنیل سَن زے (Sunzay) نے ایک کامیاب جرنیل کے کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسے جہاں کم تر اور برتر فوجوں کو لڑانے کا ہنر معلوم ہونا چاہیے' وہاں اس میں دشمن کی قوّت کا اندازہ کرنے اور خطرات کو بھانپنے کی اہلیت بھی ہونی چاہیے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ انتہائی نازک مواقع پر شجاعت و استقامت کا مظاہرہ کرے ___ یہ عسکریت کا دُنیوی معیار ہے مگر پیغمبرِ آخر الزمان محمد ﷺ اس معیار سے بلند تر نظر آتے ہیں۔ تمام فاتحین کہیں نہ کہیں ناکام ہوتے اور ہزیمت اٹھاتے ہیں مگر حضور ؐ نے شجاعت و استقامت سے ہر معرکہ سرکیا اور ان کے سربکف ساتھیوں نے بھی تمام حریف طاقتوں کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

شجاعت ایک ایسی قوت کا نام ہے جس کا اظہار بالعموم شدّت اور درشتی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اسلام سے قبل شجاعت اور ظلم یک رنگ تھے اور تشدّد' شجاعت کا منطقی نتیجہ ثابت ہوتا تھا۔ اسی لیے اکثر عوام دوست مذاہب نے اس اعلیٰ انسانی جوہر کے عملی اظہار کی حوصلہ شکنی کی۔ مگر پیغمبرِ آخرالزمان ؐ نے نہ صرف خود زندگی بھر شجاعت اور دلیری کا مظاہرہ کیا بلکہ اپنے پیروکاروں کو بھی یہ تعلیم و تربیت دی کہ قدرت کی عطاکردہ اس نعمت کو بھی دوسرے خداداد اوصاف کی طرح سلیقے سے استعمال کرنا چاہئے۔ یہ نیک سرشت انسانوں کا ہتھیار اور اخلاقیات کا سنگِ بنیاد ہے۔ اسی کے بل بوتے پر بے انصافی کو روکا جاتا ہے' حق کی مدافعت کی جاتی ہے۔ ہدایت اور گمراہی میں خطِ امتیاز کھینچا جاتا ہے اور روحِ جہاد تازہ رکھی جاتی ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو محمد رسول اللہ ﷺ بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ آپ ؐ کی حیاتِ طیبہ مشکلات و مصائب اور خطرات سے بھری ہوئی تھی مگر آپ ؐ نے ہمیشہ بے خوفی کا ثبوت دیا۔ بیسیوں لڑائیاں لڑیں مگر سب میں عزیمت کی

Marfat.com

راہ اپنائی۔

○ غزوۂ بدر میں ۳۱۳ نہتے مسلمانوں کو ایک ہزار مسلّح قریشی فوج کے مقابل لا کھڑا کرنا حضورؐ کی دلیری کا اعجاز ہی تو تھا۔ حضرت علیؓ شیرِ خدا کی بہادری ضرب المثل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بدر کے دن جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے دوڑ کر آپؐ ہی کی آڑ میں پناہ لی۔ اس روز آپؐ سے بڑھ کر کوئی شخص مشرکین کی صف کے قریب نہ تھا۔

○ غزوۂ احد کے موقع پر دشمنِ جان ابی بن خلف گھوڑا دوڑاتا' تلوار لہراتا اور صفیں چیرتا حضورؐ پر حملہ آور ہوا۔ صحابۂ کرامؓ نے اسے روکنا چاہا مگر آنحضرتؐ نے منع فرما دیا۔ آپؐ اپنے ایک جانباز سے نیزہ لے کر اس کی طرف بڑھے اور تیزی سے انی اس کی گردن میں چبھو دی۔ وہ چنگھاڑ مار کر پلٹا۔ لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں' تم اتنے خوفزدہ کیوں ہو۔ اس نے کہا مگر یہ زخم محمد ﷺ کے ہاتھ کا ہے۔

○ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک رات آواز آئی ___ "مدینۂ منوّرہ پر عیسائیوں نے ہلّہ بول دیا"۔ لوگ مقابلے کے لیے تیار ہونے لگے۔ لیکن جو شخص سب سے پہلے آگے بڑھ کر نکلا' وہ رسولِ خداؐ تھے۔ آپؐ گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار' تلوار سونتے' تن تنہا گشت لگا کر واپس آگئے اور لوگوں کو تسکین دی کہ خطرے کی کوئی بات نہیں۔

○ غزوۂ حنین میں قبیلہ ہوازن نے تیروں کی بارش کر دی تو مسلمانوں کا لشکر میدان سے بھاگ نکلا۔ مگر حضورؐ اپنے چند جان نثاروں کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے۔ اس موقع پر آپؐ کی زبانِ اطہر سے بے ساختہ یہ رزمیہ شعر جاری ہوا ___

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب اَنَا ابنُ عبدالمُطَّلِب

یعنی میں بلاشبہ سچا نبی ہوں اور عبدالمطّلب کا فرزند ہوں ___ آپؐ کی اس جرأت مندانہ للکار سے دوڑتے ہوئے مسلمان واپس آگئے اور انھیں اپنے دلیر سالار کی قیادت میں فتح نصیب ہوئی۔ اسی جنگ کے حوالے سے حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ جب لڑائی ہوتی تھی تو بخدا ہم لوگ آپؐ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔

تاریخِ عالم کا مطالعہ کریں تو بڑے بڑے فاتحین تک کبھی نہ کبھی میدان جنگ سے بھاگتے اور پسپا ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر محسنِ اعظمؐ نے ظلم کی آندھیوں' جنگ کے شعلوں' تلواروں کی چھاؤں اور خون کی ندیوں میں استقامت کی راہ اپنائی ___

Marfat.com

"استقامت" کے لغوی معنی ہیں ___ "سیدھا ہونا یا سیدھا چلنا" ___ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس بات کو درست سمجھا جائے' اس پر قائم رہا جائے۔ عزم و استقلال اور صبرو رضا دراصل استقامت ہی کے مظاہر ہیں۔ رسولِ اکرمؐ کی عظیم الشان شخصیت میں ان اوصاف واقدار کو درجۂ کمال پر دیکھا جاسکتا ہے۔ آپؐ' نہایت پامردی کے ساتھ ہر آزمائش سے سُرخرو ہوکر نکلے ___ قریشِ مکّہ جب آپؐ کو تبلیغِ اسلام سے باز رکھنے میں ناکام ہوگئے تو انھوں نے سیاسی اقتدار' زرو جواہر کے خزانوں اور دولتِ حسن و جمال کی پیشکش کی مگر آپؐ نے پائے حقارت سے سب کچھ ٹھکرا دیا اور یہ کہ کر تاریخ کے صفحات پر استقامت کی زریں مثال رقم کی کہ ___ "میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی میں اعلانِ حق سے باز نہ آوں گا"!

رسولِ کریمؐ کا اسوۂ حسنہ شجاعت و استقامت کا خوبصورت امتزاج ہے۔ ان صفات کی برکت سے مسلمان صدیوں تک دنیا دار قوّتوں سے برسرِپیکار ہے۔ وہ یقیناً روشنیوں کے سفیر اور صداقتوں کے علَم بردار تھے۔ انھی کے حصے میں قرآنِ مجید کی یہ بشارت آئی

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حٰمٓ السّجدہ ۴۱:۳۰)

جو لوگ یہ کہیں کہ ہمارا پروردگار تو بس اللہ ہے' پھر اس دعوے پر ثابت قدم رہیں' ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ ڈرو' نہ غم کرو بلکہ خوش ہو جاؤ اس جنّت کی خوشخبری سے' جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

# اللہ پر یقینِ کامل

دینِ اسلام ایک ایسا خطِ مستقیم ہے جس پر پیش رفت یقینی طور پر منزلِ حق تک پہنچاتی ہے لیکن اس راستے پر جگہ جگہ دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر دَھن، دولت، دھونس اور اذیّت کا سامنا کرتے ہوئے انسان کسی نہ کسی مقام پر حوصلہ ہار بیٹھتا ہے مگر مومن کا منصب یہ ہے کہ وہ پامردی کے ساتھ ہر کٹھن مرحلے سے سرخرو ہو کر نکلے۔ تاہم یہ سرخروئی انہی شخصیتوں کا نصیب بنتی ہے جن کے دل میں اللہ پر یقینِ کامل کے چراغ روشن ہوتے ہیں ___ یقین دراصل کتابِ عمل کا دیباچہ ہوتا ہے۔ اسی سے کامیابی کے دریچے کھلتے ہیں۔ جس قدر یقین پختہ ہوگا، اسی قدر اعمال کی عمارت مضبوط ہوگی اور آدمی کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی رُونما ہوتی جائے گی۔ وہ اللہ کو اپنا سہارا بنا کر سکونِ قلب کی لازوال نعمت حاصل کرلے گا۔ اللہ پر پختہ یقین اسے استقامت واستقلال جیسی صفات بخشے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے متزلزل نہ کر سکے گی۔ وہ مسائل و مصائب میں ثابت قدم رہے گا اور ہر قوّت سے ٹکرانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اللہ پر یقینِ کامل جن بندوں کے دل میں گھر کرلے، وہ ہر قسم کے تفکّرات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اسی ایقان کی ترجمانی کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی کہتے ہیں ___

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو ہُوا، ہُوا کرم سے تیرے
جو ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

اسلام دینِ فطرت ہے لہٰذا اس میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں میں بین الاقوامیت کی روح پیدا کی اور انہیں یہ شعور دیا

Marfat.com

کہ مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نافرمان بندوں کو اس کا فرمانبردار بنایا جائے۔ یوں عالمِ بشریت کو ایک ایسے معاشرے میں بدل دیا جائے جہاں صلح و آشتی کا دَور دورہ ہو۔ چنانچہ یہ کاروانِ وفا ان نام نہاد مہذّب دنیاؤں کی سمت روانہ ہوا جہاں وحشت و بربریت کا سکّہ جاری تھا اور ناموسِ آدمیت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ انہوں نے ایک طرف قادسیہ' مدائن' نہاوند اور متعدّد خونریز معرکوں کے بعد ۶۴۲ عیسوی میں ایرانی استبداد کا طلسم پاش پاش کر دیا تو دوسری جانب یرموک اور بیتُ المقدِس کی جنگوں کے بعد فتحِ روم کا دروازہ کھول دیا ___ حضرت عثمانِ غنیؓ کے عہدِ خلافت میں مسلمان ایشیا کی سرزمین پر تگ و تاز کرتے ہوئے اسپین' طرابلس اور غزنی تک پہنچ چکے تھے۔

نامور ماہرِ فلکیات مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب The 100 میں تاریخ کی سَو مؤثّر ترین شخصیات میں پیغمبرِ اسلام محمد ﷺ کو اوّلیت کا درجہ دیتے ہوئے مسلمانوں کی فتوحات کا تجزیہ یوں کیا ہے ___ "محمّد ﷺ کی عظیم الشان شخصیت نے عربوں کو پہلی بار اتحاد کے رشتے میں پرو دیا تو خدائے واحد پر یقینِ محکم اور حرارتِ ایمانی سے عربوں کی مختصر فوجوں نے تاریخِ انسانی میں فتوحات کے ایک حیرت انگیز سلسلے کا آغاز کیا۔ جذبۂ جہاد سے سرشار عربوں نے تاریخِ عالم کی عظیم ترین سلطنت قائم کی جس کی جغرافیائی حدود ہندوستان میں بحیرۂ اطلانتک تک پہنچی ہوئی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی روحانی فتوحات کا سلسلہ بھی اتنا بڑھا کہ کروڑوں افراد مشرّف بہ اسلام ہو گئے۔"

سوچنے کی بات ہے کہ یہ محیّر العقول واقعات کیسے رُونما ہوئے؟ مسلمانوں نے آخر کس طرح ایران کے طاقتور بادشاہوں سے زمامِ اقتدار چھین لی اور ردم کی وسیع و عریض سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا؟ یہ اس عزم و ہمت کا کرشمہ تھا جسے فوجی زبان میں "مورال" (Morale) کہتے ہیں۔ ایک دنیوی کمانڈر نے دنیا کی عظیم فتوحات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے ___ "اچھے کمانڈر کو اپنی ۷۵ فیصد توجہ اس امر پر مرکُوز رکھنی چاہئے کہ اس کے زیرِ کمان افسروں اور سپاہیوں کا اندازِ فکر کیا ہے؟" ___ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر فتح یا شکست کا انحصار ہے۔ درحقیقت سوچ کا انداز ہی راہِ عمل متعیّن کرتا ہے۔ اہلِ اسلام کی تمام فکری و عملی قوتوں کی روحِ رواں چونکہ اللہ پر یقینِ کامل ہوتی ہے اس لیے وہ کسی برتر مادی و غیر مادی طاقت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ ان کے کانوں میں ہمیشہ یہ بشارت رس گھولتی ہے ___ اِن یَّنصُرکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُم ___ اگر اللہ تمہاری مدد

Marfat.com

کو آجائے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے قلتِ تعداد' مادی وسائل سے تہی دامنی اور اسلحے کی کمیابی کے باوجود ان تمام مادی ونظریاتی قوّتوں کا منہ پھیر دیا جوانبوہِ انسانی' مال ودولت کی فراوانی اور ہتھیاروں کے انباروں کے ساتھ ان کے مقابل آئیں۔ ان عظیم الشان کامرانیوں کے دو اسباب تھے:

(۱) ایک یہ کہ انہیں یقین تھا کہ مادی وسائل کامیابی کا وسیلہ نہیں بلکہ تصرّف تدبیر کا سارا اختیار اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ اسی تیقّن کا اعجاز تھا کہ جنگِ بدر سے لے کر ایشیا یورپ اور افریقہ کے ہر معرکہ زار میں گنے چُنے مسلمان ان بڑے بڑے لشکروں پر غالب آئے جن کا مورال بلند رکھنے کے لیے باطل پرستوں نے تمام مادی ذرائع جھونک دیے تھے۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ اہلِ اسلام پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ موت کا ایک وقت معیّن ہے اور زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے' اسے واپس لے سکتا ہے۔

اپنے بندوں کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر اللہ نے ان کا مورال بلند کردیا۔ ان کی دلوں سے موت کا خوف مٹا دیا۔ انہیں بار بار حوصلہ دیا کہ اپنے خالق ومالک پر یقین رکھو گے تو کامیابی تمہارا مقدّر ہوگی۔ اسی لیے ہر مردِ مومن کا مطمحِ نظر یہ قرار پایا ـــــ

کچھ لہو اور کہ اس شمع کا شعلہ نہ بجھے
حرفِ حق زندہ رہے یارو' ہمارا کیا ہے؟

گھر ہو یا میدانِ جنگ' خوشی ہو یا رنج و غم' یہ امانت لوٹانے میں پس وپیش کرنا مومن کا شیوہ نہیں۔ ان کی جدوجہد کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اَلسَّعْیُ مِنَّا وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ ـــــ کوشش ہماری ہے اور اس کی تکمیل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

Marfat.com

# گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن

ہم ایک ایسی کائنات میں جی رہے ہیں جو تضاد واختلاف سے عبارت ہے۔ دن کا نورانی چہرہ رات کی قبا چاک کر کے نمودار ہوتا ہے تاریکیٔ شب، سورج کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے۔ صبح وشام کے اسی اختلاف سے زندگی کا قافلہ آگے بڑھ رہا ہے اور نُور وظلمت کے حسین امتزاج سے وقت کا لامتناہی سفر جاری ہے۔ اس نے ایک طرف ماضی ومستقبل کے متضاد زمانوں کو لمحوں کی زنجیر سے باندھ رکھا ہے تو دوسری جانب ایک ساعتِ رواں سے حال کو جنم دے رہا ہے۔ خلا کی چھاگل اَن گنت چھوٹے بڑے روشن اور ماند ستاروں سے چھلک رہی ہے۔ چاند اور سورج بھی منفرد اُسلوب میں تابانیاں بکھیر رہے ہیں اور اللہ کے کمالِ تخلیق کا اظہار ہو رہا ہے ـــــ قرآن میں ارشاد ہے ـــــ اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (آل عمران ۳:۱۹۱) ـــــ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں اہلِ دانش کے لیے دلائل ہیں۔

فطرت کے عجائبات پر غور کیجئے ـــــ کشادہ آسمان کے سائبان تلے محدود ومختصر سیّارۂ زمین، ساکن پہاڑوں کے دامنوں میں متحرک چشمے، گُم صُم وادیوں میں گیت گاتے پرندے، خاموش فضاؤں میں چیختی چلّاتی ہوائیں، خشک صحراؤں میں سرسبز جھومتے نخلستان، کانٹوں کے پہرے میں مسکراتے ہوئے خوشنما پھول ـــــ سب اختلافِ زیست کے کرشمے ہیں جنہیں دستِ قدرت نے احسنِ تقویم کی اکائی میں پرو رکھا ہے۔ یہاں ہر شے کو انقلاب، جدّت اور نمو پذیری کا سامنا ہے۔ عالمِ امکانات میں "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کا سرمدی زمزمہ گونج رہا ہے۔ اللہ کی قدرت ہر لحظہ ایک نئی شان سے ظُہور میں آ رہی ہے۔ قدیم کے مقابل جدید قوتیں ظہور کر رہی ہیں اور شاخِ فنا پر بقا کی تازہ کونپلیں پھوٹ رہی ہیں۔

Marfat.com

ہماری زندگی بھی تضاد و اختلاف کا مرقع ہے- جو پیدا ہوا' اُسے مرنا ہے- جو ہنسا' اسے رونا ہے- ہم کھو کر ہی کچھ پاتے ہیں اور ناکام ہو کر ہی کامرانی کی منزلیں سر کرتے ہیں- عزّت وذلت' راحت ورنج' رحم وستم' ظاہر وباطن ـــــ سب بابِ حیات کے رنگین ابواب ہیں- اختلاف ہی نسلِ انسانی کی داستان کا عنوانِ جلی ہے- پتھر کے زمانے سے اس سائنسی دور تک آدم زاد نے ارتقاء کا جو سفر طے کیا ہے' اس میں بھی یہی قوّت کارفرما رہی ہے- تاریخ انسانی کا اوّلین "کولمبس" وہ شخص تھا جس نے اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر اجداد کے تمدّنی نظام سے انحراف کیا' غاروں کو چھوڑا اور نئی دنیاؤں کی دریافت کے لیے اپنے خاندان اور قبیلے کو خیرباد کہ دیا- اس کی دیکھا دیکھی دوسروں کے قدم بھی اجنبی راستوں پر اٹھتے گئے- حالات واشیاء کی کایا پلٹنے لگی- جدّت طرازیوں کا جادو بولنے لگا' کشف کے در کھلتے گئے ـــــ جھونپڑے' گھر' ڈیرے' گاؤں' بستیاں' مَعبَد' کارخانے' شہر اور ملک بستے گئے- جمود کے مقابل حرکت اور توہّم کے برعکس تیقّن کے چراغ جلنے لگے اور شاخِ حیات تہذیب کے رنگارنگ پھولوں سے لَد گئی-

ارتقاءِ انسانی درحقیقت ایک طویل اور کٹھن جدوجہد کا حاصل ہے جو انسان کو دو متخالف محاذوں پر کرنی پڑی ہے ـــــ ایک جانب قدرتی مشکلات ہیں جنہیں وہ اپنی ذہنی' جسمانی اور روحانی قوتوں کی بدولت حل کر رہا ہے- دوسری طرف اس کی راہ کا بھاری پتھر خود اس کی ذات ہے' جس نے مادی وفکری ترقی کے باوجود ابھی تک اپنی انا کے مختلف مظاہر کو معبود بنا رکھا ہے- ان میں رنگ ونسل کے امتیازات' لسانی وعلاقائی اختلافات اور جامد روایات واعتقادات شامل ہیں- یہ منفی رویّے' مثبت اقدارِ حیات کی حرارت چھین کر آفاقی معیارات کے چراغ گُل کر رہے ہیں- اس طرح اللہ کی مخلوق جہالت' گمراہی اور ظلم وستم کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہی ہیں-

تمام مذاہبِ عالم میں صرف اسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ نسلی' جغرافیائی اور ثقافتی اختلافات سے بالاتر ایک ایسی عالمگیر انسانی برادری کی تشکیل کرنا چاہتا ہے جس کے حوالے سے مخلوقِ خدا امن وسلامتی کے گہوارے میں زندگی بسر کر سکے- اس دین کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ کسی شخص یا قوم کی بڑائی کا معیار فقط تقویٰ ہے - اسلام کے رہبرِ اعظم حضرت محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو یک رنگی کا ایسا انداز عطا فرمایا جو جمہوریت ومساوات کی قدیم وجدید تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتا- حضورؐ کے پروٹوکول کا عالم یہ تھا

Marfat.com

کہ آپ کالے، گورے، عربی، عجمی، عالم، اُمّی اور امیر و غریب اصحاب کی محفل میں بلاامتیاز اس طرح تشریف فرما ہوتے کہ اکثر نووارد ملاقاتی کو پوچھنا پڑتا کہ تم میں محمد ﷺ کون ہیں؟ ___ آپؐ کشادہ دروازے کی طرح بلا تفریقِ مذہب و ملّت سب کا پُرتپاک استقبال کرتے۔ آپؐ اس پروردگار کے سچّے پیروکار تھے جو منکروں کو بھی رزق دیتا ہے۔ جس نے اپنے اور اپنی مخلوق کے دشمن ابلیس کو بھی زندہ رہنے کا حق دے رکھا ہے۔ اس کے پیدا کردہ نظامِ شمسی کے متنوّع اجرامِ فلکی مختلف محوروں پر رواں دواں ہیں۔ وہ آپس میں ٹکراتے ہیں، نہ دوسروں سے متصادم ہوتے ہیں ___ اگر ایسا ہو تو حشر برپا ہو جائے۔

اللہ کی فراخ کائنات ہمیں وسیع القلبی کا درس دیتی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں افراد کے درمیان اختلاف ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم مظاہرِ قدرت کی طرح ہمیں بھی دوسروں کے افکار و نظریات کا پاس کرنا چاہیے۔ کیا ہم ایک مرغی سے بھی گئے گذرے ہیں جو اپنے رنگارنگ بچوں کو بلا تکلّف اپنے پروں کے نیچے سمیٹ لیتی ہے؟ یہ صحیح ہے کہ ہمارے طبائع جداگانہ، خواہشیں متضاد اور سوچوں کے دھارے الگ الگ ہیں، مگر ایک دوسرے کو خوش دلی سے برداشت کرنا عالی ظرفی کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی عالی ظرفی کا فیضان تھا کہ پہلی صدی کے وسط سے چوتھی صدی کے آغاز تک فقہ اسلامی کے اُنتیس مختلف مذاہب سامنے آئے۔ فقہاء نے اپنی اجتہادی کاوشوں کو حرفِ آخر نہیں جانا بلکہ ہم عصر فقہاء اور شاگردوں کی اختلافی آراء کو نگاہِ تحسین سے دیکھا۔ وہ ٹھنڈے دل سے ایک دوسرے کی رہنمائی کے طالب رہے۔ تعصّب کا نام تک نہ تھا۔ ان کا حال فرانسیسی فلسفی والٹیر جیسا تھا جس نے اپنے مُعاصر فلسفی روسو کی تالیف نذرِ آتش کیے جانے پر بطورِ احتجاج کہا تھا ___ "جو کچھ آپ کہتے ہیں، مجھے اس کے ایک حرف سے بھی اتفاق نہیں ہے لیکن میں اس بات کے لیے اپنی جان دے دوں گا کہ آپ کو اظہارِ رائے کا حق حاصل رہے۔"

رسول اللہؐ کے قولِ مبارک ___ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ ___ میں جس اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا ہے، اس کا تعلق بالخصوص اسلام کے فلسفۂ علم و حکمت سے ہے جس نے انسانی ارتقاء کا منشور پیش کیا۔ تعلیم و تعلّم دراصل قوسِ قزح سے رنگ کشید کرنے کا نام ہے جسے دوسرے لفظوں میں انتقادِ حیات کہتے ہیں۔ اس عمل میں استدلالی اسلوب حقائق کے دریچے کھولتا ہے۔ اسرارِ جمال منکشف اور صداقتیں بے نقاب ہوتی ہیں۔ اس

Marfat.com

کی مثال پھولوں اور پتوں سے سجی شاخوں جیسی ہے جو کسی تروتازہ شجر سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ اگر درخت سے ٹہنیوں کا رابطہ ٹوٹ جائے تو برگ وگل کا سارا منظرنامہ خواب ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ وہی اختلاف سودمند ہو سکتا ہے جو تمام افراد کو مرکزِ ملّت سے منسلک رکھے اور مذہبی معتقدات' معاشرتی رجحانات اور علاقائی تعصبات کے حوالے سے ان کا شیرازہ بکھرنے نہ دے۔

"عظیم انسان اختلاف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ زندگی کا وسیع تر اختلاف زندگی کا حسن ہے اور خالق نے زندگی کو اختلاف کے زیور سے مزیّن فرما کر اسے دلکشی بخشی ہے۔ ایک گھر میں پیدا ہونے والے اور ایک چھت کے نیچے پرورش پانے والے ایک اندازِ فکر نہیں رکھتے۔ ایک دسترخوان پر پلنے والے ایک جیسا ذائقہ نہیں رکھ سکتے۔ دنیا کی طرف رجوع کرنے والے اور آخرت پر نگاہ رکھنے والے الگ الگ رہیں گے۔ بھلا سونے والے اور جاگنے والے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ساری دنیا فوج نہیں بن سکتی کہ ایک ہی وردی میں ملبوس ہو۔ دنیا میں لباس الگ الگ رہے گا' مزاج الگ الگ ہوگا' رنگ الگ الگ ہوگا' عقیدے مختلف رہیں گے" ☆ ___ لہٰذا ہمیں فطرت کے ہر روپ کا احترام کرنا چاہئے کیونکہ ___

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

☆ دل دریا سمندر ___ واصف علی واصف

Marfat.com

# اسلام ـــــ انسانی آزادی کا علمبردار

آج سے سوا چودہ سو سال پہلے غارِ حرا میں ایک سرمدی آواز گونجی ـــ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ـــ اے محمد ﷺ! پڑھئے اپنے رب کے اسمِ اعظم سے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ یہ کوئی روایتی الہام نہیں تھا جو کسی ہنگامی صورتِ حال میں انسان کو روشنئ فکر عطا کر دیتا ہے مگر پھر دھندلکے، وجدان کو گھیر لیتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بشارت بھی نہیں تھی جو ساعتوں میں کھُل کر چند لمحوں کے لیے طمانیتِ قلب کا باعث ہو اور پھر سنّاٹے چھا جائیں۔ یہ محض ایک جملہ نہیں تھا جو چند ساعتوں تک کسی خیال کی ترسیل کے بعد فضا میں تحلیل ہو گیا۔ یہ تو ایک آفاقی پیغام تھا جو بین السّطور وہ عرفانی صداقت سموئے ہوئے تھا جس نے زوالِ آدمِ خاکی کی اصل الاصول ـــ "جہالت" پر ضرب لگائی کیونکہ اسی سے ذہنی، جسمانی اور روحانی آزادی کا خاتمہ ہوتا ہے اور شرفِ انسانیت کا وہ اعزاز چھن جاتا ہے جس کے باعث انسان کو کائنات کی امامت سونپی گئی تھی۔ قرآنِ حکیم میں عظمتِ آدم کو کئی زاویوں سے اجاگر کیا گیا ہے ـــ

○ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا (بنی اسرائیل: ۷۰)

ہم نے اولادِ آدم کو بزرگی بخشی، خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں، پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی ـــ

○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین: ۴) ـــ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ـــ

ان ارشادات سے پہلے انسان کو فطرۃً خطاکار اور بُرائی کا پتلا قرار دیا جاتا تھا۔ آریہ مذہب کا یہ عقیدہ کہ انسان کی خِلقت ہی میں گناہ کا بیج بو دیا جاتا ہے، سراسر خلافِ عقل

Marfat.com

ہے' کیونکہ اگر خمیرِ انسانی میں گناہ موجود ہے تو گناہ کا سرزد ہونا اس کا فطری تقاضا ہوا' جس کے نتیجے میں اسے جرم و عصیاں کی کھلی چھٹی مل گئی۔ اس نقطۂ نظر نے دنیا میں بدی کو رواج دیا' رنگ و نسل اور زبان و مذہب کے امتیازات کی نمود ہوئی اور زبردستوں نے زیردستوں کے ساتھ ظلم و استبداد کا کھیل کھیلا۔ چشمِ تاریخ نے طاقتوروں کے بے محابا جرائم کو اسی بنا پر پنپتے دیکھا۔ قیصر و کسریٰ نے اسی اساس پر انسانوں کی تذلیل و تحقیر کا بازار گرم کیا۔ اپنے جیسے آدم زادوں کے ہاتھوں کو زنجیروں میں جکڑا' پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں اور گردنوں میں چوبی و آہنی طوق سجا دیے ــــ ان کی دیکھا دیکھی مذہبی آقائیت نے بھی انسانوں کے خیالات و جذبات کے خوبصورت آزاد پرندوں کا شکار کھیلا ــــ یہی نہیں بلکہ دولت مندوں کو بھی شہ ملی کہ وہ بھی مخلوقِ خدا کی سانسیں اور دھڑکنیں تک خرید لیں۔ یوں کتابِ دنیا پر غلامی کا نقشِ اوّل ابھرا۔ مطلق العنانیت کے نشے سے سرشار لوگوں نے کمزور افراد' بے بس قبیلوں اور لاچار قوموں کو غلام بنا کر ان سے جینے کی ہر سبیل چھین لی۔ ذاتوں' برادریوں کی تشکیل سے اونچ نیچ کا زہر پھیلایا اور نام نہاد اشرافیہ کا ادارہ قائم کر کے انہیں مسندِ اقتدار پر لا بٹھایا۔ ستم یہ ہوا کہ اس ذلّت آمیز طرزِ عمل کی پُشت پناہی' دانش و حکمت کے علمبرداروں نے کی ــــ ارسطو نے اپنی کتاب "سیاسیات" میں لکھا ــــ کچھ لوگ طبعاً غلام پیدا ہوتے ہیں اور کچھ آزاد' اس لیے جس شخص کو غلامی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے' اسے غلام بنا لینا ہی بہتر ہے۔ عدل و انصاف بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے!

تذلیل و تحقیر کی اس فضا میں پیغمبرِ اسلام ؐ نے عظمتِ انسانی کا پرچم بلند کرتے ہوئے فرمایا ــــ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ــــ انسان تو فطرتِ الٰہی پر پیدا ہوتا ہے جو سراپا خیر ہے لہٰذا اس نے اپنی مخلوق کو بھی سلیم الفطرتی سے نوازا ہے۔ اس کی اٹھان ہی خیر اور نیکی کے خمیر سے ہوئی ہے۔ انہی فطری تقاضوں کو بتمام و کمال پورا کر کے وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ وہ فطرۃً آزادی کا تمنّائی ہے۔ اسلام نے اس کی اس آرزو کو اس کا حق ٹھہرایا ہے۔ وہ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز روا نہیں رکھتا۔ غیر مسلم بھی اسلامی ریاست کے زیرِ سایہ اسی طرح آزادی کا سانس لیتے ہیں جیسے مسلم۔ مسلمان فاتحین نے مفتوحین کے حقوق کا ہمیشہ احترام کیا' ان کے مال و منال کا تحفظ کیا' ان کی عزّت و ناموس پر حرف نہ آنے دیا' ان کے رسم و رواج اور نظامِ معاشرت کو بحال رکھا اور ان کے مذہبی مراکز پر کوئی نگاہِ غلط انداز نہ پڑنے دی۔ مگر عالمِ انسانیت کی بدنصیبی کہ وہ اسلام کی برکات سے

Marfat.com

محض چند صدیوں تک استفادہ کر سکا اور پھر اسی مطلق آزادی کی بھینٹ چڑھ گیا جس نے ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم کو روئے زمین پر رواج دیا تھا۔

دراصل انسان کا ایک مسئلہ ایسا ہے جس سے اس نے کبھی نجات نہیں پائی۔ وہ اگرچہ اپنے سینے میں اختیار و آزادی کا چراغ جلائے ہوئے ہے مگر یہ اتنی مدّھم روشنی دیتا ہے کہ اختیار و آزادی کی قوّتیں اظہار کا روپ نہیں دھار سکتیں۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ انسان ساختہ سماجی ضابطے' عدالتی قوانین' ثقافتی رجحانات اس کے راستے کا پتھر بنے رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اخلاقیات کا نظام تک ناقص العقل اور ناقص العلم انسان کا مدوّن کیا ہوا ہے۔ ان عوامل نے آزاد منش لوگوں کو اپنے شکنجے میں اس بُری طرح جکڑ رکھا ہے کہ نہ تو ذہنی بالیدگی جنم لیتی ہے اور نہ کسی ردِ عمل کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جہاں جہاں یہ المیہ رونما ہوا ہے' گھٹے ہوئے ماحول میں انسانوں کے دماغ ماؤف ہو گئے ہیں' جسم و جاں میں بے حسی کے خار زاروں نے نمو پائی ہے اور موقع پرستوں کو مَن مانی کرنے کی کھُلی چھُٹی مِل گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسانوں کی قانون سازی کے حق کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا کیونکہ ایک طرف تو آدمی ناقص الفہم ہونے کے باعث فطرتِ انسانی کے علائم و رموز کو سمجھنے سے قاصر ہے اور اس کے تقاضوں سے کماحقہ' باخبر نہیں ہو سکتا' دوسرے اس پر خود پسندی اور مفاد پرستی غالب رہتی ہے۔ چنانچہ وہ عدل و انصاف' مساوات اور حرّیتِ فکر و عمل جیسی قدروں کو ملحوظ رکھ ہی نہیں سکتا۔

اس تناظر میں اسلام نے قانون کی تشکیل اس ہستی کو سونپی ہے جس نے انسان کو اپنی بے پایاں رحمت و محبت کے جلَو میں تخلیق کیا۔ اس کی ذاتِ والا صفات اپنے ساختہ قانون میں انسان کی ان خوابیدہ امنگوں تک کا احاطہ کرنے کی قدرت رکھتی ہے جنہیں اس نے خود فطرتِ انسانی کا جزو بنایا ہے۔ وہ بے غرض ہے اس لیے انسان کو دنیا میں آزادی سے زندہ رہنے' آزادی سے کام کاج کرنے اور آزادی سے ترقی کی منزلوں تک پہنچنے کا موقع فراہم کر سکتا ہے۔ اور وہی سچا فرمانروا ہے جو اپنے بنائے ہوئے قانون ــــ قرآن کے ذریعے نوعِ بشر کو بدمستوں کے نرغے سے آزاد ہونے کی نوید سنا سکتا ہے ــــ

شانِ جمہوری' نہ اوجِ کجکلاہی چاہیے
جس کے بندے ہیں' اسی کی بادشاہی چاہیے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد تنہا نہیں چھوڑا کہ کوئی سرکش گروہ اس کی آزادی پر ڈاکا ڈال کر اسے اپنا غلام بنالے اور اسے بادشاہوں کے بادشاہ کے دامنِ عفو وکرم سے محروم کر دے۔ انبیاءِ کرام اسی نصب العین کے تحت تشریف لائے کہ بندگانِ خدا کو غلامانِ بشر نہ بننے دیں' استحصال کی تیرگی میں چھپی ہوئی شعوری شاہراہوں کو روشن کریں' ان کی فطرتِ صالحہ کو بیدار کریں تاکہ وہ خود اٹھ کر سطوتِ شاہی کے جادوئی حلقے کو توڑ ڈالیں۔ داعیِ اسلام حضرت محمد ﷺ نوع انسان کے محسنِ اعظم ہیں کہ انہوں نے انسانی آزادی کے اس کُھلے دشمن کو للکارتے ہوئے فرمایا ــــ لَاتَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضًا اس طرح مت اٹھا کرو جیسے عجمی لوگ بعض افراد کی تعظیم کی خاطر کھڑے ہو جاتے ہیں ــــ ان فرامین کا دو ٹوک لہجہ انسانی عزّت و حُرمت کی قوسِ قزح کے سات رنگ اجالتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ــــ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ــــ دین میں زبردستی نہیں کہہ کر انتہائی رواداری اور نرمی برتنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ انسانی آزادی پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں حضورؐ سے کہا گیا ــــ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ــــ اگر لوگ سمجھانے پر بھی حق سے منہ موڑ لیں تو آپؐ پر کوئی ذمے داری نہیں ــــ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ــــ آپؐ کا کام تو صرف سمجھانا ہے' قبولِ اسلام کے لیے جبر کرنا نہیں۔

انہی تعلیمات کا ثمرہ تھا کہ خطۂ عرب میں دنیا کے اوّلین مہذّب' متمدّن اور آزاد معاشرے کی بنیاد پڑی۔ خلفاءِ اسلام نے انہی اعلیٰ قدروں کا تحفظ کرتے ہوئے حکومتی اداروں کے مناصب واختیارات میں توازن پیدا کیا تاکہ اقتدار کسی فردِ واحد کی ذات میں سمٹ کر اسے بے لگام اور بدعنوان نہ بنادے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ تاریخِ عالم میں اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے پہلی مرتبہ انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ الگ اداروں کی حیثیت دی اور ان پر احتساب کی تلوار لٹکا دی۔ انہوں نے آزادیٔ انسان کا پرچم اس قدر بلند کیا کہ مصر کے گورنر عمرو بن العاص کے فرزند کی زیادتی پر اسے مظلوم کے ہاتھ سے سزا دلوائی اور انتہائی غم وغصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ــــ "تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنالیا' حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جَنا تھا"!

اسلام نے درحقیقت انسان کو اپنی صالح فطرت سے صحیح اور غلط' سچ اور جھوٹ اور حق وباطل میں تمیز کرنے پر آمادہ کیا۔ اسے ارادے کی آزادی دی تاکہ وہ ٹھوس وجدانی

Marfat.com

تجربے کی گھاٹی سے خود گذرے۔ تبھی وہ تاریک درے سے نکل کر روشنی کی سلسبیل تک پہنچ سکتا ہے۔ وجدانی دنیا کے اسی آزادانہ سفر نے مسلمانوں پر علوم وفنون کے اسرار کھولے جن سے فیض پا کر یورپ کے درمند مصلحین نے سیاسی ومذہبی آمریّت کو للکارا۔ جرمنی کے عیسائی عالم مارٹن لوتھر (۱۵۴۶ء) نے پاپائی استکبار کے خلاف اصلاحِ کلیسا کی تحریک شروع کی اور یہ بھی حریّتِ فکر کے مُنادی مسلمانوں ہی کا احسان تھا کہ مغربی دنیا میں علمی وثقافتی نشأۃِ ثانیہ کی ابتدا ہوئی اور احیاءِ علوم کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

سوچنا، سمجھنا اور فیصلہ کرنا انسان کا حق ہے مگر سچائی کو قبول کرنا اس کا فرض کیونکہ اسی میں اس کی اور اس کے ہم جنسوں کی بھلائی ہے۔ یہ نہ ہو کہ وہ یورپی استعمار پسندوں کی طرح محض اپنے حقِ آزادی کو استعمال کرتے ہوئے گلچین بن جائے اور انسانی قدروں کے پھولوں کو نوچنا شروع کردے۔ وہ ایسا صیّاد بھی نہ بننے پائے جو دوسروں کے جسم وجان، مال واسباب، وقار واحترام اور مفادات کو نشانے پر رکھ لے۔ یہ انسانیت نہیں، وحشت ہوئی جس سے کام لے کر بڑے جانور، کمزور جانوروں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں یا بڑی مچھلیاں، چھوٹی مچھلیوں کو اپنا رزق بنا لیتی ہیں۔ یہ آزادئ مطلق کا شرمناک حاصل ہے جو حرص وہوس کی غلامی پر مُنتج ہوتا ہے۔ علاّمہ اقبال اسی بے مہار آزادی کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں ــــــ

مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں گرفتاری

آزادی سب سے اعلیٰ اخلاقی قدر ہے۔ جس کی اوّلین عطا یہ ہے کہ وہ ہماری خودی، خودداری اور خود آگاہی کی نشوونما کرتی ہے۔ یہ ارفع واعلیٰ خصوصیات سیرت وکردار کو جلا بخشتی ہیں تو عزت کے ساتھ جینے کا سلیقہ میسر آتا ہے اور فرد ذاتی انا کی بجائے اجتماعی انا کو پیشِ نظر رکھنے کا قرینہ سیکھتا ہے۔ تب انفرادیت، اجتماعیت میں مُدغم ہو جاتی ہے اور اخوّت کی جہانگیری سے ماحول مہک اٹھتا ہے ــــــ وقت کی آنکھ نے پانچ صدیوں تک اس خوشحال اور فلاحی معاشرے کا منظر دیکھا ہے۔ آج بھی اگر اسلامیانِ پاکستان اس عمرانی اصول کو سامنے رکھیں کہ ذاتی وانفرادی مفاد کو تج کر، قومی مفاد کو ملحوظ رکھنا ہے تو آزاد بندوں کی یہ دنیا مساوات ومحبت، تنظیم ویقین اور ایثار واتحاد جیسی اعلیٰ قدروں سے جگمگا اٹھے گی! انشاء اللہ!

Marfat.com

# فلاحِ معاشرہ کا اسلامی تصوّر

پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا' اس کا نصب العین آدم زاد کی باطنی دنیا کا نقشہ بدلنا اور اعمال و خصائل میں مثبت تبدیلی پیدا کرنا تھا۔ اس انقلاب کا سرچشمہ وہ قوت تھی جو توحید کی کرشمہ سازی سے ظہور میں آتی ہے ـــــ عقیدۂ توحید کا مقصود یہ ہے کہ ایک اللہ کی مخلوق کے درمیان رشتۂ وحدت قائم ہونا چاہیئے تاکہ ایسا مثالی معاشرہ جنم سکے جہاں اخلاقی فضیلت کے سوا کسی فرد کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوتی۔ جہاں بنیادی ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے کسی کے مخصوص مفادات نہیں ہوتے۔ جہاں زندہ رہنے' مال و اسباب سے استفادہ کرنے اور ترقی کے مواقع بلا امتیازِ مذہب و ملّت سب کو مساوی طور پر حاصل ہوتے ہیں ـــــ عقیدۂ توحید کا عملی پہلو یہ ہے کہ وقارِ آدمیت کو اوّلیت دی جائے۔ تہذیب و تعمیر کے ذریعے ضمیرِ انسانی پر حکومت کی جائے اور اوصافِ حَسَنہ کی فرمانروائی سے معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دیا جائے۔

اس مثالی معاشرے کے خدوخال تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں۔ اسے کسی ناقص العقل انسان نے تشکیل نہیں دیا تھا بلکہ یہ اس برگزیدہ ہستی کا عطا کردہ تھا جس نے موجوداتِ عالم کو نہ صرف تخلیق کیا بلکہ ان کی بقاء و نشوونما کے لیے ایک فطری نظام بھی وضع کیا۔ قرآنِ حکیم اسے ہدایت سے تعبیر کرتا ہے ـــــ اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ـــــ اللہ تعالیٰ جو تمام حشرات الارض' چرندوں' پرندوں کی رہنمائی کرتا ہے' اس نے انسانوں کی بھی رہنمائی کی ہے اور اسے عالمگیر اصولوں پر مبنی ایسا جامع ضابطۂ حیات عطا کیا ہے جو اس کی تغیّر پذیر فطرت کے لیے موزوں ترین ہے۔ اسے فہم و فراست اور دانش و بصیرت کی روشنی بخشی جس سے کام لے کر یہ مشتِ خاک یقین و اعتماد کے ان خواص سے مالامال ہوتی ہے جس سے کامرانیوں کے دَر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ضابطۂ

Marfat.com

حیاتِ دنیا کو فراموش کرنے کا سبق نہیں دیتا' نہ اس کا دیوانہ بن جانے پر آمادہ کرتا ہے۔ یہاں نہ بخیلی و کنجوسی کی تلقین ہے' نہ اِسراف اور فضول خرچی کی ترغیب۔ یہ عفو ودر گذر کے شریفانہ رویّوں کے ساتھ ساتھ قصاص وانتقام کا عادلانہ نظام بھی مہیا کرتا ہے جو اتنا ہمہ جہتی ہے جس قدر خود زندگی اور اس کے معاملات۔

دنیا بھر کے تمام سچے مذاہب اور مہذّب وساتیر میں زندہ رہنے اور ملکیّت کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس سماج میں انسانی جان کا احترام اور اس کی حفاظت کی ضمانت نہ ہو' اسے فلاحی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اس حق کی عدم موجودگی میں زندگی کے معاملات کس طرح سرانجام دیے جا سکتے ہیں؟ خانہ داری تجارت اور سیرو سفر کا سلسلہ کیونکر قائم رہ سکتا ہے؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اگر ایک دوسرے کو مَن مانی کرنے کی کُھلی چھٹی دے دی جائے تو اخلاقی نظام اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا خاتمہ یقینی ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو اسلامی معاشرے میں عدل ومساوات کا دَور دَورہ ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ مسلم اکثریت کے علاوہ مختلف نسلوں اور مذہبوں کے لوگ بھی آباد ہوتے ہیں لہٰذا اسلامی ریاست پر ان کے بنیادی حقوق کی پاسداری فرضِ عین ٹھہرتی ہے۔ رسول اللہؐ نے غیر مسلم قبائل عرب اور یہود ونصاریٰ کو معزّز شہری تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایسی دستاویزات عطا فرمائیں جن کی رُو سے انہیں ہر طرح کے تحفّظ کی ضمانت ملی۔ مسلم حکومتوں نے ان صالح روایات کا ہمیشہ پاس رکھا اور دنیا نے دیکھا کہ ہندوستان سے لے کر ہسپانیہ تک ایشیا' یورپ اور افریقہ کی لاکھوں ایکڑ اراضی فتح کرنے والے مسلمانوں نے ان علاقوں کے باشندوں کی عزت اور جان ومال کا تحفظ کیا اور انہیں اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی عام اجازت دی۔

دینِ اسلام کا ترجمان قرآنِ ذی شان اپنے پیرَوکاروں کو دو طرح کی تربیت دیتا ہے ___ ایک یہ کہ وہ غیر معقول روایات اور قبیح رواج وعادات کے خلاف بر سرِپیکار ہو جائیں ___ دوسرے یہ کہ افکار ونظریات اور اخلاق واعمال کی درستی کرکے ایک فلاحی معاشرے کی تعمیر وترقی کے لیے جدوجہد کریں۔ یہی اسلام کا نصب العین ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام افراد' گروہوں اور قوموں کو اصولی اعتبار سے مساوی درجہ دیا جائے۔ وہ دولت' حکومت یا رنگ ونسل کے امتیازات کا قائل نہیں بلکہ اس کے نزدیک تکریم وتعظیم کی بنیاد فقط حسنِ عمل ہے۔ وہ مذہبی معاملات میں جبرو تشدّد کی حوصلہ شکنی کرتا

Marfat.com

ہے۔ اس کا انقلاب انگیز ترقی پرور اصول یہ ہے کہ حقوق العباد میں عدل و انصاف کا دامن کسی قیمت پر بھی چھوڑا نہ جائے۔ وہ نیکی کے معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور بدی کے تمام امکانات سے احتراز کا حکم دیتا ہے۔ اقوامِ متحدہ نے تو ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا جس میں فلاحی معاشرے کا تصور دیتے ہوئے انسانی شخصیت کی قدر و حرمت اور مرد و زن کے مساوی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اسلام کے ہادیِ اعظم نے ان حقوق کا اعلان آج سے سوا چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا۔ داعیِ اسلام حضرت محمد ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا ــــ "لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مٹی سے بنے تھے۔ یاد رکھو! تمہارے مال، تمہارے خون اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لیے حرام ہیں۔ خبردار اب کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے!"

اخلاقیات کے علماء کہتے ہیں کہ انسان کی کوئی خوبی اس وقت تک خوبی شمار نہیں ہوتی، جب تک اس سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچے۔ سورج کی عظمت یہ نہیں کہ وہ روشنی اور حرارت کا منبع ہے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی اور حرارت سے دنیا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اسی طرح نیکی کوئی ایسا چراغ نہیں جو تارک الدنیا سادھوؤں اور صوفیوں کی طرح صرف ان کی داخلی دنیا کو روشن رکھتا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسے خارجی ماحول میں بروئے کار لایا جائے۔ پروردگارِ عالم یہ مقصد اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے پورا کرتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا و کارساز

چنانچہ مومن جہاں اپنی ذات کو نیکی و شائستگی کے قالب میں ڈھالتا ہے، وہاں اپنے عقائد و نظریات کو عملی شکل دینے کے لیے بھی بے قرار رہتا ہے۔ وہ اس انقلاب کے لیے جدوجہد کرتا ہے جس کے نتیجے میں اولادِ آدم تعمیر و تہذیب کی برکتوں سے مالا مال ہو۔ یہ کردار میں مکمل تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس نے اعلیٰ اخلاقی و دینی قدروں کو حیاتِ اجتماعی کی سرحدوں تک پھیلا دیا ہے۔ یہ خانگی یا معاشرتی ہی نہیں بلکہ عالمی اصلاح کا داعی ہے تاکہ زمین کے چپے چپے پر وہ بنیادی تبدیلیاں رونما ہوں جو خلقِ خدا کی، جسمانی، ذہنی اور روحانی فلاح کی ضامن ہوں۔ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹیں۔ ایک دوسرے کے

Marfat.com

بگڑے کام سنواریں۔ ایک دوسرے کی بہتری میں اپنا دل' دماغ اور وقت صرف کریں۔ اس طرح خیرو فلاح کی قدریں پروان چڑھیں اور وہ خاص قسم کا ماحول پیدا ہو جائے جہاں تمام افراد ایک دوسرے سے محبت کریں اور دشوار مرحلوں میں ایک دوسرے کے دست وبازو بنیں۔ یوں رحم کرم کی وہ سرمدی فضا آراستہ ہو جہاں یورپی دانشور ٹرائن (Trine) کے بقول ہر شخص کا مطمحِ نظریہ ٹھہرے ــــــ

Give the world the best you have and the best will come back to you.

دنیا کو بہترین چیز دو' جواباً تمہیں بھی بہترین چیز ملے گی۔ یہ "بہترین چیز" اولادِ آدم کی معاشرتی فوز وفلاح کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے جسے عطا کرنے کے لیے اسلام آیا تھا۔

Marfat.com

# اسلام اور حقوقِ انسانی

دنیائے جدید میں احترامِ آدمیت کے حوالے سے پہلی آواز ۱۷۸۹ء میں بلند ہوئی۔ یہ انقلابِ فرانس کا "منشورِ حقوقِ انسانی" تھا جو ایک مسوّدۂ قانون کی شکل میں اس غرض سے مرتّب کیا گیا کہ اسے دستورِ فرانس کی اساس بنایا جائے۔ ۱۹۴۵ء میں قوموں کے بنیادی مسائل پر سنجیدگی سے سوچا گیا اور انجمنِ اقوامِ متّحدہ کے سٹیج سے حقوقِ انسانی کے منشور کا اعلان کیا گیا۔ ۱۹۴۸ء کی بگوٹا کانفرنس میں امریکی ریاستوں نے وہ آئینی ضابطہ تیار کیا جس کی روشنی میں جمہور کے حقوق و فرائض کا تعیّن کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں صدیوں پہلے' ایوانِ تاریخ میں گونجنے والی اس آواز کو اوّلیت حاصل ہے جو پیغمبرِ آخر الزمان محمد ﷺ کی زبانِ اطہر سے نکلی۔ آپؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر انسانیت کے منشورِ اعظم کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! تمھارا رب ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مٹی سے بنے تھے ــــ اے اہلِ قریش' اللہ نے تمھاری جھوٹی نخوت کو مٹا دیا۔ اب اسلاف کے کارناموں پر کسی فخر و ناز کی قطعی گنجائش نہیں رہی ــــ لوگو' تمھارے مال' تمھارے خون اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے کے لیے حرام ہیں ــــ خبردار' آج دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے قدموں تلے روند کر رکھ دیا!"

جس زمانے میں رحمتِ عالم محمد ﷺ کا ظہورِ قدسی ہوا' دنیا پنجۂ استبداد میں جکڑی ہوئی تھی۔ اعلیٰ و ادنیٰ طبقات کی تقسیم سے اشرف المخلوقات کا شرف خاک میں مل رہا تھا۔ ــــ جنگ ــــ طالع آزماؤں کا تفریحی مشغلہ تھا۔ مفتوح غلام بنالیے جاتے۔ املاک پر قبضہ جمالیا جاتا اور بستیوں کی تسخیر کے بعد خون آشام تلواریں سفّاکی کی دہشتناک داستانیں لکھتی تھیں۔ سلاطین و امرا' اپنے اپنے حلقہ ہائے فرمانروائی میں مطلق العنانیت

Marfat.com

کا جادو جگا رہے تھے۔ ان کے رفیع الشان محلّات کے آس پاس انھی جیسے لوگ حشرات الارض کی طرح بے بسی سے سانس لینے پر مجبور تھے۔ عوام اور غلام میں برائے نام فرق تھا۔ اس دَور کے عظیم ترین تہذیبی بلاک، سلطنتِ روم کے کولوسیم (Colosseum) کی کہانیاں آج بھی ہمیں لرزا دیتی ہیں جس میں اَن گنت انسان تیغ زنی (Gladiatory) کے جوہر دکھاتے ہوئے بادشاہوں، امرا اور رؤسا کے ذوقِ سفّاک کی بھینٹ چڑھ جاتے تھے۔ وسیع و عریض سٹیڈیم ان تماشائیوں کی پُرمسرّت چیخوں سے گونجتے تھے جن کی نگاہوں کے سامنے بھوکے درندے، دردناک صدائیں دیتے غلاموں کے جسموں کی تکا بوٹی کر رہے ہوتے۔

دنیا کے دوسرے بڑے سیاسی بلاک ایران کا عالم یہ تھا کہ ہر طرف عیش و عشرت کا بازار گرم تھا اور انسانی وجود طاقتوروں کے شوقِ تماشا اور ہوسناک لذتوں کی نذر ہو رہے تھے۔ ایرانی کسریٰ خود کو انسانی سطح سے بلند تر سمجھتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں ان کی رگوں میں خدا کا مقدّس لہو رواں تھا۔ فراعنۂ مصر نے سورج دیوتا سے اپنا شجرۂ نسب جا ملایا تھا۔ چینی شہنشاہ آسمان کے بیٹے کہلاتے تھے۔ ان خود ساختہ "خداؤں" کے ہاتھوں انھی جیسے خاک زادوں کی ہستی خاک میں مل رہی تھی۔ یونان کے سرچشمۂ حکمت و دانش میں باپ اپنی اولاد کو اور شوہر اپنی بیوی کو قانوناً ہلاک کر سکتا تھا۔ ہندوستان میں "ستی" کی رسم عروج پر تھی اور پتی کی چتا پر اس کی پتنی کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ شودر لوگ جانوروں کی طرح زندگی کا عذاب جھیل رہے تھے۔ برہمنوں اور اونچی "جاتی" کے لیے ان کا وجود کیڑے مکوڑوں کے مساوی تھا ـــــ ایسے میں انسانیت کے بند دروازے پر اسلام کے خوش آہنگ پیغام نے دستک دی جس نے عقل و شعور اور فطرتِ سلیمہ کے خوابیدہ عناصر کو بیدار کر کے عدل و مساوات کے حوالے سے نفسِ انسانی کی وکالت کی۔ اور پھر وقت نے دیکھا کہ اس سرمدی پیغام کی خوشبو ہوا کے دوش پر سفر کرتی ہوئی تین برّاعظم پار کر گئی اور اخلاقیات کے خیاباں مہک مہک اٹھے۔

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کے ظہورِ قدسی سے کرۂ ارض پر سعادتوں کے دَر کھلے۔ آپؐ کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ "توحید" ٹھہرا۔ یعنی ایک اللہ کی مخلوق کے درمیان رشتۂ وحدت قائم ہونا چاہیے اور اسے رنگ و نسل کے اختلاف اور مذہبی نزاع کی بجائے اس عالمگیر اخوت و محبت کی زنجیر سے منسلک ہونا چاہیے جو متنوّع مطالبات کے اشتراک سے

Marfat.com

فطرت کی اکائی تشکیل دیتی ہے۔ اسلام نے ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جہاں اخلاقی فضیلت کے سوا کسی فرد کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوتی۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی کے لحاظ سے کسی کے مخصوص مفادات نہیں ہوتے۔ روزگار' سکونت' ملکیت' تقریر و تحریر اور ترقی کے مواقع تمام ہم وطنوں کو بلا امتیازِ مذہب و ملّت مُساوی طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ اسلام نے وقارِ آدمی کو اوّلیت دی ہے۔ اس دین کی اصل الاصول یہ ہے کہ تہذیب و تعمیر کے ذریعے ضمیرِ انسانی پر حکومت کی جائے اور اوصافِ حسنہ کی فرمانروائی سے معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دیا جائے۔ یہ ایسا نظامِ حیات ہے جس نے نوعِ انساں کی سلیم الفطرتی کو آواز دی اور اس کے صالح جذبات واحساسات کو بیدار کیا تاکہ لوگ جہاں اپنے پروردگار کے نزدیک ہوں' وہاں اس کی مخلوق کے بھی قریب تر ہوں۔ اس کے معیارِ اخلاق کا پرچم کبھی سرنگوں نہ ہوا۔ وہ صلح وامن کے زمانوں اور آتش و خون کے طوفانوں میں برابر لہراتا رہا ـــــ تاریخِ اسلام کا ہر عہد شہادت دیتا ہے کہ مسلمان فاتحین نے ہزاروں بستیوں اور شہروں پر تسلّط حاصل کیا مگر کسی قتلِ عام' آبروریزی اور اَملاک پر ناجائز تصرف کا ایک واقعہ بھی رونما نہ ہوا۔

اسلام کے عظیم الشان داعی ؐ نے جہاں انسانیت کے اعلیٰ اوصاف پیدا کرنے کی تلقین کی' وہاں ایک ایسی ریاست کی تشکیل بھی کی جس نے انسان پر انسان کی بالادستی کو ختم کر کے رکھ دیا۔ یہ ریاست انسانیت کی سربلندی کے ازلی خواب کی تعبیر بنی جو دنیا میں ایک اللہ کی حاکمیت قائم کرنے' نیکی کو فروغ دینے اور بدی کے خاتمے کے لیے ظہور میں آئی۔ اس کے لافانی آئین ـــــ قرآنِ حکیم میں انسانی جان و مال کے احترام کو اوّلیت دی گئی۔

(الف) جسم و جان کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ـــــ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭوَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ: ۳۲) ـــــ جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کہ اس نے کسی جان لی ہو' یا زمین میں فساد کیا ہو تو اس نے گویا تمام انسانوں کا خون کر دیا۔ اور جس نے کسی کی جان بچائی' اس نے تو تمام نوعِ انسان کو بچالیا ـــــ

(ب) ذاتی ملکیت کا حق دیتے ہوئے قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا لَاتَاكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ:۱۸۸' النساء:۲۹) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ!

Marfat.com

تمام مذاہب اور مہذب دساتیر میں زندہ رہنے اور ملکیت کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ معاشرہ ہی کیا جہاں انسانی جان کا احترام اور اس کی حفاظت کی ضمانت نہ ہو! اسے پُر امن کیسے کہا جاسکتا ہے؟ ___ اس حق کی عدم موجودگی میں زندگی کے معاملات کس طرح سرانجام دیے جاسکتے ہیں؟ ___ گھربار' تجارت اور سیرو سفر کا سلسلہ کیونکہ قائم رہ سکتا ہے؟ ___ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اگر ایک دوسرے کی جان مارنے کی کھلی چھٹی دی جائے' تو اخلاقی نظام اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا خاتمہ یقینی ہے ___ اسی طرح جس شخص کو جائز طریقوں سے حاصل کردہ مادی سامان کے مالکانہ حقوق حاصل ہوں' ان کا احترام بھی لازمی ہے۔ کسی حکومت یا کسی ادارے یا کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ جائز طریقے سے مال جمع کرنے یا اس کے استعمال پر پابندی لگائے ___

علمِ سیاسات کے پروفیسر لاسکی کہتے ہیں کہ "آزادی اس فضا کا نام ہے جو حقوق پیدا کرتے ہیں!" ___ حقوق کا مطلب یہ ہے کہ فرد معاشرتی' معاشی اور شہری زندگی میں خود کو پابہ زنجیر محسوس نہ کرے' بلکہ ریاست اسے ہر طرح کے تحفظ کے ساتھ ترقی کرنے کے مواقع فراہم کرے۔ اس حوالے سے مہذب ملکوں میں دو طرح کے قوانین رائج ہوتے ہیں:

(الف) ایک پبلک قانون جس کی پابندی کرتے ہوئے طاقتور عناصر فرد کی آزادی میں مداخلت سے باز رہیں۔

(ب) دوسرے پرائیویٹ قانون جس کی رو سے ریاست کے باشندے ایک دوسرے کی آزادی میں دخل انداز نہ ہوں۔

جب کسی ریاست کے افراد کو یہ حقوق حاصل ہوں تو وہ شہری آزادیوں سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست انھی رہنما اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ وہ چونکہ محض مذہبی نہیں ہوتی اس لیے اس میں اعتقادات و مسالک کا تعصّب کارفرما نہیں ہوتا۔ اس کی تشکیل فقط ذوقِ سلطانی کی تسکین کے لیے بھی نہیں ہوتی لہٰذا وہاں کسی جبرو استحصال کا امکان نہیں ہوتا۔ یہ انسانی فلاح و بہبود کے ترقی پرور اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں رواداری اور عدل و مساوات کا دَور دَورہ ہوتا ہے۔ افراد کو جتنی شہری آزادیاں اسلامی

Marfat.com

ریاستوں نے عطا کی ہیں' وہ دورِ حاضر کے نام نہاد متمدّن ممالک میں بھی میسّر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے فلاحی ریاست کا تصوّر دیا ہے جس میں علاقائی یا نسلی تعصّب کا گزر تک نہیں ہوتا۔ اس میں افراد کو امن و امان کے ساتھ جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کے اظہار اور ان سے استفادے کے بھرپور مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ انھیں باعزت زندگی گزارنے کا یکساں حق ارزانی ہوتا ہے۔ انھیں بلا امتیازِ مذہب و ملّت عدل و انصاف میسّر آتا ہے۔ اسلام' جمہوری و شورائی طرزِ حکومت کا داعی ہے لہٰذا تمام افرادِ حکومت میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ اسلام' افراد کو یہ حق بھی فراہم کرتا ہے کہ ظالم حکمران کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ وہ آزادئ رائے کا حق تسلیم کرتے ہوئے ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس نے خواتین کی عصمت و ناموس کو واجب الاحترام قرار دیتے ہوئے معاشرے میں ان کے فعّال کردار کی حوصلہ افزائی کی ہے تاکہ نسلِ انسانی کو خیرو برکت کی فضا میسر آسکے ـــــ اسلام کے ان چیدہ چیدہ فرامین کا حاصل یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں لایا جائے جہاں گھر سے لے کر مملکت تک امن و سلامتی اور بقائے باہمی کی قدریں پروان چڑھیں۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوّت کی جہانگیری' محبّت کی فراوانی

اسلامی ریاست انھی ترقی پرور اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں رواداری اور عدل و مساوات کا دَور دورہ ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ مسلم اکثریت کے علاوہ مختلف نسلوں اور مذہبوں کے لوگ بھی آباد ہوتے ہیں لہٰذا اسلامی ریاست ان کے بنیادی حقوق یعنی جان و مال کی پاسداری کرنے کی پابند ہوتی ہے' رسول اللہ ؐ نے غیر مسلم قبائلِ عرب اور یہود نصاریٰ کو معزّز شہری تسلیم کرتے ہوئے انھیں ایسی دستاویزات عطافرمائیں جن کی رو سے انھیں ہر طرح کے تحفظ کی ضمانت ملی۔ خیبر کی یہودی اور نجران کی عیسائی آبادیوں کے انسانی حقوق بحال رکھے گئے۔ ان کی جانیں اور جائدادیں محفوظ رہیں۔ مسلم حکومتوں نے ان صالح روایات کا ہمیشہ پاس رکھا اور دنیا نے دیکھا کہ ہندوستان سے لے کر ہسپانیہ تک ـــــ ایشیا' یورپ اور افریقہ کی لاکھوں ایکڑ اراضی فتح کرنے والے مسلمانوں نے ان علاقوں کے باشندوں کی جان و مال کا تحفظ کیا۔

Marfat.com

یہ چند جھلکیاں ہیں اس نظامِ زندگی کی جس نے شائستگی، محبت اور عدل و مساوات کی اعلیٰ قدروں کی بشارت دی۔ اسلام نے ایک ایسے عالمگیر معاشرے کا سچا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر نہ گذشتہ اقوام کے تاریخی ریکارڈ میں ملتی ہے، نہ دورِ حاضر کے متمدّن سماجوں میں دکھائی دیتی ہے۔ مسلمانوں نے مخلوقِ خدا کے ساتھ جو عادلانہ اور مشفقانہ طرزِ عمل اختیار کیا، وہ نسلِ آدم کے لیے جہاں قابلِ تقلید مثال ہے، وہاں عصرِ جدید کے نام نہاد مہذّب ممالک یوگو سلاویہ، بھارت، فلپائن، روس، برما، البانیہ، تھائی لینڈ اور چیکو سلاواکیہ کی غیر مسلم حکومتوں کے لیے لمحۂ فکریہ بھی ہے جہاں مذہبی تعصّب کی بنا پر مسلمان باشندوں کو درندگی کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس عہدِ شعور میں آدمیّت کی یہ تذلیل ایامِ جاہلیّت کی یاددلاتی ہے ـــــ آج ضمیرِ عالم ارتقاءِ انسانیت کا دلفریب نعرہ لگانے والوں سے پوچھ رہا ہے کہ وہ، روشنی اور رعنائی تقسیم کرنے کی بجائے دنیا میں تاریکی اور بدصورتی کی دیواریں کیوں بلند کرتے جارہے ہیں؟

Marfat.com

# سماجی تحفّظ ـــــ اسلام میں

کسی بھی سماج کے آئینی ضوابط کی قدر و قیمت دو طرح سے متعیّن ہوا کرتی ہے ـــــ ایک یہ کہ انہیں تشکیل دیتے وقت انفرادی حقوق کا کہاں تک خیال رکھا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان کے نفاذ سے افراد کے مابین رواداری اور ہمدردی کی قدریں کہاں تک پرورش پاتی ہیں ـــــ دینِ اسلام میں ان دونوں مقاصد کو احسن طریقے سے سمویا گیا ہے۔ چونکہ اس نظامِ حیات کا زاویۂ نگاہ بین الاقوامی ہے اس لیے عالمی اصلاحِ احوال اس کا اوّلین مدعا ہے۔ یعنی روئے زمین پر بسنے والی اولادِ آدم کے درمیان رشتۂ محبت استوار کیا جائے اور انسانی برادری کے تمام گروہوں کو مساوی درجہ دے کر دنیا کو امن و آشتی کا مرکز بنا دیا جائے۔

قرآنِ حکیم نے نوعِ انسان کے فطری رشتے کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے اعلان کیا ـــــ "لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ عزت وہی ہے جو غلط کاری سے پرہیز کرے۔ (الحجرات:۱۳) ـــــ اس آیتِ کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ مال و دولت یا رنگ و نسل نشانِ امتیاز نہیں کیونکہ اس طرح حسد، رقابت اور کشمکش کے قابلِ نفرت رویّے پروان چڑھتے ہیں۔ اسلام تو ایثار، خلوص اور رحم و کرم کا داعی ہے۔ یہ قدریں حسنِ عمل کے خمیر سے نشوونما پاتی ہیں جس کے نتیجے میں فرد اور جماعت کو بیک وقت سلامتی اور تحفظ کی ضمانت میسر آتی ہے۔

سماجی تحفظ ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ ایک اعلیٰ معاشرہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب عوام کو حقوق میسر ہوں۔ حقوق کا مطلب یہ ہے کہ فرد خود کو معاشرے میں پازنجیر محسوس نہ کرے بلکہ اسے ہر طرح کے تحفظ کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ترقی کے مواقع

Marfat.com

فراہم ہوں۔ اس حوالے سے مہذّب ملکوں میں دو طرح کے قوانین رائج ہوتے ہیں ____

- ایک پبلک قوانین' جن کی پابندی کرتے ہوئے طاقتور عناصر فرد کی آزادی میں مداخلت سے باز رہیں۔
- دوسرے پرائیویٹ قوانین جن کی رُو سے ریاست کے باشندے ایک دوسرے کی آزادی میں دخل انداز نہ ہوں۔

جب کسی ریاست کے افراد کو یہ حقوق حاصل ہوں تو وہ سماجی تحفظات سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست انہی رہنما اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ وہ چونکہ محض مذہبی نہیں ہوتی اس لیے اس میں اعتقادات و مسالک کا تعصب کارفرما نہیں ہوتا۔ اس کی تشکیل فقط ذوق سلطانی کی تسکین کے لیے بھی نہیں ہوتی لہٰذا وہاں کسی جبرو استحصال کا امکان نہیں ہوتا۔ یہ انسانی فلاح و بہبود کے ترقی پرور اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں عدل و مساوات کا دَور دورہ ہوتا ہے۔ افراد کو جتنے سماجی تحفظات اسلامی ریاستوں نے عطا کیے' وہ دورِ حاضر کے متمدّن ممالک میں بھی میسر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے فلاحی ریاست کا تصور دیا ہے جس میں علاقائی یا نسلی امتیاز کا گزر تک نہیں۔ اسلامی نظام کے سائبان تلے سانس لینے والی مخلوق برابر کے حقوق سے مستفید ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جابجا ان حقوق کا ذکر کیا گیا ہے جن سے ہر شخص کو سماجی تحفظ کی بشارت ملتی ہے۔

قرآنِ پاک میں جسم و جان کی حفاظت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے ____ "کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے' ناحق قتل مت کرو!" (بنی اسرائیل:۳۳)

____ عزت و ناموس کی پاسداری کو اہم ترین فریضہ ٹھہراتے ہوئے انتباہ ہوا: "کوئی گروہ دوسرے کا مذاق نہ اڑائے۔ ہو سکتا ہے' وہ اس سے بہتر ہو..... عیب تراشی نہ کرو۔ ایک دوسرے کو برے ناموں سے مت پکارو۔ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسے ناپسند کرو گے۔" (الحجرات:۱۱'۱۲)

پرائیویٹ معاملات میں مداخلت سے روکتے ہوئے کہا ____ "اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت قدم نہ رکھو!" (النور:۲۷) حریتِ فکر کی آزادی دیتے ہوئے ارشاد ہوا ____ "دین کے سلسلے میں کوئی زبردستی روا

Marfat.com

نہیں۔" (البقرہ:۲۵۶) مذہبی دلآزاری کی ممانعت کرتے ہوئے حکم دیا ــــ "جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں' انہیں برا بھلا مت کہو! (الانعام:۱۰۸) ضرورت مندوں کو جینے کے وسائل حاصل کرنے کا قانونی حق دیتے ہوئے فرمایا ــــ "اہلِ ثروت کے مالوں میں حاجت مندوں کا حصہ ہے۔ (الذاریات:۱۹) ظلم کے خلاف احتجاج کا حق دیا کہ ــــ "اللہ ناپسندیدہ بات کی تشہیر پسند نہیں کرتا اِلّایہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔" (النساء:۱۴۸) قرآنِ پاک نے خواتین کے فعّال کردار کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ــــ "مومن مرد ہو یا عورت' جو کوئی تعمیری کام کرے گا' ہم اسے عمدہ زندگی عطا کریں گے اور اچھا اجر دیں گے" ــــ (۹۷:۱۶) سماجی تحفظات کی اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا نصب العین نسلِ انسانی کی فطرت سلیمہ کے جوہروں کو بیدار کرنا ہے' تاکہ اسے خیر و برکت ارزانی ہو اور وہ آزادی کے ساتھ روشن خیالی اور روشن ضمیری کی شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔ تاریخِ اسلام کا ہر عہد شہادت دیتا ہے کہ مسلمان فاتحین نے ہزاروں بستیوں اور شہروں پر تسلط حاصل کیا مگر کسی قتل عام' آبرو ریزی اور املاک پر ناجائز تصرف کا ایک واقعہ بھی رونما نہ ہوا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلم قبائل عرب اور یہود و نصاریٰ کو اسلامی ریاست کے معزز شہری تسلیم کرتے ہوئے انہیں مکمل سماجی تحفظ کی ضمانت دی۔ خیبر کی یہودی اور نجران کی مسیحی آبادیوں کو بحال رکھا گیا۔ ان کی جائیدادیں محفوظ رہیں۔ ان کی عبادت گاہیں قائم رکھی گئیں اور انہیں اپنے مذاہب پر کاربند رہنے کی پوری آزادی دی گئی۔ یروشلم کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بطریقِ اعظم کو جو معاہدہ لکھ کر دیا' وہ اسلامی رواداری کا شاندار منشور پیش کرتا ہے ــــ

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــ عمرؓ اللہ کا بندہ اور مومنوں کا سپہ سالار اہلِ یروشلم کو امان دیتا ہے۔ بیمار اور تندرست سب کو' جان و مال ان کی عبادت گاہوں اور صلیبوں اور جو کچھ ان کے مذہب سے متعلق ہے' اس کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ ان کے گرجے رہائشی مکانوں میں تبدیل کیے جائیں گے' نہ پامال کیے جائیں گے۔ انہیں کسی طرح گھٹایا نہیں جائے گا۔ ان کی صلیبوں' ان کی املاک کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔ مذہب کے معاملے میں ان پر کسی قسم کی سختی نہیں کی جائے

Marfat.com

گی۔ ان میں سے کسی کو ضرر نہیں پہنچایا جائے گا! یہ صالح روایت آگے بڑھی۔ حسنِ سلوک کا یہ انداز مصر' اندلس' ترکی فلسطین اور ہندوستان کی مسلم حکومتوں نے اپنایا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں' مشرکوں کے آتش کدے اور صنم خانے سلامت رہے۔

لیکن تصویر کا دوسرا رخ اتنا بھیانک ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے - ۱۰۹۹ء میں اسی یروشلم میں جسے خلیفۂ ثانی نے امان دی تھی' صلیبی فاتحین نے ستر ہزار مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو تہِ تیغ کر دیا۔ ۱۲۹۲ء میں اندلس سے ان کا نام ونشان مٹانے کے لیے قتلِ عام کیا گیا۔ یہ تباہی محض مسلم سلطنتوں کی نہ تھی بلکہ انسان دوستی اور ثقافتی روایات کے روشن عہد کا خاتمہ تھا۔ مگر یہ سلسلہ رکا نہیں' عصرِ جدید کے نام نہاد مہذب ممالک کی نمائندہ قومیں' بوسنیا' کشمیر' البانیہ' صومالیہ اور روس میں مسلم اقلیتوں کو جس درندگی کا نشانہ بنا رہی ہیں' تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی ____ دنیا ان سے پوچھتی ہے کہ مسلمانوں کے چھ سو سالہ دور اقتدار میں کیے گئے احسانات کا کیا یہی صلہ ہے؟

Marfat.com

# حقوق میں مساوات

تمام آدم زاد اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہیں کیونکہ ان کی تخلیقی نسبت' آدم وحوّا سے ہے- انہی کے حوالے سے ستاتوں بھری زمین پر بزم آرائی ممکن ہوئی اور نسلِ انسانی کا سلسلہ آگے چلا-

خَلَقَكُم مِّنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً (النساء ۴:۱)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا- پھر ان دونوں سے بہت سے مرد وزن دنیا میں پھیلا دیے-

ابتدا میں سب لوگوں کا دین بھی ایک تھا اور زبان بھی ایک' عادتیں بھی یکساں تھیں اور آرزوئیں بھی مشترک مگر جوں جوں ان کی تعداد بڑھی' تمدن میں تبدیلی آنے لگی- جھونپڑے' مکان بنے ___ مکان' گاؤں میں ڈھلے ___ گاؤں' قصبوں کی صورت اختیار کر گئے اور شہری زندگی کی داغ بیل پڑی- اس پھیلاؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی کلّیت اجزا میں منقسم ہو گئی- آدم زاد قبیلوں اور قوموں میں بٹ گئے- زبانیں الگ الگ ہو گئیں- لباسوں میں فرق آگیا اور رہن سہن میں اختلاف رونما ہو گیا ___ قدرتی جغرافیائی عوامل اثر انداز ہوئے تو رنگ روپ اور خط وخال میں بھی تغیّر آگیا ___ آہستہ آہستہ اندر کی دنیا بدلی تو خود پسندی اور برتری کے احساسات کی نمود ہوئی جو رفتہ رفتہ نسلی امتیازات اور علاقائی تعصبات میں بدل گئی جس کا منطقی نتیجہ حقوقِ انسانی میں عدمِ مساوات کی صورت میں رُونما ہوا-

اس قلبِ ماہیت کی کوئی معقول وجہ نہ تھی- تمام لوگ ایک جیسے اعضا کے مالک تھے- ان کی قوتوں اور صلاحیتوں میں بھی کوئی خاص فرق نہ تھا- سب کی شخصی خواہشیں

Marfat.com

اور فطری مطالبات بھی تقریباً یکساں تھے۔ مگر یہ اشرف المخلوقات اس یک رنگی کو فراموش کر کے بلند وپست' برتر وکمتر اور اعلیٰ وادنیٰ کے خود ساختہ معیارات کا شکار ہوتا چلا گیا۔ کسی کو برخود غلط براہمنوں نے اچھوت قرار دیا اور اسے حشرات الارض کی طرح پائمال کیا۔ کسی کو مغرور آقاؤں نے غلام بنا کر اس سے مویشیوں کی طرح خدمت لی۔ کسی کو سفید فاموں نے کالا ہونے کی سزا دے کر فنا کر دینے کے قابل ٹھہرایا۔ یہی نہیں بلکہ انا پرستوں نے اپنی سطح کے خود پسندوں کو مطیع بنانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے آزمائے اور مذہبی و نظریاتی تضادات کے ہتھیار استعمال کیے۔ یوں خاندان' نسل' قوم' رنگ' زبان اور مذہب کے امتیازات ایسے اختلافات کی اساس بنے جن کے نتیجے میں زبردستوں نے زیردستوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ چنانچہ روئے زمین پر لُوٹ کھسوٹ' مار دھاڑ اور جنگ وجدال کا بازار گرم ہو گیا اور انسانیت بدامنی اور تباہی کے کنارے آن کھڑی ہوئی۔

دنیا میں انبیاءِ کرام کی تشریف آوری کا جواز یہ تھا کہ وہ بندگانِ خدا کو ان کا اصل منصب یاد دلائیں۔ انہوں نے اولادِ آدم کو بار بار یہ باور کرایا کہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے ناتے سے برابر ہیں اور بحیثیتِ انسان ان کے حقوق مساوی ہیں۔ پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا گرانقدر پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے پوری قوت کے ساتھ ان مصنوعی امتیازات کی حوصلہ شکنی کی اور انسان کو بحیثیتِ انسان مخاطب کیا۔ آپؐ کی دعوت کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ہر انسان ایک عالمگیر برادری کا فرد ہے چنانچہ اسے چھُوت چھات' اونچ نیچ یا عدمِ مساوات کا شکار بنانا غیر انسانی رویّہ ہے۔ آپ کا خطبۂ حجتہ الوداع حقوقِ انسانی کے حوالے سے انسانیت کا منشورِ اعظم ہے۔ آپ نے اپنے سوا لاکھ پیروکاروں کے ہجوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> "سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ چنانچہ نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے' نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے' نہ گورا کالے سے۔ ہاں فضیلت وبزرگی کا کوئی معیار ہے تو وہ خدا خوفی اور پرہیزگاری ہے۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جس طرح تمہارے حقوق' عورتوں پر ہیں' اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ غلاموں

Marfat.com

کے ساتھ اچھا سلوک کرو! جو خود کھاؤ' وہی انہیں کھلاؤ- جو خود پہنو' وہی ان کو پہناؤ- کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے' سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو- خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو!"

تاریخ کے جھروکے سے جھانکا جائے تو عالمِ اسلام میں چند صدیوں کے لیے الٰہی تعلیمات پر مبنی وہ معاشرہ نظر آتا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور لازوال فرامین کی روشنی میں تشکیل پایا تھا- اسلامی ریاست کے تمام باشندوں کو مساوی طور پر بنیادی حقوق حاصل تھے- یہاں ذات پات' برادری' زبان' رنگ اور علاقے کی بنیاد پر کسی کو برتر یا کم تر نہیں سمجھا گیا- سربراہِ مملکت اور قانون کی نظر میں ریاست کا ایک ایک فرد قابلِ احترام تھا- صلاحیت اور اہلیّت کے اعتبار سے سب کے حقوق مساوی تھے- کسی کے مخصوص مفادات نہ تھے- بنیادی ضروریاتِ زندگی کے لیے ملکیتِ اشیاء' کسبِ معاش اور آبادکاری پر کوئی پابندی نہ تھی- سفر و حضر' تقریر و تحریر اور تفریح و تسکین کے انفرادی واجتماعی مواقع میسر تھے- جلوت وخلوت کے معاملات میں امکانی آزادی حاصل تھی- عزت و آبرو اور جسم وجان کی حرمت کا خیال رکھا جاتا تھا- وہ تمام حقوق جو خالق نے مخلوق کو عطا فرمائے ہیں' حضورؐ کے قائم کردہ اسلامی معاشرے میں تمام افراد کو مساوی طور پر حاصل تھے- اس سلسلے میں مذہب وملّت اور رنگ ونسل کی کوئی تمیز نہ تھی-

محسنِ انسانیتؐ کا رائج کردہ نظامِ معاشرت آپؐ کی سیرتِ طیّبہ کا خوشنما مظہر تھا- آپؐ نے جس صالح معاشرے کے خط وخال اجاگر کیے' آپؐ کے پیروکاروں نے مدّت تک ان کی لَو دھیمی نہ پڑنے دی- اس کے طرزِ حیات میں مسلم وغیر مسلم' مرد و زن' امیر وغریب اور حاکم ومحکوم کی شخصیت پیشِ نظر نہیں رکھی جاتی تھی- ایک مرتبہ بنی مخزوم کی ایک خاتون نے چوری کرلی- آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا- قریش نے حضورؐ کے منہ بولے پوتے اسامہ بن زیدؓ سے سفارش کرائی- آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا ___ "تم سے پہلے قومیں اسی لیے برباد ہوئیں کہ جب کوئی معزّز آدمی جرم کرتا تو اسے معاف کر دیا جاتا اور اگر کسی ادنیٰ سے جرم سرزد ہو جاتا تو اسے سخت سزا دی جاتی- خدا کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں!" ___

حقوقِ انسانی میں مساوات' رحمتہ للعالمینؐ کا خاص وصف تھا- غیر مسلم تک اپنے مقدمات حضورؐ کی عدالت میں لاتے تھے اور فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے تھے- ایک

Marfat.com

بار ایک یہودی اور مسلمان کے مابین تنازع ہوگیا تو حضورؐ نے یہودی کے دلائل وشواہد کی بنا پر فیصلہ اس کے حق میں دے دیا۔ غزوۂ بدر میں جو قریشی جنگ باز گرفتار ہوئے' ان میں آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے لیکن آپؐ نے انہیں عام قیدیوں کے ساتھ رکھا اور رہائی کے لیے انصاف کے عمومی تقاضے پورے کیے۔ آپؐ کی سیرتِ طیبہ کا یہ درخشاں پہلو رہتی دنیا تک مثالی ہے کہ آپؐ نے غیر مسلم قبائل عرب اور یہود ونصاریٰ کو اسلامی ریاست کے معزز شہری تسلیم کرتے ہوئے انہیں قانونی واخلاقی مراعات فراہم کیں۔ خیبر کی یہودی اور نجران کی عیسائی آبادیوں کو بحال رکھا گیا' ان کی جائیدادیں محفوظ رہیں' عبادت گاہیں قائم رکھی گئیں اور انہیں مذہبی رسومات ادا کرنے کی مکمل آزادی دی گئی۔

غزوۂ خندق میں آپؐ کی قائم کردہ مساوات کا عظیم الشان مظاہرہ ہوا۔ اس ہنگامی صورتِ حال میں جب قریش اپنے تمام حلیفوں کے ساتھ دارالخلافہ' مدینۂ منورہ پر چڑھ آئے تھے' آپؐ اپنے صحابہ کے ہمراہ خود بھی مزدوروں کی طرح خندق کھود رہے تھے۔ بھوک سے نڈھال صحابۂ کرام نے پیٹ پر پتھر باندھ لیے لیکن کیا کہنے سرکارِ دوعالمؐ کے کہ جب ایک صحابی نے پیٹ پر پتھر بندھا دکھایا تو حضورؐ نے اسے صبرو شکر کی تلقین فرماتے ہوئے اپنا دامن سرکا دیا ___ شکمِ مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے! ___ مساواتِ انسانی کا ایسا خوشنما منظر نامہ تاریخ کی آنکھ نے کب دیکھا تھا کہ دو جہان کے سردار اپنے رفقاء کے جلو میں محنت کشی اور فاقہ کشی کا حیرت انگیز مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی نہیں' ان کے پروٹوکول کا عالم یہ تھا کہ آپ محفل میں نمایاں ہو کر نہ بیٹھتے بلکہ اپنے جاں نثار بوریہ نشینوں میں ایسے گھل مل جاتے کہ حضورؐ کی شناخت مشکل ہو جاتی۔ آپؐ نے جس مساوات کا بیج بویا' وہ توحید کے مصفّا پانی سے سیراب ہوا تھا۔ یہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ ہی میں اگا' پلا' بڑھا اور پھولا پھلا' یہاں تک کہ ایک تناور درخت بن گیا۔ اس کے ثمرِ شیریں نے ہر فردِ بشر کو وحدت ویکجائی کا رس ارزانی کیا۔ اس کی سرسبز شاخوں نے اپنے پرائے' مسلم وغیر مسلم کو اپنے سائے میں مساوی جگہ دی۔ حضورؐ کی سیرتِ طیّبہ کے اس نقش پر رنگ آیا تو دنیا بھر کے شاہ وگدا' امیرو مفلس' زردار ونادار حج کے موقع پر ایک ہی مقصد لیے' ایک سا لباس پہنے' ایک جیسی شکل بنائے' ایک ہی مقام پر آن کھڑے ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ آج بھی لاکھوں اہلِ ایمان کو ہر لحہ کہیں نہ کہیں نمازِ پنجگانہ میں صف بہ صف کھڑے' جھکتے' بیٹھتے مساواتِ انسانی کا مظاہرہ کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

# حکّام اور عوام کے حقوق

اسلام کے اَن گنت احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے بندگانِ خدا کو "قوم" کے سطحی اور محدود تصور کی بجائے "ملّت" کا آفاقی نظریہ بخشا۔ ملّتِ اسلامیہ کی عمارت اللہ کی وحدانیت پر استوار ہوتی ہے۔ اس سے مسلمانوں میں فکری ہم آہنگی کا ظہور ہوتا ہے۔ اتحاد واتفاق کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور اسلامی برادری' عالمی انسانی برادری کا خواب تعبیر کرنے کا محرّک بنتی ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسری اقوام کی انفرادیت طبقاتی حوالے سے نمایاں ہوتی ہے۔ کہیں رنگ ونسل کا اختلاف ان کی شناخت بنتا ہے تو کہیں علاقائیت اور مذہبی تفریق ان کی پہچان ٹھہرتی ہے۔ مثال کے طور پر ہندو سماج کے چار طبقے ہیں جنہیں بدقسمتی سے مذہبی آشیرباد بھی حاصل ہے۔ برہمن سارے اخلاقی اور قانونی حقوق کا مالک ہے جب کہ شُودر کو گھٹیا مقام دے کر شہریت کے استحقاق سے محروم رکھا گیا ہے۔ یہ انسانیت کی کُھلی تذلیل ہے جس کی اجازت کسی متمدّن معاشرے اور مذہب نے ہرگز نہیں دی۔

فطرتِ انسانی ہر دَور میں ان حقوق کا مطالبہ کرتی رہی ہے جن سے افراد کو شہری زندگی میں ترقی کی آزادی حاصل ہو۔ ان حقوق کے بغیر نہ تو زندگی محفوظ ہوتی ہے' نہ صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آزادی کی فضا دراصل حقوق ہی پیدا کرتے ہیں۔ اس آزادی کا پرچار ویسے تو تمام مذاہب کرتے آئے ہیں مگر اسلام نے اسے قانونی تحفظ عطا کیا۔ اسلامی ریاست میں مسلم اور غیر مسلم باشندوں کو آزادانہ زندگی گذارنے کا موقع دیا جاتا ہے تاکہ زبردست اور زیردست اپنے اپنے دائرۂ کار میں اپنی شخصیت کو نشوونما دیں۔ رعایا اپنی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اہلِ اقتدار مخلوق کے حقوق میں بے جا مداخلت نہ کریں۔ یہ حد بندی ہر فلاحی اور جمہوری ریاست کا امتیازی وصف

Marfat.com

ہے۔ اسی سے عدل وانصاف قائم ہوتا ہے' بھلائی اور نیکی ترقی کرتی ہے اور بدی کی قوتیں شکست کھا جاتی ہیں۔

ہر مہذّب معاشرے میں عوام کے تمام طبقات کو بلاامتیاز' معاشرتی یا شہری حقوق دیے جاتے ہیں۔ یہ حقوق تہذیبی شعور کی عکاّسی کرتے ہیں۔ ریاست ان کا دفاع کرتی ہے۔ جان کا تحفظ تمام حقوق کا سرچشمہ ہے۔ اگر یہ حق میسر نہ ہو تو باقی حقوق بے معنیٰ ہوتے ہیں۔ جینے کا حق زندگی کے معمولات میں دلچسپی پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ عزت وآبرو سے عمر بسر کرنا' جائیداد بنانا' معاشی ومعاشرتی امور کے سلسلے میں ملک میں اور بیرون ملک نقل وحرکت کرنا' خوراک' لباس' رہائش اور تعلیم کی بنیادی سہولتیں حاصل کرنا' اپنی پسندیدہ زبان وثقافت کو اپنانا ـــــ ان کی ترویج وترقی کے لیے تحریری وتقریری انداز میں تخلیقی امنگوں کا اظہار کرنا اور اپنے ضمیر واعتقاد کے مطابق زندگی گذارنا عوام کا حق ہے۔ انہیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی تندرستی بحال رکھنے کے لیے ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں سے استفادہ کریں۔ کسی ثبوت اور انصاف کے تقاضے پورے کیے بغیر ان کے خلاف کوئی انضباطی کارروائی نہ کی جائے۔ مذہبی دلآزاری سے گریز کیا جائے۔ جمہوری ریاستوں میں آزادئ رائے کا حق بھی مسلّم ہے بشرطیکہ وہ اختلافات کو ہوا دینے کے لیے نہ ہو۔ ظلم کے خلاف احتجاج اور اذیت ناک قوانین کی بجاآوری سے انکار بھی عوام کا حق ہے تاکہ معاشرے میں امن وسلامتی کا دَور دَورہ ہو اور آدم زاد آزاد فضا میں سکھ کا سانس لے سکیں۔

مگر سکھ کی فضا یونہی میسّر نہیں آجاتی ـــــ اس کے لیے عوام اور حکام کے حقوق وفرائض میں توازن کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح حکاّم کا فرض ہے کہ وہ سخت اور دشوار احکام نافذ نہ کریں' اسی طرح عوام پر حکومت کا حق یہ ہے کہ وہ تمام بھلے کاموں میں اس کی خیرخواہی اور اطاعت کریں۔ قانون کے پابند ہوں اور انتظامی امور میں خلل نہ ڈالیں۔ ملکی استحکام اور قومی دفاع کے مسائل میں خوش دلی کے ساتھ حکومت کی مدد کریں۔ کسی معاشرے میں جب ہم آہنگی کا یہ ماحول پیدا ہو جاتا ہے تو وہاں نہ اہلِ اقتدار مطلق العنان ہو سکتے ہیں' نہ خودسر عناصر اجتماعی مفادات کا شیرازہ بکھیر سکتے ہیں۔

انسانی معاشرت اور جنگلی حیات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان' آئین اور ضابطے کے تحت زندگی بسر کرتا ہے جبکہ وحشت' ہر قاعدے کو توڑ چھوڑ دیتی ہے۔ ایک مثالی

Marfat.com

ریاست وہ ہوتی ہے جہاں معاشرے اور ریاست دونوں کا تشخص واضح ہو۔ حکّام اور عوام ایک دوسرے کے حقوق تسلیم کریں۔ ایک آدم کی اولاد ہونے کے ناتے سے ان میں ازلی مساوات موجود ہے۔ یہ ایسا پیدائشی حق ہے جو قدرت نے ہر شخص کو برابر عطا کیا ہے۔ حکّام کوئی آسمانی مخلوق ہوتے ہیں' نہ عوام خاک کے حقیر ذرے۔ چنانچہ فطری اعتبار سے جب کوئی کم تر یا برتر نہیں تو لازم آتا ہے کہ دونوں فریق اپنے دنیوی مقام و مرتبے سے آشنا ہو کر اپنے اپنے فرائض بحسن وخوبی سرانجام دیں۔ حکّام' عوام کے خادم ہوں اور عوام' حکّام کے دست وبازو ـــــ ہر دل سے خیر کا چشمہ پھُوٹے' ہر آنکھ پر محبت مہرباں ہو' ہر سوچ ارتقاء کا منظر نامہ لکھے اور فضا' انسان دوستی کی خوشبو سے مہک مہک اٹھے!

سانس کی آری' ہستی کا شجر کاٹ رہی ہے ـــــ زندگی' برف کی سِل کی طرح پگھلتی ہی جارہی ہے۔ یہ پونجی گھٹتی جارہی ہے!

**واصف علی واصف: دل دریا سمندر**

Marfat.com

# اقلیتوں کے حقوق

پیغمبرِ اسلامؐ کے ظہورِ قدسی سے کرۂ ارض پر سعادتوں کے در کھلے۔ آپؐ کی سرمدی تعلیمات کا نکتۂ اوّلیں توحید ٹھہرا۔ یعنی ایک اللہ کی مخلوق کے درمیان رشتۂ وحدت قائم ہونا چاہئے۔ اسے رنگ و نسل کے اختلاف اور مذہبی نزاع کی بجائے عالمگیر اخوت و محبت کی زنجیر سے منسلک ہونا چاہئے تاکہ ایک مثالی معاشرہ جنم لے سکے جہاں اخلاقی فضیلت کے سوا کسی فرد کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوتی۔ بنیادی ضروریات کے لحاظ سے کسی کے مخصوص مفادات نہیں ہوتے۔ روزگار' سکونت' ملکیت' تقریر و تحریر اور ترقی کے مواقع تمام ہم وطنوں کو بلا امتیازِ مذہب و ملّت مساوی طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ اسلامی قانون کا فرو مومن اور سرکش و مطیع کو طبعی ضروریات پورا کرنے کے لیے بڑی فیّاضی سے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے اور محض اس بنا پر امتیازی سلوک روا نہیں رکھتا کہ وہ عقیدہ و مسلک' طریقِ عبادت یا ثقافتی اطوار میں جداگانہ اسلوبِ حیات کے حامل ہیں۔ وہ صرف ایسے تمدنی امور اور اخلاقی معاملات پر بندش لگاتا ہے جو اسلام کے نزدیک انفرادی و اجتماعی فلاح کے لیے مضر ہیں۔

اسلامی ریاست انہی رہنما اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ وہ چونکہ محض مذہبی نہیں ہوتی' اس لیے اس میں اعتقادات و مسالک کا تعصّب کارفرما نہیں ہوتا۔ اس کی تشکیل فقط ذوقِ سلطانی کی تسکین کے لیے بھی نہیں ہوتی لہٰذا وہاں کسی جبر و استحصال کا امکان نہیں ہوتا۔ یہ انسانی فلاح و بہبود کے ترقی پرور اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں رواداری' عدل اور مساوات کا دَور دَورہ ہوتا ہے۔ یہاں مسلم اکثریت کے علاوہ مختلف نسلوں اور مذہبوں کے لوگ آباد ہوتے ہیں لہٰذا اسلامی ریاست ان کے بنیادی حقوق ــــــ جان و مال' عزت و ناموس اور مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔ انہیں مملکت

Marfat.com

اسلامیہ کے باعزت شہری قرار دے کر اسی فیّاضی کا مستحق سمجھا جاتا ہے جس سے مسلم باشندے مستفید ہوتے ہیں' تاہم انہیں ریاست کی پالیسی بنانے میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اس کے اساسی نظریے سے متفق نہیں ہوتے۔

فتوحاتِ اسلامی کا آغاز ہوتے ہی اولاد آدم کو انہی آفاقی برکات کا روح پرور منظر دیکھنے کو ملا۔ رسول اللہؐ نے غیر مسلم قبائلِ عرب اور یہود و نصاریٰ کو اسلامی ریاست کے معزّز شہری تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایسی دستاویزات عطا فرمائیں جن کی رو سے انہیں ہر طرح کے تحفظ کی ضمانت ملی۔ غیر مسلم قبائل عرب' خیبر کی یہودی اور نجران کی عیسائی آبادیوں کے انسانی حقوق بحال رکھے گئے۔ ان کی جائیدادیں محفوظ رہیں۔ ان کی عبادت گاہیں قائم رکھی گئیں اور انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی دی گئی۔ جزیہ کے نام سے ایک معمولی ٹیکس کے عوض ان کی سلامتی کا ذمہ لیا گیا (اسی ذمہ داری کے حوالے سے غیر مسلم رعایا کو اصطلاح میں ذمّی کہا جاتا ہے) تاہم یہ ٹیکس مسلمانوں پر عائد کردہ زکوٰۃ سے کہیں کم ہوتا ہے۔ جزیہ سب کے لیے مساوی نہیں ہوتا بلکہ افراد کی مالی حالت کو پیشِ نظر رکھ کر مقرر کیا جاتا ہے۔ ذرائع آمدنی نہ رکھنے والوں کے علاوہ بچے' بوڑھے' اپاہج اور ذہنی و جسمانی مریض اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ جزیہ صرف ان لوگوں پر لگایا جاتا ہے جو جنگ میں حصہ لینے کے اہل ہوں لیکن جنگ نہ لڑنے کے عوض حکومت کو جزیہ ادا کریں۔ جنگ میں برضا و رغبت حصہ لینے کی صورت میں جزیہ معاف ہو جاتا ہے۔ اقلیتوں سے متعلق یہ صالح روایات عالمِ اسلام میں ہمیشہ جاری رہیں۔ ہندوستان سے لے کر ہسپانیہ تک ایشیا' یورپ اور افریقہ کی لاکھوں ایکڑ اراضی فتح کرنے والے مسلمانوں نے ان کے حقوق پر کبھی دست درازی نہ کی۔

اسلامی ریاست اقلّیتوں کو جو مقام عطا کرتی ہے' وہ فاتح کا مفتوح پر احسان نہیں بلکہ ہم وطنی اور ہم سری کی سطح کا ایک احسن معاہداتی تعلق ہوتا ہے۔ اس کی رُو سے غیر مسلم کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے مساوی ٹھہرتی ہے ___ عہدِ رسالت میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے ایک ذمّی قتل ہو گیا تو آپؐ نے اس کے قتل کا حکم صادر کرتے ہوئے فرمایا ___ "اپنے ذمّے کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حقدار میں ہوں" ___ قبیلہ بکر بن وائل کے کسی شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ خلیفۂ راشد حضرت عمرِ فاروقؓ نے قاتل کو مقتول کے وارث حُنین کے حوالے کیا جس نے اس کی گردن اڑا

Marfat.com

دی۔ عہدِ عثمانی میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تو مقتول کے ورثاء کو دیت دلوائی گئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اقلیتوں نے عقدِ ذمہ قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ ان کے مال کی طرح ان کے خون بھی ہمارے خون کی طرح ہو جائیں۔ اقلیتوں کی عزتوں کی پاسبانی بھی اسلامی حکومت کی ترجیحی ذمہ داری ہے۔ حمص کے گورنر عمیر بن سعد کی زبان سے کسی ذمّی کی شان میں یہ فقرہ نکل گیا ــــــ "اَخْزَاکَ اللّٰہ! یعنی اللہ تجھے رسوا کرے! اس پر انہیں اس قدر ندامت ہوئی کہ دربارِ فاروقی میں حاضر ہو کر اپنے عہدے سے استعفا دے دیا۔

اقلیتوں کے شخصی معاملات کا تصفیہ انہی کے قانون کے مطابق کیا جاتا ہے۔ ان پر اسلامی شریعت کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی اَملاک مسلمانوں کی جائدادوں کی طرح محفوظ ہوتی ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں کو مسمار نہیں کیا جاسکتا البتہ جو شہر مسلمانوں کے آباد کردہ ہوں' وہاں اقلیتوں کو اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ انہیں اپنی بستیوں میں مذہبی مراسم ادا کرنے اور قومی تہوار منانے کی کھلی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ انہیں ان کے آباد کردہ شہروں میں شراب کی خرید و فروخت' خنزیر پالنے' صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اگر وہ غدّاری کے مرتکب ہوں' علانیہ سرکشی پر اتر آئیں یا دشمن سے جاملیں تو انضباطی کارروائی کی جاتی ہے اور ان کی جائدادیں خرید کر انہیں جلاوطن کر دیا جاتا ہے۔

شریعتِ اسلامی میں جزیہ و خراج کی وصولی کے لیے سختی کی قطعی ممانعت ہے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے شام سے واپسی پر راستے میں چند آدمیوں کو دھوپ میں کھڑے دیکھا جن کے سروں پر تیل ڈالا جارہا تھا۔ آپ کے استفسار پر بتایا گیا کہ "یہ لوگ نادار ہیں اور جزیہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں ان کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔" فاروقِ اعظم نے آنحضرتؐ کا قولِ مبارک دہراتے ہوئے فرمایا: "لوگوں کو تکلیف نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں ایسا کرتے ہیں' اللہ قیامت کے روز انہیں عذاب پہنچائے گا" ــــــ اگر کوئی ذمّی محتاج ہو جائے تو نہ صرف اس کا جزیہ معاف ہو جائے گا بلکہ بیت المال سے اس کے لیے فقیر مسلمانوں کی طرح وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکرِ صدیقؓ کے عہد میں فتحِ حیرہ کے موقع پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے یہ معاہدہ لکھا: ــــــ "میں نے انہیں یہ حق دیا ہے کہ اگر کوئی بوڑھا شخص از کار رفتہ' آفت رسیدہ یا امیر سے غریب ہو جائے جس کے سبب

Marfat.com

سے اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینا شروع کر دیں تو اس کا جزیہ موقوف ہو جائے گا۔ وہ اور اس کی اولاد اس وقت تک بیت المال کے وظیفے کی مستحق ٹھہرے گی جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہیں"۔

اسلامی ریاست کی عالی ظرفی کا عالم یہ ہے کہ حکومت اگر کسی وقت اقلیتوں کی حفاظت سے قاصر ہو جائے تو جزیہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ جنگِ یرموک کے موقع پر عسکری نزاکت کے پیشِ نظر جب مسلمانوں کو شام کا شہر حمص خالی کرنا پڑا تو مسلم سپہ سالار ابو عبیدہ بن الجراح نے اپنے لشکر کو ہدایت کی کہ اہلِ شہر سے وصول شدہ جزیہ کی رقم واپس کر دی جائے کیونکہ یہ ایک حفاظتی ٹیکس ہے اور اب ہم ان لوگوں کی حفاظت سے قاصر ہیں۔ یہ سن کر یہودی اور عیسائی مسلمانوں کا حسنِ سلوک یاد کر کے ان کی فتح اور واپسی کی دعائیں مانگتے تھے کیونکہ انہوں نے ایک فلاحی راست کے زیرِ سایہ سکھ کا سانس لیا تھا اور یہ اسی فلاحی ریاست کا ثمرہ تھا کہ عالمِ اسلام کی اقلیتوں نے ہر موقع پر اپنی ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ یہ ذمّی ہی تھے جو مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے۔ لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صَرف سے سڑک اور پُل تیار کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے حالانکہ یہ لوگ انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔

یہ ایک خوشنما تصویر ہے اس نظامِ حکومت کی جس نے عالمِ انسانیت کو محبت اور عدل و مساوات کی اعلیٰ قدروں کی بشارت دی۔ اسلام نے ایک ایسے عالمگیر معاشرے کا سچا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر نہ گذشتہ اقوام کے تاریخی ریکارڈ میں ملتی ہے' نہ دورِ حاضر کے متمدّن سماجوں میں دکھائی دیتی ہے۔ مسلمانوں نے اقلیتوں کے ساتھ جو عادلانہ اور مشفقانہ طرزِ عمل اختیار کیا' وہ عالمی ضمیرِ انسانی کے لیے ایک قابلِ تقلید مثال ہے اور عصرِ جدید کے نام نہاد مہذّب ممالک یوگو سلاویہ' بھارت' فلپائن' روس' برما' البانیہ' تھائی لینڈ اور چیکو سلاواکیہ وغیرہ کی غیر مسلم حکومتوں کے لیے لمحۂ فکریہ جہاں مذہبی تعصب کی بنا پر مسلم اقلیتوں کو بہیمیت اور درندگی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس عہدِ شعور میں آدمیّت کی یہ تذلیل ایامِ جاہلیت کی یاد دلاتی ہے اور ارتقاءِ انسانیت سرابوں کا سفر لگتا ہے۔

Marfat.com

# یتیموں کے حقوق

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دو قسم کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک اللہ کے حقوق یعنی عبادات اور ایمانیات۔ دوسرے حقوق العباد یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ حسنِ معاملت۔ عبادات کی ادائیگی ضروری ہے لیکن مخلوقِ خدا کے حقوق ادا کرنا' ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اور ان کی خدمت کرنا عبادات سے بھی افضل ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ـــــ اَلخَلقُ عَیَالُ اللّٰہ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ ـــــ تمام مخلوق اللہ کا گھرانہ ہے۔ اللہ کو عزیز ترین وہ شخص ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ انبیاء' صلحا اور خدا کے برگزیدہ بندوں نے اہلِ دنیا کو یہی تعلیم دی۔ ان کی اپنی زندگی بھی یتیموں' بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی دستگیری میں گزر گئی۔

ساتویں صدی عیسوی میں خطۂ عرب میں جو اسلامی معاشرہ ظہور میں آیا' اس کی اساس محبت پر رکھی گئی تھی۔ اس کا خمیر فلسفۂ ربّ العالمینی سے اٹھا تھا یعنی جس طرح اللہ ساری نوعِ بشر کو بلا امتیازِ مذہب و ملّت اپنا خاندان کہتا ہے' اس سے پیار کرتا ہے اور اس کی کفالت کرتا ہے' اسی طرح اسلامی معاشرے کے افراد کو اپنے تمام ہم جنسوں کے ساتھ رحم و کرم کا رویّہ اپنانا چاہئے اور عدل و احسان سے نہ صرف کلمہ گو افراد بلکہ ساری انسانی برادری کے لیے محبت کے جذبات سے سرشار ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں صحیفۂ آسمانی قرآنِ مجید ایسے اصول و ضوابط کا دلنشیں گلدستہ پیش کرتا ہے جس میں امن و سکون' فراغت و خوش حالی اور اخوّت و یگانگت کے رنگا رنگ پھول چُنے ہوئے ہیں جو اپنے رنگ و بُو سے نوع انسان کو خوشگوار زندگی کا اسلوب ارزانی کرتے ہیں۔ اس کتابِ زندہ نے انسان کے اشرف جذبات سے خطاب کیا ہے۔ اس کی پیش کردہ تعلیمات کا مرکز و محور انسانیت کی مصفّا قدروں کا احیاء و نفوذ ہے۔ وہ بار بار اعلان کرتا ہے کہ اللہ تک

Marfat.com

رسائی کا ایک ہی راستہ ہے کہ کم نصیب آدم زادوں سے محبت کی جائے۔ یتامیٰ اور مساکین کی مدد کی جائے اور غریبوں کی حاجت روائی کی جائے۔

سورۃ النساء کے آغاز میں انسان کی پیدائش کا مضمون بیان کرتے ہوئے جذبۂ محبت کو انسانیت کا نقشِ اوّلیں قرار دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کے وجود سے حوّا کی تخلیق ہوئی اور پھر اس کے پیکرِ خاکی کو افرادِ انسانی کی آفرینش کا سبب بنا دیا گیا۔ ان کے قد و قامت اور رنگ و زبان میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اصل سب کی ایک ہے۔ وہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں' اس لیے آدمی ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں۔ اس فلسفۂ حیات نے نسلِ آدم میں اجتماع و اتحاد اور صلہ رحمی کو فروغ دیا اور قرابتداری کا ایسا نظام تشکیل دیا جس کی رو سے کسی شخص کو ذات برادری یا حسب و نسب کی بنا پر کوئی بڑائی حاصل نہیں۔ یہاں بزرگ و برتر وہی ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں اور وہ انسان دوستی میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو معاشرے کا ایک طبقہ ایسا ہے جو دوسروں کی ہمدردی اور اعانت کا زیادہ مستحق ہے' وہ ہیں یتیم۔ سورۃ النسا کی ابتدائی آیات میں تخلیقِ انسان کے مضمون کے ساتھ یتیموں کا ذکر کر کے اس بے کس طبقے کی اہمیت اجاگر کی گئی۔ ان کے متعلق اوّلین ہدایات جنگِ احد کے بعد نازل ہوئیں۔ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہو گئے تھے اور شہدا کی وراثت کی تقسیم اور ان کی اولاد کے مفادات کے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔

اسلام سے پہلے' خطۂ عرب کو جہاں جبر و ستم کی دوسری قبیح روایات نے وحشت کدہ بنا رکھا تھا' وہاں یتیموں پر طرح طرح سے دستِ جفا دراز کیا جاتا تھا۔ کسی بچے کا والد مرجاتا تو اس کے چچے اور بڑے بھائی سرپرستی کے نام پر اس کے سارے مال و متاع پر قبضہ جما لیتے اور یتیم کی دنیا اندھیر ہو جاتی۔ وہ بالغ ہونے پر بھی وراثت کے حقوق سے محروم رہتا۔ یہ استحصال پسند بزرگ حرص و طمع میں اس قدر اندھے ہو جاتے کہ اعلیٰ نسل کے صحت مند مویشی اپنے باڑوں میں باندھ لیتے اور دنیا کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لیے یتیم کو ردّی نسل کے ناکارہ جانوروں پر ٹرخا دیتے۔ وہ ایسے ہتھکنڈے بھی آزماتے کہ یتیموں کا مال و اسباب اپنے ساز و سامان میں خلط ملط کر لیتے اور سرپرستی کی آڑ میں رفتہ رفتہ سب کچھ ہڑپ کر جاتے۔ جس ماحول میں یتیم بچوں کو مکر و فریب کے جال بچھا کر محرومیوں کی راکھ پھانکنے پر مجبور کیا جائے' وہاں صلح و خیر اور مسرت و شادمانی کا منظر نامہ کیسے لکھا جا سکتا

Marfat.com

ہے اور اس سماج کی فضا صحت مند کیونکر رہ سکتی ہے؟

اسلام کا مطمح نظر چونکہ عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اس لیے اس نظامِ حیات میں کسی ضرر رسانی کا تصور تک محال ہے۔ شریعتِ اسلامی نے تو غیر مسلموں تک کے حقوق مقرر کیے ہیں اور وہ ان پر بھی کسی زیادتی کی اجازت نہیں دیتی' چہ جائیکہ اس کے پیروکار ایک دوسرے پر ظلم کریں۔ یتیم بچے تو ہر اعتبار سے قابلِ رحم ہوتے ہیں کہ وہ تو اپنا حق وصول کرنے سے بھی معذور ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں بائیس مرتبہ یتیموں کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا اور ان پر کی جانی والی تمام ممکن زیادتیوں کا سدِّباب کرنے کے لیے اعلان کیا گیا ــــ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰىٓ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ــــ یتیموں کا مال جو تمھاری تحویل میں ہو' ان کے حوالے کردو۔ ان کے عمدہ مال کو اپنے خراب مال سے نہ بدلو۔ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر بھی مت کھاؤ کہ یہ بہت بڑا اخلاقی جرم ہے۔

اسلام کے پیشِ نظر تمام بنی نوعِ انسان کی خیر و فلاح ہے۔ محض چند افراد کا پھلنا پھولنا اسے نہیں بھاتا۔ اسلام گوارا نہیں کرتا کہ کچھ لوگ تو زندگی کی آسودگیوں سے فیضیاب ہوں اور باقی انسانوں کو بنیادی ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم رکھا جائے۔ اس نے تو ایمان کی نشانی ہی یہ بتائی ہے کہ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ــــ ان کے مال میں ضرورت مندوں اور محروموں کا حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جو دین ہوا اور پانی کی طرح زندگی کی خوشگواریوں میں سب کو حصے دار بناتا ہے اور زکوٰۃ صدقات اور خیرات کے حوالے سے ساری اولادِ آدم کی بہتری اور بھلائی کے لیے سرگرمِ عمل ہونے کو کمالِ انسانیت قرار دیتا ہے' وہ بھلا بے بس یتیموں پر کوئی زیادتی کیونکر برداشت کر سکتا ہے؟

چنانچہ جو لوگ ان کے مال و متاع پر حریصانہ نگاہیں گاڑیں' انھیں قرآن نے انتباہ کیا ــــ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ــــ جو لوگ ظالمانہ طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں' وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔

یتیموں کے مال کے بارے میں قرآن کی یہ وعید سن کر مدینے کی فضا میں ہلچل مچ گئی۔ جن صحابۂ کرام کے ساتھ یتیم بچے اپنے مال سمیت سکونت پذیر تھے' ان کے لیے کئی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ ان کے لیے علیحدہ کھانا پکانے' ان کے بچے ہوئے کھانے کے ضائع ہونے اور مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل کھڑے ہو گئے۔ مگر اللہ نے ان کی

Marfat.com

مشکل آسان کر دی اور ارشاد ہوا ـــــ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتَامٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحْ ـــــ اے محمد ﷺ مسلمان آپؐ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہ دیجیے کہ یتیموں کی بھلائی بہت اچھا کام ہے۔ اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہنا اور خرچ اکٹھا رکھنا چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ کو خوب علم ہے کہ خرابی پیدا کرنے والا کون ہے اور اصلاح کس کے پیش نظر ہے۔ انہی دنوں رسول اللہؐ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا ـــــ اَلَامَنْ وَّلِیَ یَتِیْمًا لَّهٗ مَالٌ فَلْیَتَّجِرْ فِیْهِ وَلَا یَتْرُکْهُ حَتّٰی تَاکُلَهُ الصَّدَقَه ـــــ کسی یتیم کا ایسا والی جس کے پاس اس کا مال ہو' اسے چاہیے کہ وہ اس مال کو تجارت میں ملا دے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے زکوٰۃ ہی کھالے۔

محسنِ انسانیت' محمد ﷺ نے جو بے نظیر انقلاب برپا کیا' اس کی روحِ رواں خیر خواہی تھی۔ یہ خدا ترسی' پرہیزگاری' ضبط نفس اور اخلاق ذمہ داریوں پر مشتمل ایسا مثالی نظام تھا جس نے اپنے پیروکاروں میں ایسی بلند سیرتی پیدا کی جو خلقِ خدا کی بھلائی کے جذبات سے عبارت تھی۔ ان کو ہر لحظہ اپنے معبود کی رضا مطلوب رہی۔ چونکہ اللہ کی طرح اس کے تمام مظاہرِ کائنات بھی حسین ہیں لہٰذا اس کی جمالیاتی تقویم کا شاہکار انسان بھی حسین ہے جسے طبعاً حسن سے لگاؤ ہے۔ وہ آدم سے نسبت رکھنے کے باعث فطرتاً اپنے ہم جنسوں سے محبت کرتا ہے۔ اسلام نے فضائلِ اخلاق کا جو نظام پیش کیا' اس کا غالب نکتہ یہی تھا کہ عدل و احسان کے وسیلے سے انسانی فطرت کے جذبۂ محبت کو معتبر بنایا جائے۔ اس حوالے سے اسے کامیابی نصیب ہوئی اور مسلمان عفوو کرم اور رحمت و شفقت کے ان جواہر سے مالا مال ہوئے جن سے بے بس انسانوں کے ایک اہم طبقے' یتامیٰ کو ہر طرح کے تحفظ کی بشارت ملی۔ یہی وجہ تھی کہ اخلاقِ فاضلہ کا حامل ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو دنیا کے سارے سماجوں میں منفرد تھا اور اصلاح و اخلاص اس کا امتیازی نشان تھا ـــــ آج جبکہ مادیت اور خواہشات کے الاؤ دہک رہے ہیں' وقت کو پھر اسی نظامِ معاشرت کی تلاش ہے' جس نے صدیوں پہلے عرب کے آتش کدے میں اندازِ گلستاں پیدا کر دیا تھا۔ دنیا جب چاہے اس عہدِ پارینہ کی صالح قدروں کو اپنا کر زندگی کے تمام شیریں ثمرات سے فیضیاب ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

# ضرورت مندوں کی اعانت

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا

یہی ہے عبادت' یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

قرآن مجید' اسلام کا لافانی دستور العمل ہے۔ اس کتاب زندہ کا اوّلین جملہ ہے ـــــ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ـــــ تمام تعریفیں تو اس پروردگار کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ عالمین سے مراد سارے انسان ہیں جو بحیثیتِ مخلوق اپنے خالق کی نگاہ میں برابر ہیں۔ وہ انھیں دولت کے پیمانے سے نہیں ناپتا بلکہ بلا امتیازِ مذہب و ملّت سب کو کھانے' کمانے اور جینے کا حق ارزانی کرتا ہے۔ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ـــــ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ ـــــ ساری مخلوق اللہ کا گھرانہ ہے۔ اللہ کو زیادہ پیارا وہ شخص ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک کرے ـــــ اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ طاقت ور کمزوروں کو اور امیر غریبوں کو کچلیں۔ وہ گوارا نہیں کرتا کہ چند افراد کی تجوریاں تو سیم و زر سے لبریز ہوں اور بے شمار لوگوں کو بنیادی سہولیات بھی میسر نہ آئیں۔ قدرت کے خوشگوار انعامات میں سب برابر کے حصے دار ہیں۔ رزق کے سرچشمے کسی کی انفرادی ملکیت نہیں' انھیں دریا کی طرح بہتے رہنا چاہیے اور صدقات و خیرات کے حوالے سے ان کا فیضان جاری رہنا چاہیے ـــــ ہوا اور پانی کی طرح عام!

Marfat.com

دنیائے معیشت میں مال و متاع کی حیثیت وہی ہے جو بدن میں خون کی ہوتی ہے۔ جس طرح دورانِ خون میں کوئی خرابی پید ہو جائے تو انسانی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے' اسی طرح دولت کی گردش منصفانہ نہ ہو تو سلسلۂ حیات کی کڑیاں بکھر کر رہ جاتی ہیں۔ علماءِ عمرانیات نے معاشرے کو ایک ایسے وجود سے تشبیہ دی ہے جس کا ڈھانچہ افراد سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ ایسی زندہ اکائی ہے جس کے تمام اجزا میں تناسب ہونا چاہئے جو باہمی اتحاد و تعاون سے جنم لیتا ہے۔ قرآنِ کریم نے یہ تناسب قائم رکھنے کے لیے ایمانیات اور اعمال کی شکل میں ایک تربیتی نصاب مقرر کیا ہے' جس کی روح احسان ہے۔ یہ ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے ـــــ وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (البقرہ ۲:۱۹۵) ـــــ احسان کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے تمام اعمال و افعال میں حسن پیدا کیا جائے۔ جس طرح عبادات کی قدر و قیمت اخلاص سے متعیّن ہوتی ہے' اسی طرح روز و شب کے معمولات' جمال و کمال سے قبول عام حاصل کرتے ہیں۔ نیک برتاؤ' فیاضانہ سلوک اور ہمدردانہ رویّے سے ایسی قدریں فروغ پاتی ہیں جو اجتماعی زندگی میں شیرینیاں گھول دیتی ہیں اور تہذیب کا اجالا پھیلتا ہے۔

اقتصادی استحکام' دینِ فطرت' اسلام کا ترجیحی موضوع ہے۔ ایمانیات اور عبادات کے معاً بعد تمدنی معاملات میں معاشیات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی ابتدا ہی میں ارشاد ہوتا ہے ـــــ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ (البقرہ ۲:۲'۳) کلامِ الٰہی ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔ یہ محتاط زندگی گزارنے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ لوگ ایسی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے حواس اور وجدان سے بالا ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ان نعمتوں میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے انھیں بخشی ہیں۔

قرآن میں رزق کا لفظ ہر طرح کی نعمتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ وہ خواہ مادی ہوں جیسے مال وزر اور صحت و اولاد یا روحانی جیسے عقل و شعور اور علم و حکمت وغیرہ ـــــ یہ سب کچھ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ انسان محض ان کا امین ہے لہٰذا اس کا فرض ہے کہ وہ مالکِ حقیقی کے عطیات میں سے ہر طرح کی قربانی کرنے پر تیار رہے۔ بالخصوص بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرنے کے لیے ہروقت آمادہ رہے کیونکہ اللہ ربُّ العزت دیتے ہی اس لیے ہیں کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی مال و اسباب اس کی مخلوق پر صَرف کیا

Marfat.com

جائے۔ قرآنِ مجید نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کو انفاق' صدقہ اور زکوٰۃ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ۳۷ مقامات پر اس عمل کو لازمۂ اسلام اور مدارِ نجات ٹھہرایا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انسان وقتاً فوقتاً اپنا تجزیہ کرتا رہے کہ وہ تنگ دل یا زرپرست تو نہیں ہو رہا اور اس کا دل عملی اطاعت کے لیے تیار بھی رہتا ہے کہ نہیں۔ دولت خرچ کرنے کو معاملاتِ دنیا میں سرِ فہرست اس غرض سے رکھا گیا تاکہ معاشرتی توازن قائم رہے اور کوئی طبقہ بدحالی کا شکار نہ ہونے پائے۔

اسلام نے ہر اس امکان کا دروازہ بند کر دیا ہے جس سے اجتماعیت کا توازن بگڑنے کا اندیشہ ہو۔ معیشت چونکہ افراد اور جماعت کا اہم ترین مسئلہ ہے اس لیے اسلام نے دولت کی منصفانہ اور عادلانہ تقسیم کے لیے جہاں زکوٰۃ کا فریضہ عائد کیا ہے' وہاں صدقات و خیرات کی صورت میں اختیاری نیکی کی مدّات بھی بیان کی ہیں۔ اس نے ان تمام سرچشموں کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی ہے جن سے امیرو غریب کے درمیان عدمِ مساوات کی خلیج وسیع ہو اور ان کے اخلاق بگڑنے کا خدشہ ہو۔ وہ ایک طرف امرا کی تعیّش پسندی اور فضول خرچی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے تو دوسری جانب افلاس کے مارے آدم زادوں کو قبیح حرکات سے باز رکھنے کی تعلیم دیتا ہے کیونکہ فقروفاقہ سے تنگ آکر مجبور آدمی اکثر غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکات پر اتر آتا ہے۔ پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے وہ کبھی لوٹ مار پر کمربستہ ہوتا ہے تو کبھی عزت و ایمان کا سودا کرتا ہے۔ اسی لیے انسانیت کے نبض شناس پیغمبرؐ نے فرمایا ___ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا ___ یعنی تنگدستی آدمی کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے۔

قرآن پاک نے ان تمام خدشات کے پیش نظر اپنی حکمتِ عملی کا اعلان یوں کیا ___ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ (البقرہ ۲: ۱۷۷) نیکی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق و مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے ___ یومِ آخرت' فرشتوں' کتابِ مقدّس اور انبیاء پر' علاوہ ازیں رضاءِ الٰہی کے لیے اپنا مال رشتے داروں' یتیموں' غریبوں' مسافروں' مدد مانگنے والوں اور غلاموں یا قیدیوں کی رہائی پر خرچ کرے ___ ان احکامات پر عمل پیرا ہونے سے بیک وقت دو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ایک یہ کہ دولت نفس پرستی پر صَرف نہیں ہوتی اور بندہ سرکشی سے باز رہتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری ہونے سے طبقاتی کشمکش ختم ہوجاتی ہے۔ زرداروں اور ناداروں کے مابین الفت و محبت کا رشتہ استوار ہوتا ہے اور قوم خوشحالی کی منزلیں طے کرنے لگتی ہے۔ اسی اعلیٰ نصب العین کی خاطر قرآنِ کریم نے ایمانداروں کی نشانی ہی یہ بتائی ہے کہ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یعنی ان کے اموال میں ضرورت مندوں اور محروموں کا حق ہوتا ہے جسے ان تک منتقل کرنا کوئی احسان نہیں کہ یہ تو ان کا حق ہے کیونکہ مال فی الحقیقت اللہ کی دین ہے جو بعض لوگوں کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کی سلیم الفطرتی کو پرکھا جائے کہ وہ مستحق افراد کا حق پہچانتے اور پہنچاتے ہیں یا نہیں۔

ضرورت مندوں کی مالی اعانت قوم کی تعمیر و ترقی میں خشتِ اول کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن کا تمثیلی انداز ملاحظہ ہو۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ (البقرہ ۲ : ۲۶۱) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو جو سات بالیں اگائے۔ ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے' کئی گُنا کر دیتا ہے ____ چنانچہ اقتصادی ترقی کا انحصار وسائلِ رزق پر چند افراد یا خاندانوں کے قبضہ جمائے رکھنے پر نہیں بلکہ قوم کی مجموعی محنت اور خوشحالی سے وابستہ ہے۔ زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات سے یہ مقصد بخوبی حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس عملِ خیر سے دولت تمام افراد میں تقسیم ہوتی ہے اور تنگ دست اس قابل ہو جاتے ہیں کہ کاروبار میں شامل ہوکر قوم کے دست و بازو بنیں۔

ضرورت مندوں کی اعانت سے اخلاقی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ امراء' وسائل رزق پر پنجے گاڑ کر خود کو اور خدا کو فراموش نہیں کرتے۔ غربت و افلاس کے چنگل میں پھنسے ہوئے لوگ جب کاروباری مشاغل میں مصروف ہو جاتے ہیں تو چوری' ڈاکہ زنی' اغوا' قتل اور طرح طرح کے جرائم پر آمادہ ہوکر امن و امان کا تارو پود نہیں بکھیرتے بلکہ اہلِ ثروت کے مددگار بن کر معاشرتی استحکام کا موجب ہوتے ہیں۔ تخریب' تعمیر کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ ایثار و قربانی اور حق شناسی جیسی اعلیٰ قدریں نمو پاتی ہیں اور وہ مثالی معاشرہ ظہور میں آتا ہے جس کا خواب' انسان ہمیشہ سے دیکھتا آیا ہے۔

Marfat.com

# خدمتِ خلق

ہر مذہب کی تعلیمات کا مرکز و محور یہ رہا ہے کہ نوعِ انساں اپنے پروردگار کے ساتھ بندگی کا تعلق قائم کرے اور آپس میں رحم و کرم کا رویہ اپنائے۔ اسلام تو سراسر محبت اور سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کا پیغام ہے کہ ساری مخلوق اللہ کا گھرانہ ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ پیار اس شخص سے ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اچھے سلوک کو علمی زبان میں سوشل سروس (Social Service) سوشل ورک (Social Work) یا خدمتِ خلق کہا جاتا ہے۔ اس کے دائرۂ کار میں رفاہِ عام کے امور شامل ہیں ___ مثلاً تعلیمی ادارے، یتیم خانے، ڈسپنسریاں، دستکاری سنٹر قائم کرنا، غریب بستیوں میں صحّت مندانہ ماحول پیدا کرنے کے لیے فلاحی سرگرمیاں انجام دینا اور مشکلات میں گھرے ہوئے لوگوں کی مدد کو آنا ___ مگر اسلام کی اصطلاح میں خدمتِ خلق کا وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے اس کی جاندار مخلوق کو جسمانی، ذہنی اور روحانی سکون مہیا کرے۔ اپنی صلاحیتوں کو مخلوق کی فیض رسانی کے لیے آزمائے۔ یہ اندازِ حیات انسان دوستی کی معراج ہے جس کی عکاسی کرتے ہوئے الطاف حسین حالی کہتے ہیں ___

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت، یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

یہ طرزِ عمل دکھاوے پر مبنی نہ ہو بلکہ محبت اور ہمدردی کا باطنی جذبہ اسے اس کام پر

Marfat.com

ابھارے۔ اس کے دل میں یہ احساس بیدار ہو کہ دوسروں کو مادی اور اخلاقی نقصان سے بچایا اور بھلائی کے ساتھ ان کا رشتہ جوڑا جائے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا ـــــ اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابۂ کرام نے حیرت سے پوچھا کہ مظلوم کی مدد تو کی جا سکتی ہے مگر ظالم کی مدد کا کیا معنیٰ ہے؟ ـــــ حضورؐ نے فرمایا' اسے ظلم سے روک دینا ہی اس کی مدد ہے۔

عمرانیات کے علما نے معاشرے کو ایک ایسے وجود سے تشبیہ دی ہے جو افراد سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ ایسی زندہ اکائی ہے جس کے تمام اجزا میں تناسُب ہونا چاہیے جو باہمی اتحاد و تعاون سے جنم لیتا ہے۔ قرآنِ کریم نے یہ تناسب برقرار رکھنے کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ایک ترتیبی نصاب مقرر کیا ہے جس کی روح خدمتِ خلق کا جذبہ ہے۔ یہ دینِ فطرت' اسلام کا ترجیحی موضوع ہے۔ ایمانیات اور عبادات کے فوراً بعد تمدنی معاملات میں خدمتِ خلق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ـــــ

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرہ ۲:۳)

یہ لوگ ایسی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے حواس اور وجدان سے بالاتر ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے اور ان نعمتوں میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے انھیں رزق کی شکل میں بخشی ہیں ـــــ قرآنِ مجید میں "رزق" کا لفظ ہر طرح کی نعمتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ وہ خواہ مادی ہوں جیسے مال و زر یا روحانی جیسے عقل و شعور اور علم و حکمت وغیرہ ـــــ یہ سب کچھ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ انسان محض ان کا امین ہے۔ لہٰذا اس کا فرض ہے کہ وہ مالکِ حقیقی کے عطیّات میں سے ہر طرح کی قربانی کرنے پر تیار رہے۔ بالخصوص بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہے۔ قرآنِ کریم نے ۳۷ مقامات پر اس عمل کو لازمۂ اسلام اور مدارِ نجات ٹھہرایا ہے۔ معاملاتِ دنیا میں اسے سرِفہرست اس لیے رکھا گیا تاکہ معاشرتی توازن قائم رہے اور کوئی طبقہ بدحالی کا شکار نہ ہونے پائے۔

روئے زمین پر کہیں کوئی ایسا معاشرہ موجود نہیں جہاں یکساں سطح کے افراد پائے جاتے ہوں۔ اعلیٰ وادنیٰ' امیرو غریب' خوشحال وبدحال' مالدار ونادار ـــــ اسی رنگارنگی سے زندگی عبارت ہے۔ مثالی معاشرہ وہ کہلاتا ہے جہاں بے آسرا بندگانِ خدا کی مدد کا

Marfat.com

اہتمام کیا جائے اور معاشی طور پر مستحکم لوگ، گرے پڑے انسانوں کی دستگیری کو آئیں۔ دستگیری کا جذبہ درحقیقت ایثار و خلوص کی فضا میں پروان چڑھتا ہے۔ اسی اعتبار سے اس کے مَراتب متعیّن ہوتے ہیں ـــــ کچھ لوگ پہلے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور زائد سامان دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس طرزِ عمل کو فیاضی یا سخاوت کہا جاتا ہے ـــــ بعض اہلِ دل دوسروں کی ضروریات کو اپنی حاجات پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اپنا مال و اسباب پہلے دوسروں کو دیتے ہیں، بچا کھچا خود استعمال کرتے ہیں۔ خود تکلیف سہتے ہیں مگر دوسروں کو راحت پہنچاتے ہیں۔ آپ فاقہ کشی کرتے ہیں لیکن اوروں کو راحت پہنچاتے ہیں ـــــ یہ سخاوت کی سب سے اعلیٰ صورت ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں اسے ایثار کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے، اپنی ضروریات کو پسِ پشت ڈال کر دوسروں کی حاجت روائی کی جائے ـــــ ایثار کی متضاد صفت کا نام خود غرضی ہے جسے اختیار کرنے والا شخص بخیل اور کنجوس کہلاتا ہے جسے کہیں بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جبکہ ایثار پیشہ آدمی سب کی نگاہوں میں قابلِ احترام ٹھہرتا ہے۔

محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو جن اخلاقِ فاضلہ کی تربیت دی، ان پر جذبۂ ایثار کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ قرآنِ مجید نے ان کی نیک سیرتی کے اسی وصف کو نمایاں کرتے ہوئے کہا ـــــ وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ۹:۵۹) ـــــ اصحابِ رسولؐ کا حال یہ ہے کہ خواہ ان پر تنگی ہی کیوں نہ ہو، وہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں۔

خدمتِ خلق کا امتیازی مقام اجاگر کرنے کے لیے حضورؐ نے تمثیلی انداز اختیار کرتے ہوئے فرمایا ـــــ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابنِ آدم، میں بیمار پڑا تو تُو میری عیادت کو نہ آیا۔ آدمی جواب دے گا، پروردگار میں تیری تیمارداری کیسے کرتا جب کہ تُو سارے جہانوں کا آقا ہے۔ تب اللہ فرمائے گا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا اور تو نے اس کی مزاج پرسی نہ کی۔ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا ـــــ اے ابنِ آدم، میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تُو نے مجھے محروم رکھا۔ بندہ کہے گا، میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا جبکہ تُو سارے جہانوں کا رازق ہے۔ اللہ کہے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تُو نے اسے نہ کھلایا۔ اگر تُو اسے کھانا کھلا دیتا تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا ـــــ پھر اللہ کہے گا کہ میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تُو نے نہ

Marfat.com

پلایا۔ بندہ کہے گا کہ میں تجھے کیسے پلاتا جبکہ تُو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اللہ کہے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو تُو نے اس کی پیاس نہ بجھائی۔ اگر تُو اس کو پلا دیتا تو اس پانی کو میرے پاس پاتا ___ اس حدیث سے یہ درس ملتا ہے کہ انسانوں کی خدمت دراصل اللہ کی خدمت ہے۔

دنیا میں انسان کے بھیجے جانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کی خدمت کرے۔ یہی اصل عبادت ہے۔ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد صرف اللہ کی عبادت ہوتا تو اس کے لیے فرشتے ہی کافی تھے۔ انبیاء اولیاء اور تمام مصلحین نے دنیا والوں کو خدمتِ خلق کی تعلیم دی۔ خود ان کی ساری زندگی یتیموں' بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کی دستگیری میں گزر گئی ___ رسولِ اکرمؐ خود تکلیفیں سہ کر انسانوں کی خدمت کرتے۔ پیغمبری کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے بھی آپؐ نوعِ آدم کی مدد پر کمربستہ رہتے۔ پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب آپؐ غارِ حرا سے گھبرائے ہوئے گھر پہنچے تو امّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اللہ آپ کو ضائع نہ ہونے دے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' بے کسوں کی دستگیری کرتے ہیں اور بے آسرا لوگوں کا سہارا ہیں ___ حضرت ابوبکرِ صدیقؓ خلیفہ بننے کے بعد بھی لوگوں کے گھروں میں جاکر ان کا کام کر آتے ___ حضرت عمرِ فاروقؓ گلیوں بازاروں میں چکر لگایا کرتے تھے تاکہ ضرورت مندوں کی مدد کی جائے۔

اللہ کے تمام مقرّب بندے جذبۂ خدمتِ خلق سے سرشار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رات کڑاکے کی سردی میں حضرت ابراہیم ادھمؒ پناہ کی تلاش میں کسی مسجد میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں تین آدمی سردی کے مارے سکڑے پڑے ہیں۔ دروازے میں کواڑ نہیں تھے۔ برفانی ہوا برابر اندر چلی آرہی تھی۔ حضرت نے سوچا کہ اللہ کے ان بندوں کو سردی سے بچایا جائے۔ وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے ہوگئے تاکہ ہوا کسی حد تک رک جائے۔ انھوں نے ساری رات اسی طرح آنکھوں میں کاٹ دی۔ بے غرض خدمت کی ان کٹھن گھڑیوں میں ان کا جسم اکڑ گیا' اعصاب سُن ہوکر رہ گئے لیکن دل تھا کہ پُر مسرت کیفیات سے جھوم رہا تھا۔

خدمتِ خلق کے حوالے سے ایک اور واقعہ بھی ان سے منسوب ہے۔ ایک دفعہ خواب میں انھوں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ لمبی فہرست لیے کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ

Marfat.com

اس فہرست میں کیا لکھا ہے۔ فرشتے نے جواب دیا' یہ ان لوگوں کے نام ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا' اس فہرست میں کہیں میرا نام بھی ہے۔ فرشتے نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حضرت فرمانے لگے کہ میرا نام ان لوگوں میں لکھ لو جو مخلوقِ خدا سے پیار کرتے ہیں۔ یہ سن کر فرشتہ غائب ہوگیا۔ اگلی رات پھر وہی فرشتہ خواب میں دکھائی دیا۔ اب کے پھر ایک فہرست اس کے ہاتھ میں تھی۔ آپ کے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس فہرست میں ان لوگوں کے نام ہیں جن سے اللہ خود محبت کرتا ہے اور اس میں آپ کا نام سرِفہرست ہے ـــــ چنانچہ خدمتِ خلق سے بڑی کوئی عبادت نہیں اور سچی خوشی اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کا اس سے بڑا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

اسلام عقیدۂ توحید کے حوالے سے اللہ اور انسان کے تعلق کی طرح آدم زادوں میں بھی ایک ایسا رشتہ قائم کرتا ہے کہ ان میں فطری طور پر الفت ویگانگت پیدا ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم نے اعلان کیا ـــــ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ـــــ عدل و احسان کی یکجائی میں یہی مصلحت کارفرما ہے کہ خیرات و صدقات اور خلقِ خدا کی بھلائی کے تمام کام معاشرتی توازن کو بگڑنے نہیں دیتے اور زندگی لطف و کرم اور محبت و شفقت کے سدا بہار پھولوں سے مہک اٹھتی ہے۔

Marfat.com

# اسلام اور امنِ عامہ

ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی کائنات اللہ تعالیٰ کی جمالیاتی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس عالمِ موجودات کا نظام' مستقل قدرتی قوانین' پائیدار فطری قواعد اور صلح و آشتی کے ٹھوس آئین کے تحت چل رہا ہے ___ سورج' چاند' ستارے' زمین' حیوانات' نباتات اور جمادات انھی ضوابط کے پابند ہیں۔ اگر نظمِ عالم میں کہیں بھی کوئی رخنہ یا خلفشار واقع ہو جائے تو شیرازۂ کائنات بکھر کر رہ جائے۔ پیدائش سے لے کر موت تک انسان کے سانسوں کی روانی' اس کے خون کی گردش' اس کا نظامِ ہضم اور اس کی تندرستی و بیماری کا سلسلہ بھی فطری اصول کے مطابق ہے۔ جہاں کہیں بے قاعدگی پیدا ہوتی ہے' زندگی کا نقشہ بگڑ جاتا ہے اور انسان طرح طرح کے مسائل سے دو چار ہو کر رہ جاتا ہے ___

قوموں کی تقدیریں بھی فطرت کے بندھے ٹکے طریقوں کے مطابق بنتی' بگڑتی ہیں' اتار چڑھاؤ' کا شکار ہوتی ہیں اور ترقی و تنزل کی منزلوں سے گزرتی ہیں۔ تاریخ میں ان کے مقام کا تعیّن ان کے تمدنی کردار کے حوالے سے ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے خالق و مالک کی بخشی ہوئی صلاحیتوں اور قوتوں کو بہتر انداز سے استعمال کریں' اس کی خوبصورت دنیا کی زیب و زینت میں اضافہ کریں اور امن و سلامتی کی قدروں کو پروان چڑھائیں' وہ اپنے پروردگار کی نگاہوں میں خوش نام ٹھہرتے ہیں مگر جو لوگ نقوشِ فطرت کو خراب کرنے پر تُل جائیں' خداداد قابلیتوں کو مَن مانے اسلوب میں ظاہر کریں اور فساد و بدامنی کو فروغ دیں تو پستیاں ان کا مقدّر بنتی ہیں کیونکہ قدرت اپنی دنیا کے مرتّب و مروّج قوانین اور اپنی مخلوق کے تمدنی اصول و ضوابط کو تہ و بالا کرنے کا جرم کبھی معاف نہیں کرتی خواہ اس کے مرتکب افراد یا گروہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم!

Marfat.com

بناؤ اور بگاڑ یا امن و فساد کا یہ قانون زندگی کے ہر شعبے پر لاگو ہوتا ہے۔ کیا کوئی باپ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے گھر میں اس کی نافرمانی کی جائے؟ اس کی اولاد اپنی خواہشات کو بے ہنگم طریقوں سے پورا کرے؟ شور و غل سے خانگی ماحول خراب کر دیا جائے؟ گھریلو اشیاء کو توڑا پھوڑا جائے؟ اور لڑائی جھگڑے سے امن و سکون برباد کر دیا جائے؟ ___ یہ حرکات یقیناً انتشار اور تصادم کا باعث ہوں گی جن کے نتیجے میں سرکش اولاد کو نہ صرف سزا دی جائے گی بلکہ گھر سے بھی بے دخل کر دیا جائے گا ___ اسی طرح کوئی افسر اپنے ملازمین کی کام چوری، ہٹ دھرمی اور بد انتظامی کی روش کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے اہل کاروں کے خلاف سخت اقدام کر کے ان کا تبادلہ کردیا جاتا ہے یا ملازمت سے ان کی سبکدوشی عمل میں آتی ہے ___

باغوں اور کھیتوں کا منظر نامہ بھی یہی ہے۔ زمیندار اپنے کاشتکاروں یا مالیوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ دیانتداری اور محنت سے زمین کو جھاڑ جھنکار سے صاف کریں، ہل چلائیں، بیج بوئیں، پانی لگائیں، پیداوار بڑھائیں۔ اسے نقصان دہ کیڑے مکوڑوں، پرندوں، چوپایوں اور لوٹ مار کرنے والے انسانوں سے بچائیں۔ لیکن جو کاشتکار یا مالی ایسا نہ کریں بلکہ اپنے فرائض میں کوتاہی، بدشوقی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کریں یا خود ہی درختوں کی جڑیں اکھاڑنے اور پھلوں، پھولوں سے لدی شاخوں کو کاٹنے پر تل جائیں تو زمیندار انھیں فی الفور اپنے علاقے سے نکال باہر کرے گا ___ غور کیجئے، عام انسانوں کا رویّہ یہ ہے کہ وہ محدود سے قطعۂ اراضی کا بگاڑ پسند نہیں کرتے تو کائنات کی خالق و مالک ہستی بھلا کسی طرح یہ بات برداشت کر سکتی ہے کہ اس کی وسیع و عریض خوشنما دنیا میں قانون شکنی، اخلاقی بے راہ روی اور مفاد پرستی سے کوئی بگاڑ یا فساد برپا کر دیا جائے!

بگاڑ، فساد یا بدامنی درحقیقت انسانی کردار کا حیوانی مظہر ہے۔ یہ اس وقت رُونما ہوتا ہے جب انسان کی ذات یا معاشرت، اخلاقی و روحانی اعتبار سے انتشار و زوال کا شکار ہو جائے۔ جس معاشرے میں علم و دانش اور حکمت و بصیرت کی اعلیٰ قدریں موجود ہوں، وہاں تعمیر، بناؤ اور امن کی نورانی ندی رواں رہتی ہے لیکن جہاں زندگی کا محور کم نظری، عیش کوشی اور خود پسندی بن جائے، وہاں بے لگام بد شکل عناصر کو سر اٹھانے کا موقع ضرور ملتا ہے۔ تب ڈاکا زنی، چور بازاری، سمگلنگ، بدکرداری، بے انصافی، ظلم و ستم اور قتل و غارت آدم زاد کو اس مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں جہاں بدبختی، تباہی اور ہلاکت کے سوا اور

Marfat.com

کچھ نہیں ہوتا۔

چشمِ تاریخ نے صدیوں پہلے خطۂ عرب میں ہلاکت آفریں عفریتوں کو ہر طرف ناچتے دیکھا ہے۔ وقت کی نگاہوں سے یہ منظر بھی گزرا ہے کہ رحمتہ للعالمین حضرت محمد ﷺ منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے بھی امنِ عامہ کے استحکام کے لیے مضطرب رہتے تھے۔ فجار کی لڑائیوں کے متواتر سلسلوں تنگ آ کر جب مکّہ کے دردمند شہریوں نے حِلف الفضول کی تجدید کی تو حضورؐ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس معاہدے کی رُو سے طے پایا تھا کہ ــــ "ہم سب مل کر ایک ہاتھ یا مٹھی بن جائیں گے اور یہ ہاتھ اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا رہے گا جب تک وہ مظلوم کو حق ادا نہ کر دے' نیز ہماری معیشت میں مساوات رہے گی"! ــــ اللہ کی زمین پر امن و سکون کے علمبردار حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ ــــ "سرخ اونٹوں کے گلّے کے عوض بھی میں اس معاہدے میں شرکت کے اعزاز سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا اور اگر اب زمانۂ اسلام میں مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو میں اس کی مدد کو دوڑ کر جاؤں"!

امنِ عامہ کا قیام دراصل دینِ فطرت' اسلام اور روحِ انسانی کی مشترکہ آواز ہے۔ یہ ایسی میزان ہے جو پیغمبرِ آخر الزمان محمد ﷺ نے فراہم کی۔ جسمانی' ذہنی اور روحانی بے اعتدالی اسی میزان سے انحراف کا نتیجہ ہوتی ہے اور صراطِ مستقیم سے بھٹکنا لازم آتا ہے۔ خود غرضی تمام معاشرتی خرابیوں کا سرچشمہ ہے۔ نفس پرست آدمی وسائلِ حیات پر قبضہ جمائے رکھنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ اسے کسی کا پھولنا پھلنا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ چنانچہ وہ دوسروں کے معاملات میں نہ صرف رکاوٹ بنتا ہے بلکہ ان کی حق تلفی بھی کرتا ہے جس سے باہمی کشاکش' الجھاؤ اور تناؤ جنم لیتا ہے اور زندگی میں فساد و بدامنی کے جراثیم پھیل جاتے ہیں۔ یومِ آخرت کے محاسبے سے بے پروائی بھی انسان کو فساد و بدامنی پر ابھارتی ہے۔ ایسا شخص چونکہ اللہ کی عدالت میں پیش ہونے پر یقین نہیں رکھتا اس لیے وہ دنیوی مفادات ہی کو مطمحِ نظر بنائے رکھتا ہے۔ عیش پرستی اور بے راہ روی اس کی زندگی کا نصب العین قرار پاتی ہے۔ تعمیری رویّے دم توڑ دیتے ہیں اور وہ تخریب کاری کا شکار ہو کر امن و امان کی فضا کو مسموم کر دیتا ہے۔

قرآنِ حکیم کی رُو سے ہر غیر انسانی رویہ فَحشَاء' مُنکَر اور بَغیِ کی بنا پر ظہور میں آتا ہے ــــ فَحشَاء ہر وہ کام ہے جس سے کردار بگڑ جائے ــــ مُنکَر' وہ حرکت ہے

Marfat.com

جو شریعتِ اسلامیہ کی عالمگیر تہذیبی قدروں کے منافی ہو۔ بَغْیٌ ' اخلاقی و قانونی حدود سے تجاوز کر کے مَن مانے اسلوب میں زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ ان امراض کے شکار لوگ خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں اور سماج میں فساد فکر و عمل کے سوتے پھوٹ بہتے ہیں۔ مگر حق پرست انسان جنھیں اندھیروں میں چراغ جلانے کا منصب عطا ہوتا ہے' خیر کا پرچم بلند کرنے اور اخلاقی و تمدنی فساد برپا کرنے والے عناصر کی بیخ کنی کرنے کے لیے میدانِ عمل میں نکل آتے ہیں۔ وہ اللہ کے قانونِ عدل کو قائم کرتے ہیں اور خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کو ذہنوں میں راسخ کرتے ہیں تاکہ ہر شخص کو ضمیرِ زندہ و بیدار کی شکل میں وہ خود کار اصلاح کار (Rectifire) میسر آجائے جس کی موجودگی میں صراطِ مستقیم سے بھٹکنے اور جسمانی و روحانی اعتبار سے ڈانواں ڈول ہونے کا احتمال باقی نہ رہے ــــــ انھی بندگانِ وفا کو قرآنِ مجید نے بشارت دیتے ہوئے کہا ہے:

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ (القصص ۲۸ : ۸۳) ــــــ ہم نے آخرت میں عزت کا مقام تو ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ برائیوں سے بچنے والوں کا انجام تو بھلا ہی ہو گا۔

Marfat.com

# اہلِ عدل کے فرائض

چھٹی صدی عیسوی میں، چشم تاریخ نے سرزمینِ عرب پر اخلاقی انحطاط، معاشرتی بدنظمی اور آئینی بحران کا عہدِ شباب دیکھا۔ اس قبائلی تمدن اور جنگل کے قانون میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ ان کی نام نہاد عدلیہ جسے وہ "قضا" کہتے تھے، کسی مُدوّن دستور کی پابند نہ تھی بلکہ روایات، عادات اور رسوم ہی ان کے لیے نصابِ قانون کا درجہ رکھتی تھیں جن کے مطابق احکام و فرامین جاری کیے جاتے۔ یہی نہیں بلکہ کسی بااختیار انتظامیہ کا وجود تک نہ تھا۔ طاقتور فرد یا قبیلہ جو چاہتا، کر گزرتا اور کمزوروں پر طرح طرح کے مظالم توڑے جاتے۔ اس سنگین ماحول میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے دعوتِ اسلامی کا آغاز کیا اور چند برسوں میں ایک ایسا معاشرہ ظہور میں آیا جہاں شخصی حکمرانی کی بجائے خدائے واحد کی حاکمیتِ اعلیٰ اور خواہشاتِ نفسانی کی پوجا پاٹ کی بجائے انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی پاسداری تھی۔ اسلام نے اپنے بے مثال قانونی، سیاسی اور اخلاقی نظام کے ذریعے انتشار کو اجتماع میں بدل کر ایسی انسانی وحدت کی تشکیل کی جس کی روح عدل و انصاف تھی۔

عدلیہ ___ مقننہ اور انتظامیہ کے درمیان ایک ایسی کڑی ہے جس کے بغیر سلسلۂ معاشرت کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ وجودِ انسانی میں چونکہ خیر و شر کی متضاد قوتیں کار فرما ہیں اس لیے اسلام نے ایک مخصوص عادلانہ نظام کے ذریعے اولاد آدم کو پیچ در پیچ مسائل سے چھٹکارا دلانے کی کامیاب کوشش کی۔ یہ صحیح ہے کہ انسان نے شعور کی آنکھ کھولتے ہی اپنے تحفظ کے لیے مختلف قانونی شکلیں تراشیں تاہم ان میں وہ تمام کمزوریاں موجود تھیں جو ناقص ذہن انسانی کا لازمہ ہیں، کیونکہ بشری قانون پائیدار نہیں ہو سکتا۔ یہ حالات اور شخصیات کی تبدیلی سے اپنا حلیہ بدل لیتا ہے۔ پھر یہ انسانی خواہشات کے تابع ہوتا ہے لہٰذا طاقتور عناصر اسے موم کی ناک سمجھتے ہوئے اسے اپنے مفادات کے مطابق ڈھالتے

Marfat.com

رہتے ہیں۔ لیکن دینِ اسلام، جو فطرتِ انسانی کا نبض شناس ہے، تمام بندگانِ الٰہی کو ایک آنکھ دیکھتا ہے۔ اس میں کسی نظریۂ ضرورت کی گنجائش نہیں۔ یہ اپنی ہیئت میں مستقل بالذّات ہے۔ اسے قادرِ مطلق نے تمام بشری حاجتوں، خامیوں اور خوبیوں کے پیشِ نظر مدوّن کیا ہے۔ یہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ یہ مخلوقِ خدا کو بلا امتیازِ مذہب و ملّت ایک ہی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور عدل و انصاف کی اعلیٰ قدروں کو فروغ دے کر حقوقِ انسانی کے حوالے سے مساوات قائم کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

قرآنِ مجید میں انصاف کرنے کی پُر زور تلقین کی گئی ہے۔ سورہ صٓ میں حضرت داوٗدؑ کو زمامِ اقتدار سونپنے کا منظر نامہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

(ا) یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (۳۸:۲۶) اے داوٗد، ہم نے تمھیں زمین پر حکمرانی عطا کی۔ پس تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور کسی خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

(ب) سورۃ النسآء میں حکمرانوں کو باخبر کیا گیا ـــــ فَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (۴:۵۸) لوگوں کے درمیان مقدمات کے فیصلے کرو تو انصاف ملحوظ رکھو!

(ج) سورۃ المائدہ میں عمومی انتباہ کیا گیا ـــــ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (۵:۸) ایمان لانے والو، اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کو مضبوطی سے کھڑے ہو جایا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی خاص قوم کی عداوت تمھیں ناانصافی پر آمادہ کردے۔ ہر حال میں انصاف کرنا کہ یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے۔

یہ آیاتِ قرآنی اہلِ عدل کے ان فرائض کی جانب واضح اشارے دیتی ہیں جن کے حوالے سے رسولِ اکرمؐ نے مضبوط بنیادوں پر نظامِ عدل قائم کیا۔ آپؐ نے اپنی بے مثال بصیرت سے کام لے کر کلامِ الٰہی کی روشنی میں جو فیصلے دیے، وہ عالمِ انسانیت کے لیے منارۂ نور ٹھہرے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں حدودِ سلطنت کی وسعت اور دوسری اقوام سے تعلّقات کے باعث بہت سے تمدنی مسائل پیدا ہوگئے تو خلیفۂ ثانی حضرت عمرِ فاروقؓ نے عدلیہ کو آزاد اور مستقل منصب کی شکل دے دی، جس میں اسلام کی مخصوص عادلانہ روح کارفرما تھی۔ عدلیہ، انتظامیہ سے بالکل الگ خود مختار اور برتر

Marfat.com

ادارہ تھا جس کا سربراہ قاضی کہلاتا تھا۔ وہ خلیفۂ وقت کو بھی عدالت میں طلب کر سکتا تھا' حالانکہ قاضی کا تقرّر خود خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن قاضیوں کی حق پسندی کے باعث یہ منصب اتنا محترم تھا کہ اس کے امور میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی مداخلت کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

اسلام کے نظامِ عدل کا مطالعہ کیا جائے تو قاضی مقدمات کے فیصلوں کے علاوہ کئی دوسرے اختیارات کے مالک بھی تھے۔ اسلام کے سیاسی مفکر الماوَر دی (۹۷۴ - ۱۰۵۸ء) نے ان فرائض پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

(الف) اہلِ عدل کا فرض ہے کہ وہ معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ہر طرح کے تنازعات کے فیصلے کریں۔ اس سلسلے میں حضرت عمرِ فاروقؓ کے اس خط کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ جو انھوں نے کوفہ کے قاضی ابو موسیٰ اشعری کو لکھا ــــ "واضح ہو کہ فیصلہ ایک فرض ہے اور پیروی کیے جانے کے لائق سنّت ہے۔ خوب جان لو کہ جب جھگڑا تمھارے سامنے پیش کیا جائے تو ایسا فیصلہ قطعی بے سُود ہے جسے نافذ نہ کیا جاسکے۔ انصاف کے معاملے میں لوگوں کو برابر کا درجہ دو تاکہ امیر تمھاری بے جا حمایت کا لالچ نہ رکھے اور غریب نا امید نہ ہو۔"

(ب) اہلِ عدل کا فرض ہے کہ وہ نابالغ اور بے سمجھ مخلوقِ خدا کے مال و متاع کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ ان کے سرپرست مقرّر کریں یا ان کی جائیدادیں بیت المال کی نگرانی میں دیں۔ حساب کتاب کی باقاعدہ جانچ پڑتال کرائیں۔ ہارون بن عبداللہ ۲۲۷ھ میں مصر کے جج مقرر ہوئے تو انھوں نے فلاحِ عامہ کے دوسرے امور کے علاوہ یتیموں کی جائیدادوں اور ان کے حسابات کا آڈٹ کرایا اور ایک یتیم کے سرپرست کو جائیداد میں گڑ بڑ کرنے پر سزا دی۔

(ج) اہلِ عدل کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اوقاف کی سخت نگرانی کرتے ہوئے ان کی آمدنی اور صرف کی مدّات پر کڑی نظر رکھیں۔ علاوہ ازیں سرکاری املاک اور جائیدادوں پر ناجائز قبضے اور تجاوزات کی ازرُوئے قانون گرفت کریں۔

(د) مرنے والوں کی وصیتوں کا نفاذ' بیوہ عورتوں کے معاملات کا سلجھاؤ اور ان کے نکاح کا انتظام بھی اہلِ عدل کی ذمہ داری ہے۔

(ہ) معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام کسی بھی انتظامی مشینری کی اوّلین ترجیح ہوتی

Marfat.com

ہے۔ چنانچہ عدلیہ پر لازم ہے کہ وہ ریاست کی انتظامیہ کی مدد کرے اور شرعی حدود جاری کر کے جرائم کی بیخ کنی کرائے۔

جس ریاست کے اہلِ عدل اپنے فرائض کا خیال رکھیں اور مؤثر طور پر قانون کی پابندی کرائیں، وہاں معاشرتی، معاشی اور سیاسی توازن جنم لیتا ہے۔ ہر شعبۂ حیات میں ترقی ہوتی ہے۔ اس فلاحی مملکت کا خواب تعبیر آشنا ہوتا ہے جس کا نمونہ پیغمبر اسلام محمد ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین نے پیش کیا اور دنیا صدیوں تک اس کے شیریں ثمرات سے فیضیاب ہوتی رہی ہے۔

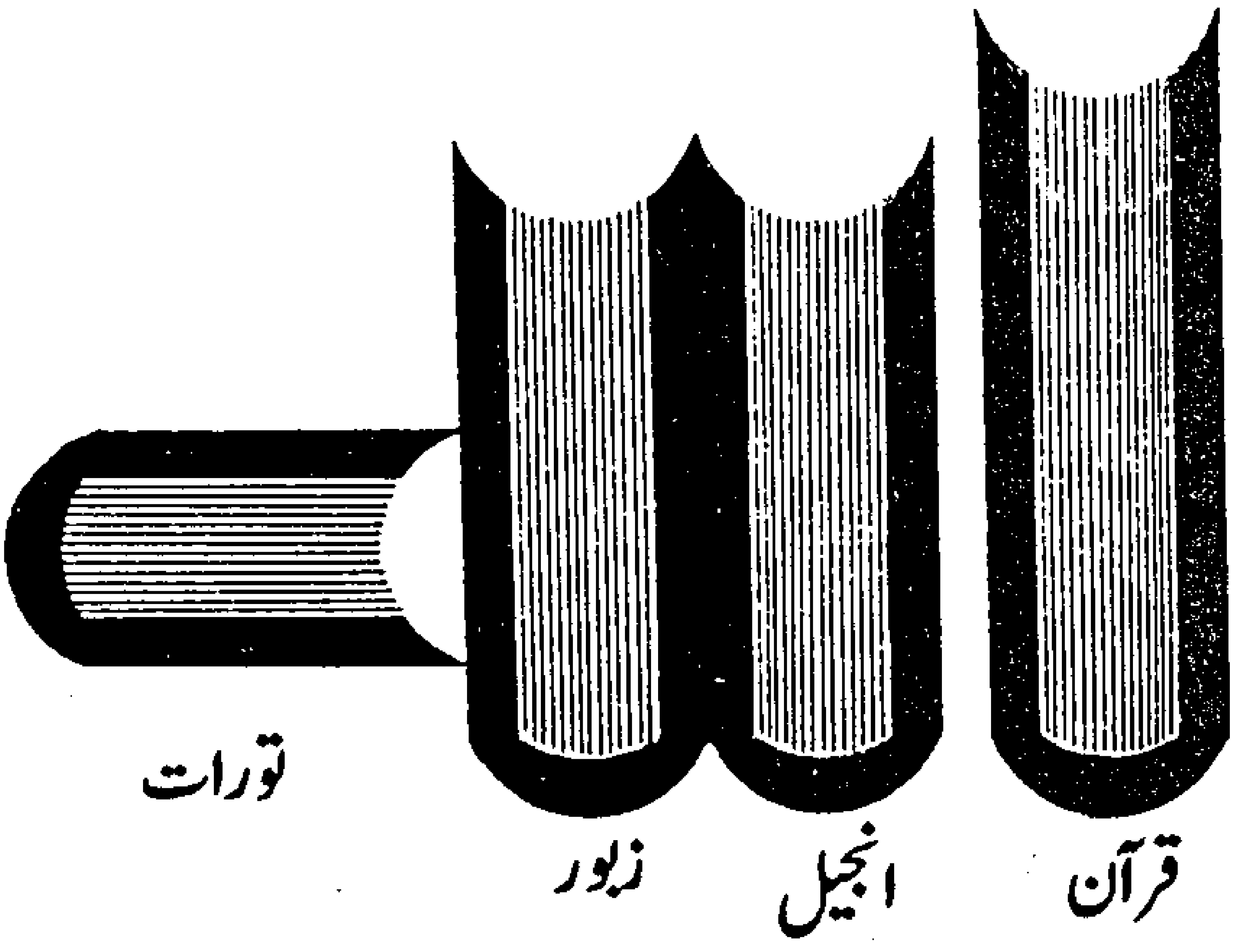


Marfat.com

# اسلام کا قانونِ شہادت

دنیا میں ہمیشہ دو طرح کے قانون رائج رہے ہیں۔ ایک وہ قانون جو نوعِ بشر نے اپنی ضروریات کے پیشِ نظر تصنیف کیے اور ان پر مرّوجہ رسم و رواج اور مخصوص خواہشات و روایات کی چھاپ لگائی۔ ایسے قوانین میں وہ تمام خامیاں' کمزوریاں اور کوتاہیاں موجود ہیں جو انسان کے متلوّن مزاج کا خاصہ ہیں۔ انھیں مستقل بالذّات حیثیت حاصل نہیں کیونکہ حالاتِ زمانہ اور حکومتوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ان میں ترامیم ہوتی رہتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایسے قوانین کو طاقتور عناصر اپنے مذمُوم مقاصد اور بے ہودہ مفادات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ آئین ساز ادارے قانون پر قانون بناتے چلے جاتے ہیں۔ انصاف کے ایوانوں میں ان کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں اور انتظامیہ ان کے نفاذ میں سرگرم رہتی ہے مگر سماج کا منظرنامہ وہی رہتا ہے جس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کسی نے کہا ہے ___

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا' جوں جوں دوا کی

مگر اسلامی قانون فطرتِ انسانی اور ہدایتِ ربّانی پر مبنی ایسا نظامِ عدل ہے جس میں قبیلوں' خاندانوں' اقتدار پسندوں اور علاقائی رجحانات و تعصبات کا قطعی عمل دخل نہیں۔ اس قانون کا مصنف چونکہ خلّاقِ عالم ہے اس لیے اسے ابدیت اور دوام حاصل ہے۔ اس کی ابتدا اس لحۂ اول سے ہوئی جب انسان نے رُوئے زمین پر قدم رکھا تھا۔ حضرت آدمؑ جنھیں نسلِ انسانی کے جدِّ امجد اور پیغمبرِ اوّل کا مرتبہ حاصل ہے' اس قانون سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآنِ مجید نے اعلان کیا ___ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ___ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تمام علمِ اشیاء سے آگاہ

Marfat.com

کیا۔ چنانچہ انھیں زندگی بسر کرنے کے ان اصول و ضوابط سے بھی مشرّف کیا گیا جو اس دَور کے لیے ضروری تھے۔ قانونِ الٰہی کا یہ گراں قدر تحفہ انبیاءِ کرام کے وسیلے سے اولادِ آدم تک جزوی طور پر منتقل ہوتا چلا گیا تا آنکہ پیغمبرِ آخر الزمان محمد ﷺ نے اس کی تکمیل کر دی۔

قانونِ الٰہی جسے عرفِ عام میں اسلامی شریعت کہا جاتا ہے' ہر صاحبِ ایمان کے ضمیر کا مطالبہ ہے۔ ایمان چونکہ اس عقیدے کی بازگشت ہے کہ کائنات کا خالق و مالک دلوں کے پوشیدہ اَسرار اور خلوت خانۂ باطن کے احوال سے مکمل طور پر آگاہ ہے اس لیے مومن قانونِ الٰہی سے انحراف کا تصوّر تک نہیں کر سکتا۔ اسی نکتے سے قانونِ الٰہی کی افادیت کی نمود ہوتی ہے۔ اسلام نے اوامر و نواہی کا نظام دیا ہی اس لیے ہے کہ آدمی کے کردار کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ وہ ان کاموں کو زندگی کا معمول بنا لے جن کا حکم اس کے پروردگار نے دیا ہے اور ایسی کوئی حرکت نہ کرے جو اس کے رب کو ناپسند ہے۔ جو معاشرہ اسلام کے اخلاقی نظام اور قانونِ الٰہی کی دفعات کے زیرِ سایہ نشوونما پاتا ہے' اس کے افراد جس بھی مقام پر ہوں' سچائی' انصاف اور نیکی کا دامن نہیں چھوڑتے۔ وہ مسندِ عدل پر متمکّن ہوں یا گواہوں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں' حق کا ساتھ دیتے اور انسانیت کے اعلیٰ اوصاف کی پاسبانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

اسلام کے نظامِ عدل کے نفاذ کا اہم عنصر گواہی یا شہادت ہے۔ "شہادت" کے معنیٰ "بیان" کے ہیں کیونکہ شاہد یا گواہ اپنی گواہی سے حق بات بیان کرتا ہے۔ شہادت چونکہ متنازعہ اُمور کی الجھنیں حل کرنے میں عدالت کی رہنمائی کرتی ہے اس لیے شریعتِ اسلامیہ کا ایک اہم حصہ قانونِ شہادت کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں متعدّد مقامات پر شہادت کے جواز پر محکم اور واضح فرامین موجود ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

(الف) وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ـــــ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى۔ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا۔ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلٰى أَجَلِهِ۔ ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰى أَلَّا تَرْتَابُوا۔ (البقرة ۲: ۲۸۲)

جو بات طے ہو جائے' اس پر دو مردوں کی گواہی لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ گواہ ایسے لوگوں

Marfat.com

میں سے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمھارے درمیان مقبول ہو۔ انھیں جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ چھوٹے بڑے معاملات کو میعاد کی تعیین کے ساتھ دستاویزی شکل دینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے ہاں یہ طریقہ تمھارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے۔ اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔

(ب) اس موضوع کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا گیا ___ وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ (البقرۃ ۲:۲۸۲) تجارتی معاملات کو طے کرتے وقت گواہ بنالیا کرو۔ دستاویزات لکھنے والے اور گواہ کو ستانامت! ایسا کرو گے تو گناہ کا ارتکاب کرو گے۔

(ج) قرآن چونکہ ضمیرِ انسانی کی تربیت کا نصاب ہے اس لیے اس نے گواہی کو باطنی زندگی کا معیار ٹھہراتے ہوئے کہا ___ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرۃ ۲:۲۸۳) شہادت کو ہرگز نہ چھپاؤ۔ جو شخص اسے چھپاتا ہے' اس کا ضمیر گنہگار ہے۔

(د) ایک صحابی نے شارعِ اعظمؐ سے شہادت کے متعلق استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم سورج کو دیکھتے ہو؟ بس اسی طرح جب سچ واضح ہو تو اس کی شہادت دو! ہرمدّعی پر شہادت پیش کرنا ضروری ہے' اور مدعا علیہ اگر انکار کرے تو اس پر حلف لازم آتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو لوگ ایک دوسرے کی جان و مال کے درپے ہو کر اٹھ کھڑے ہوں اور ظلم و زیادتی کا باب کھل جائے۔ گواہوں کا احترام قائم رکھو کیونکہ انھی کے ذریعے بندگانِ خدا کے حقوق زندہ رہتے ہیں۔

اسلام امن و سلامتی کا داعی ہے۔ اس نے نوعِ انسان کی بقا اور نشوونما کو قانونی حیثیت دی اور روئے زمین کو کشتِ پُر بہار بنانے کے لیے عدل و انصاف کی میزان قائم کی۔ شہادت چونکہ انصاف کی بنیادی کڑی ہے' اس لیے گواہوں کو بھی کڑے امتحان سے گزارا گیا تاکہ سچ کا چراغ روشن ہو اور حقوقِ انسانی پر کوئی آنچ نہ آئے۔ گواہ کی اہلیت کے لیے اسلامی قانون نے کئی سخت شرائط عائد کی ہیں:

(۱) گواہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہو۔ دس سال سے کم عمر کے بچے کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی (۲) گواہ کی قوّتِ حافظہ صحیح ہو اور وہ یقین کے ساتھ گواہی دے سکے۔ (۳) گونگے آدمی کی گواہی قابلِ قبول نہیں البتہ وہ متنازعہ معاملے پر لکھ کر

Marfat.com

صورتِ حال واضح کر دے تو بعض فقہاء اس کی گواہی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح نابینا کی گواہی تمام معاملات میں قابلِ قبول نہیں۔ البتہ وہ ان امور میں گواہی دے سکتا ہے جو سننے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کی شہادت ان واقعات کے سلسلے میں بھی قبول کرلی جائے جب وہ ان کے وقوع پذیر ہوتے وقت دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن بعد میں بصارت سے محروم ہوگیا۔ (۴) مدّعی یا مدعا علیہ سے دشمنی یا رشتے داری یا ملازمت یا خدمت کا تعلق رکھنے والے کی گواہی بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ایسی صورتوں میں انصاف کے تقاضے پورے ہونا ممکن نہیں۔ ارشاد قرآنی ہے ___

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُوْنُوا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا (المائدہ : ۸) اے اہلِ ایمان! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گواہ کی دشمنی تمھیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ!

(۵) گواہ کے لیے "عادل" کی شرط رکھی گئی ہے۔ فقہِ اسلامی میں عادل سے مراد وہ شخص ہے جس کی برائیاں اس کی نیکیوں سے کم ہوں۔ وہ گناہِ کبیرہ سے اجتناب کرتا ہو۔ گناہِ صغیرہ پر اصرار نہ کرے اور فرائض کی ادائیگی کرتا ہو۔ اس ضابطے کی روشنی میں بدکار' خیانت کرنے والا اور فاسق و فاجر شہادت دینے کا اہل نہیں۔

یہ ہے اسلامی نظامِ عدل میں قانونِ شہادت کا ایک اجمالی خاکہ جس میں ایک ایک مرحلے پر ضمیرِ انسانی کو بیدار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر تصویر کا دوسرا رخ نہایت بھیانک ہے۔ دنیا کے نام نہاد نظام ہائے عدل میں شہادت کا کوئی شائستہ' صالح اور مستند معیار مقرر نہیں۔ ان میں گواہ کا زیرِ بحث معاملے سے متعلق ہونا ضروری نہیں۔ ہر آدمی کو اجازت ہے کہ وہ عدالت میں جھوٹی سچی گواہی پیش کردے۔ یوں پیشہ ور گواہوں کا وہ طبقہ وجود میں آتا ہے جو انصاف کی ترازو میں جھوٹ تلواتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عدالتیں نہ اپنے منصب کا پاس کر سکتی ہیں' نہ اپنے اختیارات مؤثر طریقے سے استعمال کرپاتی ہیں۔ یوں ظلم و ستم کی کھیتی پھولتی پھلتی چلی جاتی ہے اور تہذیب و ثقافت اور امن و امان کی قدریں محض خوابِ رائگاں بن کر رہ جاتی ہیں۔

Marfat.com

# زمینوں کی آبادکاری

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سَحاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خُوئے انقلاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ ساز گار؟
خاک یہ کس کی ہے' کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
دِہ خدایا' یہ زمین تیری نہیں' تیری نہیں!!
تیرے آبا کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں!!

علّامہ اقبال کی سرمدی آواز اور خالقِ کائنات کا آفاقی تصور ـــــ یہ دونوں عناصر ملے تو "الارضُ للہ" کے نام سے یہ ادب پارہ وجود میں آیا۔ زمین صحیفۂ تخلیق کا ایک خوبصورت منظر نامہ ہے جس میں بندگانِ خدا کے لیے اَن گنت نشانیاں ہیں۔ اس پر کوئی شخص مستقل یا موروثی حق نہیں رکھتا۔ وہ اس کی پیداوار سے خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور تقسیم در تقسیم کے عمل سے معاشرے کو لَوٹاتا بھی ہے۔ یوں ایسی متوازن اقتصادی خوشحالی جنم لیتی ہے جس کا خواب ہمیشہ سے انسان دیکھتا آیا ہے۔ مگر اس خواب کی تعبیر بہت کم معاشروں کے نصیب میں آئی۔

نزولِ قرآن کے وقت دنیا زرعی دور سے گزر رہی تھی اور معیشت کا دارومدار زمین پر تھا لہٰذا قرآنِ مجید نے اس عہد کے مخصوص تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نظامِ زراعت ہی کو موضوعِ بحث بنایا اور اعلان کیا ـــــ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء ۱۰۵:۲۱) "اللہ تو صالح بندوں کو زمین کا وارث بناتا ہے" ـــــ صالح' قرآن کی ایک

Marfat.com

مخصوص اصطلاح ہے جس سے "بناؤ" کا مفہوم اجاگر ہوتا ہے۔ اس کا متضاد فساد ہے جو "بگاڑ" کے معنی دیتا ہے۔ صالح بندوں سے مراد وہ نیک دل انسان ہیں جو تعمیر اور بناؤ کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ زمین کے حوالے سے صالحین سے مراد وہ خیر اندیش کاشتکار ہیں جو اسے ہر طرح کی خرابیوں سے پاک و صاف کر کے اسے پیداوار کے قابل بنائیں۔

اسلام کے نظامِ اقتصاد کا مطالعہ کیا جائے تو دوسرے اداروں کی طرح زرعی شعبے میں بھی اس کی انقلابی روح کار فرما نظر آتی ہے۔ حضورؐ نے ہجرت کے بعد جس وادیٔ یثرب میں قدم رکھا تھا' وہ عرب کا زرعی علاقہ تھا۔ تحریکِ اسلامی کے آگے بڑھنے سے جب زمینی مسائل کے افق وسیع تر ہونے لگے تو آپؐ نے اصولِ زراعت منضبط فرمائے۔ تاریخ کے جھروکے سے دیکھا جائے تو اس دور میں چار طرح کی اراضی موجود تھیں:

○ پہلی وہ جن کے مالکوں نے قبولِ اسلام کی دولت حاصل کی۔ وہ حسبِ سابق اپنی زمینوں کے مالک رہے جیسے مدینہ' طائف' یمن اور بحرین کے نومسلم۔

○ دوسری وہ اراضی جن کے مالکان دائرۂ اسلام میں نہ آئے بلکہ اپنے مذہب پر قائم رہ کر جزیہ و خراج ادا کرتے رہے۔ ان کی اَملاک بھی بدستور انھی کے قبضے میں رہیں۔ جیسے عہدِ رسالت مآب میں نجران' ایلہ' اذرعات اور ہجر کی زمینیں یا خلفاءِ راشدین کے زمانے میں عراق' شام' الجزیرہ' مصر' ارمینیہ وغیرہ کے مفتوحہ علاقوں کی جائدادیں جنھیں ان کے اصل مالکان کے پاس رہنے دیا گیا۔

○ تیسری قسم ایسی مقبوضہ زمینوں کی تھی جنھیں قومی ملکیت قرار دیا گیا۔ ان کا انتظام مرکزی حکومت کے شعبہ مالیات کے ہاتھ میں تھا اور ان کی آمدنی عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر صرف کی جاتی تھی۔ جیسے حضرت عمر فاروقؓ نے شام و عراق میں کیا۔

○ چوتھی نوعیت کی زمینیں غیر آباد اور بنجر تھیں ۔ وہ کسی کی ملکیت نہیں تھیں بلکہ دلدلوں' گھاس پھوس اور خودرو جھاڑیوں سے یوں پٹی پڑی تھیں کہ ان سے پیداوار حاصل نہیں کی جاسکتی تھی۔ شریعت کی اصطلاح میں انھیں موات کہا جاتا ہے۔ ایسی زمین کی آبادکاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ گزرگاہوں پر واقع نہ ہو' قبرستان نہ ہو' مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے مخصوص نہ کی گئی ہو اور حکومت کے سیاسی یا عسکری اداروں کے زیرِ تصرّف نہ ہو۔ باقی ساری زمین ان لوگوں کی ملکیت ہے' جو اسے خود آباد کریں۔ لیکن زمین کو محض ہموار کرنا' اس کی حد بندی کرنا اور چار دیواری کھینچنا ملکیت کا جواز

Marfat.com

نہیں بن سکتا۔ اسی لیے رسول اللہ ؐ نے فرمایا ـــــ "جو کوئی غیر آباد زمین کو زندگی بخشے' وہ اسی کی ہو جاتی ہے۔ مگر دوسرے کی زمین میں ناروا طور پر آباد کاری کرنے والے کے لیے کوئی حق نہیں ہے!"

ان انقلابی اصلاحات سے ان تمام قباحتوں کی بیخ کنی ہوئی جو کبرو غرور کے مارے' فرعونوں' ہامانوں اور قارونوں کے سرکش مزاج کا حصہ بن گئی تھیں۔ محسنِ انسانیت ؐ نے مدینۂ منورہ میں فروکش ہوتے ہی اوّلین ضَرب اس نظام پر لگائی جو یہود اور مقامی زمینداروں کے استحصالی ہتھکنڈوں سے عبارت تھا۔ آپ ؐ نے ناموسِ ارضی کی پاسداری کرتے ہوئے اس بے مثال حکمتِ عملی کا اعلان فرمایا: "جس کے پاس زمین ہو' اسے خود کاشت کرے۔ اگر وہ کاشتکاری پسند نہیں کرتا تو زمین اپنے کسی بھائی کو دے دے لیکن اگر اسے یہ بھی پسند نہ ہو تو اس زمین کو چھوڑ دے" ـــــ

یہ ارشادات اس خود کاشتی نظام زراعت کی جانب اشارہ کرتے ہیں جس کا اوّلین تجربہ جناب رسالتمآب ؐ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں کیا گیا۔ آپ ؐ نے غیر آباد زمینوں کی آباد کاری ان محنت کش صحابۂ کرام کے سپرد کی جنھوں نے باوقار طریقے سے روزی پیدا کرنے کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اس طرح ان جاگیرداریوں کا طلسم توڑنے کے لیے خشتِ اول رکھ دی گئی جنھوں نے صدیوں سے اللہ کی زمین کو بے شمار تمدنی مسائل کی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ آپ ؐ کی اس حکمتِ عملی کا ایک عمرانی پہلو یہ ہے کہ اس مساواتِ انسانی کا شہرہ ہوا جس نے بالآخر معاشی اونچ نیچ کا خاتمہ کر دیا اور ایسا وقت بھی آگیا کہ دِہ خدائی کے نشے میں مخمور یہود کو خیبر جیسے جنّت نظیر خطّے سے ہاتھ دھونے پڑے۔

اسلام چونکہ دینِ مساوات ہے لہٰذا اسلامی ریاست میں کسی طبقاتی تقسیم کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ اس نے تو مَن و تُو کی تفریق کا دروازہ ہی بند کر دیا ـــــ قرآنِ کریم نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن" کہ کر تمام بنی نوعِ انسان کو اللہ کا گھرانہ ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ اللہ کی ہر ملکیت بالخصوص زمین سے استفادہ کرنا تمام افراد کا بنیادی حق ہے۔ کوئی شخص یا گروہ اس کا مجاز نہیں کہ اس وسیلۂ حیات پر قابض ہو کر بیٹھ جائے۔ رسولِ اکرم ؐ نے انتباہ کرتے ہوئے فرمایا ـــــ "غیر آباد زمین جس کا کوئی ولی وارث نہ ہو' اللہ اور رسول کی ہے۔ بعد ازاں وہ تمھارے استفادے کے لیے ہے۔ جو شخص مردہ زمین کو کاشت کے ذریعے زندگی بخشے' وہ اسی کی ہوگی مگر جو اسے بیکار رکھ چھوڑے تو تین سال

Marfat.com

کے بعد اس پر اس کا کوئی حق نہیں رہتا"! ___ نبیؐ نے بلال بن حارث مزنی کو پوری وادیٔ عقیق عطا فرمائی مگر وہ اس کے بڑے حصے کو آباد نہ کر پائے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بلال کو ساری اراضی کاشت کرنے کا حکم دیا۔ لیکن جب وہ ایسا نہ کر سکے تو ان کا زیرِ استعمال رقبہ چھوڑ کر باقی ساری زمین سرکاری تحویل میں لے لی اور ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔

پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے جو بے مثال معاشرتی انقلاب برپا کیا' اس سے عروسِ ارضی کو جاگیردار عناصر کے چنگل سے چھٹکارا ملا۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ مملکتِ اسلامیہ میں وہ تمام خرابیاں نمایاں ہو گئیں جو قبل از اسلام مادہ پرست دنیا کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھیں۔ مسلم حکمران بااثر شخصیتوں اور خوشامدیوں کو زرعی زمینیں تحفے کے طور پر دینے لگے۔ اس بخشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ گنے چنے افراد اور چند خاندان رزق کے سرچشموں پر قابض ہوتے چلے گئے۔ سیاسی اور معاشی محاذوں پر کھُل کھیلا جانے لگا اور عوام الناس کے لیے زندگی سرابوں کا سفر ہو کر رہ گئی۔

دورِ حاضر میں دنیا دو طرح کے انتہا پسندانہ نظاموں کی گرفت میں ہے ___ اشتراکی کوچہ گردوں نے فرد کی صلاحیتوں کو تباہ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے ___ ادھر راسمالیت' سرمایہ دار فرد کو جماعت کا خدا بنانے پر مُصِر ہے جس سے تکریم آدم کے اعلیٰ نصب العین کی پامالی لازم آتی ہے ___ اسلام ان دونوں انتہاؤں سے الگ اعتدال کی فطری راہ اختیار کرتا ہے۔ اس کا "خود کاشتی فارمولا" فرد اور جماعت کو انتشار اور تخریب کی ہر امکانی صورت سے محفوظ رکھنے کا آخری حل ہے جس کی رُو سے کسان قدرت کی عطا کردہ زمین سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ زائد از ضرورت جائداد اسے دوسروں کی محنت خریدنے اور انھیں اپنا محتاج بنانے پر نہیں اکساتی۔ یوں اس جاگیردارانہ ذہنیت کے جراثیم پھلنے پھولنے نہیں پاتے جس کی حدیں مطلق العنانیت سے جا ملتی ہیں۔

اسلام کا نظامِ زراعت اتنا جامع اور مکمل ہے کہ دنیا کی کوئی بھی ریاست اس کی برکات سے جب چاہے' مستفید ہو سکتی ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ مسلم ریاستیں اس جاگیرداری سسٹم کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں جس کی کوکھ سے مغربی دنیا میں نو آبادیات صنعت اور جنگِ عظیم اوّل جیسے دیوِ بے زنجیر برآمد ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے نبیِ مکرمؐ کے مشن کو پسِ پشت ڈال چکی ہیں جس کا بنیادی نکتہ معاشرتی انصاف ہے۔ اس کی رو سے

Marfat.com

پیداواری ذرائع پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہوتی۔ کسی فرد یا گروہ کا بے اَنت زمینی رقبوں کا مختار بننا ناممکن ہوتا ہے۔ محنتی افراد کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ غیر آباد اور بنجر زمینوں کو کاشت کریں تاکہ وہ سرسبز و شاداب ہوکر ترسیلِ زر اور خوشحالی کا سبب بن جائیں۔ لیکن شریعتِ اسلامی کے متعدد فرامین کی طرح یہ نبوی فارمولا بھی بہت کم مدت تک دنیا میں رائج رہ سکا اور رفتہ رفتہ مادیت کی کوکھ سے جنم لینے والے سیاسی اور معاشی دھندلکوں میں تحلیل ہوکر رہ گیا!

آج کا معاشرہ' تیز رفتار معاشرہ' انسانی قدروں کا قبرستان ہے۔ بشر کی کوئی صفت آج کے بشر میں نہیں ــــ فطرت کے قوانین توڑنے والا انسان دراصل خود کو توڑ رہا ہے اور جلدی جلدی توڑ رہا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ وقت کی رفتار کے ساتھ چلا جائے ــــ بے موسم پھل اور بے وقت حاصل آخر انسان کو نقصان پہنچائیں گے ــــ فصلوں کو جلد از جلد اگانے کے کوشش زمینوں کی توانائی ختم کر رہی ہے اور اس طرح حاصل ہونے والے اجناس اور پھل بے ذائقہ ہی نہیں' نقصان دِہ بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ رفتار وہی بھلی جس سے سانس نہ پھولے!

**واصف علی واصف: قطرہ قطرہ قلزم**

Marfat.com

# اِفراط و تفریط سے اجتناب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں متنوّع اوصاف سے نوازا ہے' وہاں حواس کی نعمتیں بھی ارزانی کی ہیں جن کے وسیلے سے ان اوصاف کی نمود ہوتی ہے۔ اس حوالے سے انسان کا جو رویّہ سامنے آتا ہے' وہ دو طرح کا ہوتا ہے ـــــ آدمی یا تو اتنے جوش و خروش اور انہماک کا مظاہرہ کرتا ہے کہ جنون بھی اس کے آگے ہیچ ہوتا ہے' یا وہ اتنی سستی اور کاہلی کا وتیرہ اختیار کرتا ہے کہ اس کی حرکت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے ـــــ یہ دو انتہاؤں کے سلسلے ہیں جنھیں اخلاقیات کی زبان میں اِفراط و تفریط کہا جاتا ہے۔

اِفراط و تفریط کے لغوی معنی آگے بڑھ جانے کے ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اِفراط اس حد سے بڑھ جانے کا نام ہے جو زیادتی اور کمال کی جانب ہو جبکہ تفریط کے مفہوم میں کمی کی سمت حد سے تجاوز کرنا شامل ہے۔ قرآنِ کریم میں ان دونوں موضوعات کی طرف اشارے ملتے ہیں ـــــ اِفراط کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے ـــــ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی (طٰہٰ ۲۰:۴۵) موسیٰؑ اور ہارونؑ نے عرض کیا' "پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا! ـــــ تفریط کے ضمن میں فرمایا ـــــ مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام ۶ : ۳۸) ہم نے کتابِ فطرت یا قرآنِ ذی شان میں کسی شے کی کمی نہیں چھوڑی۔

عالمِ انسانیت کا المیہ یہ ہے کہ یہاں ہر شعبۂ حیات میں اِفراط و تفریط کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس طرزِ عمل نے روح و بدن کی تفریق کو جنم دیا۔ اقتصادی و مذہبی فلسفوں نے دونوں کے مابین حدِّ فاصل کھینچ دی بلکہ دنیاداری کو دین داری کی ضد قرار دے دیا۔ رفتہ رفتہ تمدن و معاشرت اور سیاست و معیشت کا روحانیت سے ناتا ہی ٹوٹ گیا۔ تاریخِ انسانی کا یہ ایسا سانحہ تھا جس کے نتیجے میں زر پرستی اور جاہ طلبی کے دیوِ بے زنجیر نے اولادِ آدم

Marfat.com

اپنے آہنی چنگل میں جکڑ لیا۔ زبردستوں اور زیر دستوں کی محاذ آرائی عمل میں آئی اور اللہ کی زمین ظلم و تعدّی سے بھر گئی۔ علّامہ اقبال نے اسی کشاکش پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ــــــ

انساں کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اس نقطۂ نظر نے روحانیت پرست طبقے کو متحرک کردیا۔ مسیحیت اور ہندو مت میں یہ دنیا' عالمِ شر قرار پائی اور ہر متاعِ دنیا حقیر و ذلیل لہٰذا انھوں نے "کنارہ کشی" کی روش اختیار کی۔ ریاضتوں کے ایسے انداز ایجاد ہوئے کہ جسم بے حس ہوگئے اور نفس بے جان! ان حضرات نے آدمیّت کے رشتوں اور روابط کو توڑ کر یا تو مَعبدوں کو اپنا مسکَن بنالیا یا جنگلوں' پہاڑوں' صحراؤں اور بیابانوں کی "شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی" فروزاں کرلی۔ لیکن انیسویں صدی میں ظہور کرنے والے نظریات نے اقتصادیات کو مذہب' اخلاق اور ادب پر اتنی فوقیت دے دی کہ مادہ خدائی مرتبے پر فائز ہوگیا ــــــ کارل مارکس نے تو اس خدائے اقتصاد کے اتنے گُن گائے کہ "اَحْسَنِ تَقْوِیْم"" انسان کی قدر و قیمت محض ایک کٹھ پتلی کی رہ گئی اور وہ اپنی ضروریات و حاجات کے اشاروں پر ناچنے لگا۔ یوں مخلوقِ خدا اس موڑ پر آ کھڑی ہوئی جہاں سے اِفراط و تفریط کے دو راستے متضاد سمتوں میں پھُوٹ نکلے اور راہِ اعتدال دھندلکوں میں گم ہوگئی! ــــــ

اسلام نے جس اسلوبِ زندگی کو تقدیرِ انساں قرار دیا' اسے "اِعتِدال" کہا جاتا ہے جو اِفراط و تفریط کی ضد ہے۔ اعتدال' "عدل" سے ماخوذ ہے جس میں توازن کا مفہوم شامل ہے' یعنی "ترازو کا پلڑا نہ اوپر ہو نہ نیچے بلکہ برابر ہو" ــــــ اس تمثیل میں اسلامی اخلاقیات کا سارا نظام سمٹ آیا ہے۔ اس نے انسان کی معمولی سی حرکت سے لے کر عبادات و معاشریات اور سیاسیات و معاشیات جیسے تمام شعبوں کو اپنے حلقے میں لے رکھا ہے۔ حضورؐ نے اِعتِدال کو لازمۂ اسلام قرار دیا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے رات بھر نماز پڑھنا اور روزانہ روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے انھیں منع فرمایا اور عبادات میں اِعتِدال کا حکم دیتے ہوئے یہ احساس دلایا کہ تمھارے فرائض اور بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام صلاحیتوں اور قوّتوں میں اِعتِدال کی روش اپنانا ضروری

Marfat.com

ہے ـــــ طاقت کا ایسا استعمال غلط ہے جس سے ستمگری کی روایت پروان چڑھے۔ طاقت کا یہ روپ بھی شرمناک ہے کہ وہ حریف کے سامنے ظاہر نہ ہو اور انسان بزدلی اختیار کرلے۔ اس صورت میں اِعتِدال کا تقاضا یہ ہے کہ دلیری کی مہذّب صورت، شجاعت کو بروئے کار لایا جائے ـــــ ممدوح کی توصیف میں مبالغہ آرائی خوشامد اور چاپلوسی کہلاتی ہے مگر کسی کی تحقیر و تذلیل بد اخلاقی ہے۔ اعتدال کی راہ یہ ہے کہ نوعِ بشر کو اچھائیوں اور کوتاہیوں کو مجموعہ سمجھ کر ان کے متعلق متوازن رائے دی جائے۔ اسی بنا پر حضورؐ نے فرمایا ـــــ خَیْرُالْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا ـــــ بہترین طرزِ عمل میانہ روی ہے۔!

خوشحالی و ناداری دو ایسے خطرناک مرحلے ہیں جہاں قدم قدم پر انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو امانت کے طور پر ہمیں بخشی گئی ہے لہٰذا اس امانت کو بلا ضرورت خرچ کرنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں۔ انسان کی ضرورتیں دو طرح کی ہوتی ہیں ـــــ ایک حقیقی، دوسری فرضی ـــــ حقیقی ضرورت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب روز مرہ معمولات میں دقتیں پیش آئیں۔ ایسے میں حسبِ ضرورت رقم خرچ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا ـــــ فرضی ضرورت وہ ہے جس میں دولت کو نمائش، دکھاوے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس کے ڈانڈے عیّاشی سے جا ملتے ہیں۔ اس سے کفرانِ نعمت تو لازم آتا ہی ہے، خاندان بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ اس بے جا صَرف کرنے کو "اِسراف" کہا جاتا ہے۔ یہ حرکت اللہ کو اس قدر ناپسند ہے کہ ارشاد ہوا ـــــ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ ـــــ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں!

پروردگارِ عالم نے جائز ضرورتیں پوری کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اپنی نعمتوں سے بھرپور استفادے کی کھلی اجازت دی ـــــ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ـــــ کھاؤ، پیو مگر حد سے نہ بڑھنا! اس حد سے مراد وہ صفت ہے جسے کفایت شعاری یا قناعت کہتے ہیں، یعنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائے جائیں بلکہ چادر زیادہ پھیلے اور پاؤں کم، تاکہ زندگی سہولت اور آرام سے گزر سکے۔

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

یہ کام تبھی ہو سکتا ہے جب ہم اپنی خواہشوں کو لگام دیں، دوسروں سے سبقت

Marfat.com

لے جانے کی ہوس سے چھٹکارا پائیں اور نام و نمود کی آرزو کا گلا گھونٹیں۔ کہاوت ہے کہ دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے جسے کسی جگہ روکنا ممکن نہیں مگر زرق برق ملبوسات' چکاچوند زیورات' زیب و زینت کے سازو سامان' پُرتکلّف کھانوں' عالی شان مکانوں' بے سود مشاغل اور فضول رسومات سے اپنی طبیعت کو روکنا تو ممکن ہے۔ اس سلسلے میں معلّمِ اخلاق ؐ نے یہ تربیتی اصول پیش فرمایا ___ مالی اعتبار سے اپنا موازنہ کم تر سے کرو مگر علمی اور نیکی کے لحاظ سے اپنے سے برتر کو دیکھو!

کفایت شعاری' اخلاقیات کی وہ اعلیٰ قدر ہے جسے مادی خوشحالی اور ذہنی و قلبی طمانیت کی ضمانت کہا جاسکتا ہے تاہم یہ خدشہ بہر حال موجود رہتا ہے کہ نوبت کہیں بخل تک نہ پہنچ جائے! ___ بخل کنجوسی کا ہم معنی ہے۔ اس کا مطلب ہے' ضرورت کے وقت روپے پیسے اور چیزوں کے استعمال میں تنگدلی کا مظاہرہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ادا کو سخت ناپسند کیا ہے ___ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ۔ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران ۳: ۱۸۰) جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں' وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ نہیں' یہ ان کے حق میں نہایت بُری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں' وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا ___ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میزانِ اعتدال نصب کرکے اپنے پسندیدہ بندوں کا کردار نمایاں کر دیا ___ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۲۵: ۶۷) وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں' نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان' اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اسلام کے اخلاقی نظام کی حدیں زندگی کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتیں بلکہ یہ تو مکمّل ضابطۂ حیات ہے جو ہمہ جہتی فوز و فلاح کی نوید سناتا ہے۔ اس نے اِسراف اور بخل کی سرحدیں تمام معاملات و مسائل تک پھیلا دی ہیں۔ اس کے نزدیک یہ بھی فضول خرچی ہے کہ اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں کو بے فائدہ' لغو اور نقصان دہ کاموں پر لُٹا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون ۲۳: ۳) وہ لایعنی باتوں اور کاموں سے بچتے ہیں ___ اسی طرح بخیلی کا دائرہ بھی ہماری تمدنی زندگی تک جا پہنچا ہے۔ کسی عالم کا اپنے علمی

Marfat.com

ذخیرے سے دوسروں کو فیضیاب نہ کرنا بھی بخل ہے۔ کسی صاحب وسیلہ اور ذی اثر شخصیت کا، اپنے اختیارات اور اثر و رسوخ سے کام لے کر، مسائل و مشکلات میں گھرے لوگوں کی دستگیری نہ کرنا بھی بخل ہے۔ اہلِ اقتدار کا عوام کو بنیادی سہولتیں فراہم نہ کرنا بھی بخل ہے۔ اس صورتِ حال میں معاشرے کے خدوخال بگڑ جاتے ہیں اور نفسا نفسی ہماری تقدیر کا یہ بھیانک منظر نامہ لکھتی ہے ___

بے اِعتدالیوں سے سُبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہوگئے، اتنے ہی کم ہوئے

نبیِ اکرم ﷺ نے جو مثالی قائم فرمایا، وہ افراط و تفریط کے عیوب و نقائص سے بہر طور پاک وصاف تھا۔ اس کے افراد فرشتے نہیں، انسان تھے جو توازن و اِعتدال کی روشن شاہراہ پر گامزن تھے۔ ہم بھی اسی محسنِ انسانیت ﷺ کے نام لیوا اور پیروکار ہونے کے دعوے دار ہیں مگر ہماری زندگی کی تمام اکائیوں میں کوئی انضباط و تناسب کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ ___ یقیناً، ہم اس قبلہ نمائے عالَم سے رُوگردانی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سمتِ مخالف میں ہمارا یہ سفر نامرادی کی منزل تک تو لے جاسکتا ہے، کامرانی کا موجب نہیں بن سکتا۔ ان ناسازگار حالات میں معقول رویّہ یہ ہے کہ ہم اپنے لیل و نہار کا تنقیدی جائزہ لیں اور اس حیات بخش روش کو اپنائیں جسے اِفراط و تفریط سے اجتناب یا جادۂ اعتِدال کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

# نرم دمِ گفتگو' گرم دمِ جستجو

علاّمہ اقبال نے ہسپانیہ کے سفر کے دوران میں مسجدِ قُرطبہ کے حوالے سے ایک معرکتہ الآرا نظم کہی۔ اس میں مردِ مومن کی صفات گنواتے ہوئے کہا ــــــ

نرم دمِ گفتگو' گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاکباز

یعنی مومن کی زبان میں نرمی اور محبت کا رنگ غالب ہوتا ہے لیکن جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو سراپا جدوجہد بن جاتا ہے۔ تاہم صورتِ حال کوئی بھی ہو' اس کی سیرت پاکباز رہتی ہے۔

اسلام نے جو انقلابی افراد تیار کیے' ان میں بنیادی طور پر دو خوبیاں پیدا کیں۔ یعنی قولِ صالح اور عملِ صالح ــــــ صحابۂ کرام نے ان اوصاف کا عملی نمونہ پیش کیا چنانچہ اسلامی انقلاب کا دھارا جب عرب کی سرزمین سے باہر نکلا تو بیرونی دنیا کے لوگ مسلمانوں کے انھی اوصاف سے سجے ہوئے کردار کو دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے چلے گئے۔ اس کردار کو اسلامی انقلاب کی روح قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا پہلا عنصر قولِ صالح ہے جس سے مراد یہ ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے پر سچ اور حق بات کہی جائے۔ اسلام کی اصطلاح میں اسے تبلیغ کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے تبلیغ کا اوّلین اصول بیان کرتے ہوئے کہا ــــــ
اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ــــــ اسلام کی دعوت دو تو نہایت دانشمندی اور عمدہ ناصحانہ انداز سے دو۔ مباحثہ بھی کرو تو بہترین اور شائستہ طریقے سے ــــــ اس آیتِ کریمہ میں گفتگو کرنے کے شائستہ طریقے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں موقع و محل دیکھ کر بات کی جائے' وہاں گفتگو میں نرمی بھی اختیار کی جائے۔ اس سلسلے میں مزید ارشاد ہوا ــــــ قُوْلُوا

Marfat.com

لِلنَّاسِ حُسْنًا ــــ لوگوں سے شستہ بات چیت کرو۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون سے ہمکلام ہونے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا ــــ فرعون کے پاس جاؤ تو زبان میں شیرینی اور نرمی رکھ کر بات کرنا ــــ چنانچہ گفتگو کا حسن یہ ہے کہ انسان شائستگی اور نرمی کو کسی بھی مرحلے پر ترک نہ کرے۔ اسی سے بات میں وزن پیدا ہوتا ہے اور اسی طریقے سے دوسروں کے دل جیتے جاسکتے ہیں۔ اس کے بغیر زندگی اخلاقی خوبیوں سے آراستہ اور عمدہ کردار سے مزیّن نہیں ہو سکتی۔

اخلاقیات کے علماء نے انسانی دل کو شیشے سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ شیشہ نہایت حسّاس اور نازک چیز ہے۔ جس طرح شیشے کا برتن ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح دل بھی زبان کی ذرا سی لغزش اور سختی سے ٹوٹ جاتا ہے۔ جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معاشرے کو جنّت کا نمونہ بنانا چاہیئے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مخلوقِ خدا کے جذبات واحساسات کی قدر کی جائے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ نرم زبان استعمال کی جائے تاکہ دل سلامت رہیں اور ہر جگہ امن وسکون کی خوشبو پھیلے۔ میر انیس نے اس وصف کو زندگی کی بنیادی قدر قرار دیتے ہوئے کہا تھا ــــ

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

زبان بظاہر تو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے مگر اسی چھوٹے سے لوتھڑے نے دنیا میں قیامتیں برپا کر رکھی ہیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی ایک گراں قدر نعمت ہے جو محبت کے گیت سنانے، دلوں کو ملانے، جذبوں کو ظاہر کرنے اور اسرارِ قدرت کو عیاں کرنے کے لیے بخشی گئی ہے، مگر یہی زبان ہے جس سے خوشگوار لفظوں کے پھول جھڑنے کی بجائے جب طنزوملامت کے پتھر برستے ہیں تو لاکھ آفتیں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ نازیبا گفتگو کردار کو مسخ کر دیتی ہے۔ گالی گلوچ اور چغل خوری نفرتوں کے بیج بوتی ہے اور درشت کلامی سے انسان اپنا اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔ اسی لیے محسنِ انسانیت ؐ نے فرمایا ــــ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ ــــ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیئے کہ شائستہ، نرم اور بھلی بات کہے، ورنہ چپ رہے۔ حضور ؐ کے اس فرمان میں بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں کیونکہ سخت کلامی اور بری باتوں سے بچنا دراصل

Marfat.com

اپنے دل میں عملِ صالح کا بیج بوتا ہے۔ حضورؐ نے اس اعلیٰ خوبی کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ___ اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَہ ___ یعنی میٹھا بول بھی صدقہ ہے۔

نرم خوئی دراصل ایک اعلیٰ انسانی وصف ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ لوگ نرم خو انسان کی طرف فوراً مائل ہوتے اور اس سے فوراً متأثر ہو جاتے ہیں۔ وہ شخص اللہ کے نورِ رحمت سے فیضیاب ہوتا ہے۔ وہ سادہ گفتگو بھی کرے تو اس کے وسیلے سے بڑے بڑے حکیمانہ نکتے ذہن نشین کر دیتا ہے۔ نرم کلامی کا دوسرا اعجاز یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے سے نیکی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

○

نیکی کو فروغ دینے کے جذبے سے سرشار مومن میں ایک اور صفت بھی ہوتی ہے جسے علّامہ اقبال نے "گرم دم جستجو" کہا ہے۔ تین لفظوں پر مشتمل یہ چھوٹا سا فقرہ اپنے اندر کائنات کی روح جذب کیے ہوئے ہے۔ زندگی سے اگر جستجو کا عنصر خارج کر دیا جائے تو ہر طرف موت کا سناٹا چھا جائے۔ جستجو کا معنی ہے: کاوش' تلاش' ڈھونڈنا' سراغ لگانا۔ "گرم دم جستجو" کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت تازہ دم' پُرعزم ہونا اور دل میں نئی دنیا ئیں تلاش کرنے کی لگن پیدا کرنا۔ یہی نہیں بلکہ ناموافق حالات میں بھی اس جذبے کو قائم و برقرار رکھنا اور قدم آگے بڑھاتے چلے جانا ___ جستجو ہی میں شامل ہے۔ عملی زندگی میں دیکھا جائے تو وہی لوگ کامیاب و سرخرو نظر آتے ہیں جنھوں نے اس مقولے کو اپنی زندگی کا حصہ بنا کر اپنے مشاغل پر اس کی چھاپ لگائی ہے۔ قرآنِ مجید کی آیت ___ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کا مفہوم یہی ہے کہ انسان کو وہی کچھ حاصل ہوتا ہے جس کے لیے وہ تگ و دو کرتا ہے اور جو لوگ اپنے مقاصد کے لیے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں' قرآن انھیں یہ بشارت دیتا ہے ___ اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ___ جو لوگ حق کے لیے سرگرم ہو جاتے ہیں ہم ان کے لیے کامیابیوں کے راستے کھول دیتے ہیں۔

تاریخ کے جھروکے سے دیکھا جائے تو افراد و اقوام کے عروج و زوال کی داستانیں اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں' تمام سائنسی ایجادات' تمام ادبی شاہکار' بلند و بالا عمارات' مختلف عناصر کے امتزاج سے تشکیل پانے والی حیات بخش ادویات' صنعت و

Marfat.com

حرفت میں استعمال ہونے والی مشینری، تیز رفتار گاڑیاں، بلند پرواز ہوائی جہاز، جنگی سازو سامان اور جدید ترین ٹکنالوجی، انسان کے سرگرمِ جستجو ہونے کی کرامات ہیں۔ اجرامِ فلکی کے حوالے سے تازہ تر معلومات، پہاڑوں کا سینہ چیر کر ان کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کا سراغ اور سمندری عجائبات تک رسائی سب اسی گرمئ جستجو کی تفسیریں ہیں۔

قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے اس "جستجو" کو حاصلِ زندگی قرار دیا تھا۔ انھوں نے دنیا میں اسلام، علم، سچائی اور محبت کو فروغ دینے کے لیے اپنے جسم و جان کی ساری صلاحیتیں وقف کر دی تھیں۔ اس راستے میں انھیں طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں مگر انھوں نے جستجو کی آگ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا۔ ان کا نصب العین یہ تھا کہ نیکی جمود یا ٹھہراؤ کا نام نہیں، یہ تو ایک جاودانہ حرکت ہے۔ انھیں یقین تھا کہ نیک وہی شخص ہے جو اپنے دل میں اَوروں کو بھی نیک بنانے کی تڑپ رکھتا ہو، اور حق پرست وہی انسان ہے جو روشنی کو پھیلانے کی تمنّا سے سرشار ہو۔ چنانچہ مردِ مومن کا فرض ہے کہ وہ نیکی اور صداقت کی اشاعت کے لیے مستعدو سرگرم ہو۔ جس صاحبِ ایمان کے دل میں اس مقصد کے حصول کے لیے تمنائیں بے تاب نہ ہوں، اس کا وجود بے معنیٰ ہے کیونکہ آرزوؤں کی بے قراری ہی انسان کو محوِ جستجو رکھتی ہے، اور جستجو وہ روحِ رواں ہے جس سے جسم زندہ رہتا ہے۔ یوں ایک باوقار شخصیت کی نمود ہوتی ہے جو قولِ صالح اور عملِ صالح سے توانائی حاصل کر کے مادی اور روحانی ارتقاء حاصل کرتی ہے۔

Marfat.com

# احسان و تشکّر

دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیمات کا محور یہ رہا ہے کہ نوعِ انسان اپنے پروردگار کے ساتھ بندگی کا تعلق قائم کرے اور آپس میں رحم و کرم کا رویّہ اپنائے۔ اسلام تو سراسر محبت اور سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کا پیغام ہے کہ ساری مخلوق اللہ کا گھرانہ ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ پیار اس شخص سے ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اسلام نے افراد میں ایسا رشتہ جوڑا ہے کہ ان میں فطری طور پر الفت اور یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اعلان کیا ــــ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ــــ عدل و احسان کی یکجائی میں یہی مصلحت کار فرما ہے کہ خیرات و صدقات اور بھلائی کے تمام کام معاشرتی توازن کو بگڑنے نہیں دیتے اور زندگی میں لطف اور شادابی کی نمود ہوتی ہے۔

احسان کا سادہ سا مفہوم تو یہ ہے کہ ہر عمل کو حسن و جمال کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ گویا احسان' حسن کاری کا ہم معنی ہے جسے اللہ نے ہر کام میں واجب قرار دیا ہے۔ فرمایا "جب تم ذبح کرو تو حسن کاری سے کام لو!" ذرا غور کیجئے کہ ذبح جیسے کام میں حسن کاری کو پسند کرنے والا اللہ' انسانی معاملات میں کیونکر غیر شائستہ طرزِ عمل کو پسند کر سکتا ہے؟ چنانچہ انسانیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ خدمت و ایثار اور احترام و وقار کی محض پاسداری نہیں ہونی چاہئے بلکہ ان فرائض کی ادائیگی میں حسن کار بننا چاہئے۔ اسلام نے اس وصف کو زندگی کے تمام شعبوں تک پھیلا دیا ہے تاکہ نوعِ بشر مہذّب اور باذوق بنے۔ انسانیت کا دامن علم و حکمت اور مکارمِ اخلاق کے ایسے سچّے موتیوں سے بھر جائے کہ اہلِ جہاں کو اپنے مسائل کا خوبصورت حل اور عصری تقاضوں کا دلنشیں جواب میسر آجائے۔

محسنِ اعظم حضرت محمد ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ــــ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلْقِ

Marfat.com

ـــــ نیکی اچھے کردار ہی کا نام ہے مگر شیطانیت نے اس چشمۂ صافی میں نفسانیت کا زہر گھول کر اسے نہ صرف ناخالص بنایا بلکہ روحِ آدمیّت کے لیے قاتل ٹھہرا دیا۔ کارہائے خیر میں یا تو نام و نمود کی خواہش سرایت کرنے لگی یا جنّت منزلِ مقصود ٹھہری۔ حالانکہ مسلمان کا مطمحِ نظر جنت نہیں بلکہ رضائے الٰہی ہے۔ نیکی کے سلسلے میں جو کاوش بھی کی جاتی ہے، اس کے صلے میں اللہ اپنی خوشنودی اور رضا سے نوازتا ہے۔ ایک مومن کے لیے یہ ایسا ابدی انعام ہے جسے اصطلاح میں جنت کہا جاتا ہے۔ رضائے الٰہی اخلاصِ عمل کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے جس میں سرِفہرست احسان ہے۔

احسان کا مطلب یہ ہے کہ ہر موقع پر مخلوقِ خدا کی بھلائی پیشِ نظر رہے۔ لوگوں کو اپنے پُر مسرّت لمحات میں شریک کیا جائے۔ اس طرزِ عمل میں چونکہ مہربانی اور ہمدردی کے جذبات شامل ہوتے ہیں اس لیے احسان جتلانا اس کارِ خیر پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملِ خالص میں ریاکاری کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو احسان کرنے والے کی اخلاقی پستی ظاہر ہوتی ہے تو دوسری جانب احسان مند کی خودداری اور اخلاقی غیرت کو ٹھیس لگتی ہے۔ احسان کرنا ایک اخلاقی ذمہ داری ہے جس کے سوتے اخلاصِ نیت سے پھوٹتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ـــــ احسان ایسے کرو کہ تمہارے دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ یہ ارشادِ گرامی اخلاص کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ "نیکی کر دریا میں ڈال"! کا مفہوم بھی یہی ہے کہ کسی کے ساتھ حسنِ سلوک پر کسی شکریے کی توقع ہرگز نہ رکھی جائے بلکہ یہ سمجھا جائے کہ یہ تو اللہ کی خصوصی عنایت تھی جو اس نے ہمیں اس قابل بنایا اور توفیق دی کہ ہم سے کسی کا بھلا ہو جائے۔

اہلِ صفا، اخلاص کے اسلوبِ حیات پر کاربند ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک رات کڑاکے کے جاڑے میں حضرت ابراہیم ادھمؒ پناہ کی تلاش میں کسی مسجد میں جا پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں تین آدمی سردی کے مارے سکڑے پڑے ہیں۔ دروازے میں کواڑ نہیں تھے۔ یخ بستہ ہوا برابر اندر چلی آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیمؒ نے سوچا کہ ان اللہ کے بندوں کو سردی سے بچایا جائے۔ وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو گئے تاکہ ہوا کسی حد تک رک جائے۔ انہوں نے ساری رات اسی طرح آنکھوں میں کاٹ دی۔ بے غرض خدمت کی ان کٹھن گھڑیوں میں ان کا جسم اکڑ گیا، اعصاب سُن ہو کر رہ گئے لیکن دل تھا کہ پُر مسرت کیفیّات سے جھوم رہا تھا۔

Marfat.com

ہم آپ سب بھی بھلائی کے کام کرتے ہیں مگر بسا اوقات ہماری نیکیاں رائگاں جاتی ہیں کیونکہ ہم ان شرائط کا خیال نہیں رکھتے جو صالح اعمال کی روحِ رواں ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں دو طرح کی شرائط پیش نظر رکھی جانی چاہئیں ـــــ ایک شرط "صحّت" جو ایمان و اخلاص اور مَصْرَفِ صحیح کا احاطہ کرتی ہے ـــــ دوسری شرط "قبُولیت" یعنی نہ تو احسان جتلایا جائے، نہ طعن و تشنیع سے اور خدمت لے کر احسانمند کی دلآزاری کی جائے۔ یہ ایک ہی فاسد کردار کے دو پہلو ہیں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے' اس کی نیکی' نیکی نہیں رہتی۔ وہ بیک وقت انسانوں اور اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے۔ قرآن اسی حوالے سے انتباہ کرتا ہے ـــــ لَاتُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی ـــــ خیرات و احسان کو جتلا کر یا تکلیف دے کر ضائع نہ کرو!

تبلیغ و ارشاد کی ایک مجلس میں رسول اللہ ؐ نے فرمایا ـــــ خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ ـــــ سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ فائدہ پہنچانے کے سلسلے میں اوّلین درجہ والدین کا ہے جو احسان کی لافانی علامت ہیں کہ وہی انسان کی پیدائش کا سبب بنائے گئے۔ ان کی محبت بے غرض اور بے لَوث ہوتی ہے۔ وہی ہیں جو نوخیز کلیوں جیسے بچوں کی پرورش کرتے اور ان کی جسمانی و روحانی تربیت کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ ہر انسان' اللہ کے بعد سب سے زیادہ اپنے والدین کا احسانمند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ الٰہی میں مختلف حوالوں سے سترہ مرتبہ والدین سے حسنِ سلوک کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں ان کی خدمت' اطاعت و فرمانبرداری اور ادب و احترام کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ رسولِ کریم ؐ اس معاملے میں اتنے حسّاس تھے کہ ایک مرتبہ فرمایا: لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَّلَا عَاقٌ ـــــ احسان جتلانے والا اور والدین کا نافرمان کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ احسان جتلانے والا اور والدین کا نافرمان چونکہ اذیّت پسند ہوتا ہے لہٰذا وہ جنت یعنی اللہ کی رحمت سے کیونکر فیضیاب ہو سکتا ہے۔ اس حدیث میں احسان اور حقوقِ والدین کا یکجا ذکر کرکے دراصل دونوں کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے اور ساری انسانی برادری سے فیّاضانہ سلوک کے ساتھ ساتھ والدین کی بالخصوص اطاعت و خدمت کو جنّت کے استحقاق سے مشروط کیا گیا ہے ـــــ

والدین کی فرمانبرداری کسی خاص زمانے میں مقیّد نہیں۔ یہ اولاد کا مذہبی فریضہ بھی ہے اور اخلاقی ذمہ داری بھی۔ کوئی شخص ہم پر ذرا سا احسان کردے تو ہم اس کا شکریہ ادا

Marfat.com

کرتے نہیں تھکتے تو کیا والدین اس کے مستحق نہیں کہ ان کے بے شمار احسانات کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اللہ نے اپنا شکر ادا کرنے اور والدین کے لیے ہمہ وقت دامانِ تشکرؐ دراز رکھنے کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے فرمایا ___ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْک ___ (لقمان ۳۱:۱۴) میرے انعامات اور اپنے والدین کے احسانات کے شکر گزار رہو۔

ہدیۂ تشکرؐ کے ان دونوں حوالوں سے حسنِ خلق کا قابلِ قدر نظام تشکیل پاتا ہے۔ والدین کے حقوق کی نگرانی کرتے کرتے انسان کو زندگی کے ان اعلیٰ معیارات تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے کہ پھر وہ ہر فردِ بشر کے حقوق کی پاسداری کے قابل ہو جاتا ہے۔ تب اس کی ذات پر انسان دوستی کے روشن دریچے کھلتے ہیں۔ اس کا قلب مُصفّیٰ، ذہن مُجلّاَ اور جسم مُنَزَّہ ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب احسان کرنے والا آدم زاد احسنِ تقویم کی تصویر دکھائی دیتا ہے جس کے متعلق قرآنِ حکیم یہ بشارت دیتا ہے ___ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم ___ ہم نے انسان کو نہایت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

Marfat.com

# احترامِ آدمیّت

روئے زمین پر جتنے بھی انقلابات رونما ہوئے' انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک مادی انقلاب جو عزت و ناموس کی پامالی' مال و متاع کی چھینا جھپٹی اور خونریز جنگوں کا منظرنامہ پیش کرتے ہیں۔ دنیا کا سب سے پہلا اور آخری روحانی انقلاب پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے برپا کیا جس کا نصب العین آدم زاد کی باطنی دنیا کا نقشہ بدلنا اور اعمال و خصائل میں مثبت تبدیلی پیدا کرنا تھا۔ اس انقلاب کا سرچشمہ وہ قوت تھی جو توحید کی کرشمہ سازی سے ظہور میں آئی۔ عقیدۂ توحید کا مقصود یہ ہے کہ ایک اللہ کی مخلوق کے درمیان رشتۂ وحدت قائم ہونا چاہیے تاکہ ایسا مثالی معاشرہ جنم لے سکے جہاں وقارِ آدمیت کو اوّلیت دی جائے' تہذیب و تعمیر کے ذریعے ضمیرِ انسانی پر حکومت کی جائے اور اوصافِ حسنہ کی فرمانروائی سے معاشرے کو "امن و سکون" کا گہوارہ بنا دیا جائے۔ یہ ایسا آئینِ حیات ہے جو اپنے پیروکاروں کو تمام ہم جنسوں سے لطف و احسان کی ترغیب دیتا ہے۔ اس نظام نے انسان کی سلیم الفطرتی کو آواز دی اور اس کے صالح جذبات و احساسات کو بیدار کیا۔

اسلام کے روحانی انقلاب کی بنیاد محبت پر رکھی گئی تھی اور محبت کا اوّلین تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کیا جائے۔ اسلام نے تمام انسانوں کو واجب الاحترام ٹھہرایا ہے۔ اولاد آدم کو ایسا حق اسلام کے سوا اور کسی مذہب نے نہیں دیا۔ ہندو مت اچھوتوں کو انسان کا درجہ نہیں دیتا۔ یہودیت میں غیر یہودی فرد کو بے دین اور کافر کہا جاتا ہے۔ جمہوریت کی علمبردار سفید فام مخلوق کا حال یہ ہے کہ وہ کالوں کو ایک آنکھ دیکھنا گوارا نہیں کرتی ـــــ لیکن دینِ اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے بندگانِ خدا کو بلاامتیاز رنگ و نسل قابلِ احترام ٹھہرایا۔ قرآنِ کریم نے سب آدم زادوں کو تکریم و تعظیم

Marfat.com

کا مستحق قرار دیتے ہوئے کہا ـــــ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ...وَفَضَّلْنٰا ھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلاً (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰) ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت عطا کی ـــــ چنانچہ جب اللہ نے انسانوں کو قابلِ عزت ٹھہرایا ہے تو ان کا بھی فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام کریں۔

رسول اللہ ؐ نے احترام آدمیت کے سلسلے میں یہ بنیادی اصول ارشاد فرمایا ـــــ مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا ـــــ جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے' وہ ہم میں سے نہیں۔ چنانچہ اسلام کو دنیا کے تمام نظاموں پر یہ برتری حاصل ہے کہ اس نے ہر چھوٹے بڑے انسان کی قدر و مَنزِلت مقرر کی۔ دنیا کی مہذّب مملکت رومتہ الکبریٰ میں صدیوں تک یہ دستور رہا کہ ایک باپ اپنی اولاد کو مار ڈالنے کا مکمل قانونی اختیار رکھتا تھا۔ اسلام نے جہاں بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت کو بڑوں پر فرض قرار دیا' وہاں بڑوں کے ساتھ شائستگی' انصاف' احترام اور احسان کا رویّہ اپنانے کی تلقین کی۔ بڑوں میں والدین' اساتذہ' مذہبی رہنما اور تمام عمر رسیدہ افراد شامل ہیں۔

نفسیات کی رو سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل صحیح ہے کہ بزرگوں اور نوخیز نسل کے درمیان ایک نسلی تفاوت (Generation Gap) موجود ہوتا ہے' جس کے باعث نظریاتی اختلاف پیدا ہونا عین فطری تقاضا ہے۔ بزرگ عہدِ گذشتہ کے افکار و تصوّرات کے امین ہوتے ہیں۔ بدلتی ہوئی قدروں سے ہم آہنگی پیدا کرنا ان کے لیے بڑا دشوار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نوخیز نسل نئے نظریات اور رجحانات اپنانے پر مُصر ہوتی ہے۔ جدید و قدیم کے اس نفسیاتی تصادم میں بعض اوقات بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں تاہم چھوٹوں کا فرض ہے کہ وہ ہر صورت میں تعمیری طرزِ فکر اپنائیں۔ بزرگوں کے موقف کو ٹھنڈے دل سے سمجھیں۔ یہ منطقی بات ہے کہ جس طرح چھوٹے نیا اسلوبِ حیات اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں' اسی طرح بزرگ بھی اپنی فطرت میں رچی بسی قدروں کو ترک کرنے سے معذور ہوتے ہیں۔ چنانچہ معقول طریق کار یہ ہے کہ بغاوت اور سرکشی کی بجائے مفاہمت کی راہ اختیار کی جائے ـــــ ہم خاندانی اور قومی اثاثوں کا بڑا ادب و احترام کرتے ہیں' بزرگ بھی دنیا میں اپنی عمر کے اعتبار سے معاشرے کا بابرکت اثاثہ ہوتے ہیں' آخر ان کی تکریم و تعظیم کیوں نہ کی جائے؟ ـــــ اور اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ زندگی

Marfat.com

کی اونچ نیچ سے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں۔ ان کے پاس علم اور تجربات کا خزانہ ہوتا ہے' اس لیے چھوٹوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کا احترام بجا لائیں اور ان کے علم اور تجربات کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کریں۔

بزرگوں کے احترام کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہر جائز حکم کی تعمیل اور ہر امکانی خواہش کی تکمیل کی جائے۔ ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جس سے انھیں ذہنی یا جسمانی اذیت پہنچے۔ ان کے ساتھ حسنِ اخلاق کا برتاؤ کیا جائے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ؐ کے واضح ارشادات موجود ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا ___ "سفید بالوں والے آدمی کی تعظیم خدا کی تکریم کے برابر ہے۔ جو شخص جوانی میں بزرگوں کی عزت کرے' خداوندِ عالم اس کے بڑھاپے میں اس وقت کے جوانوں سے اس کی عزت کرائے گا۔" بچپن میں حضور ؐ کو دودھ پلانے کا شرف حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا تھا۔ وہ آپ ؐ کے پاس اس زمانے میں تشریف لائیں جب آپ ؐ فرائضِ رسالت ادا کرنے میں مصروف تھے۔ حضور ؐ تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا دی۔ یہی حسنِ سلوک آپ ؐ نے اپنی رضاعی بہن اور رضاعی والد اور بھائی کے ساتھ کیا۔ حضور ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ کسی بھی قوم کا سردار تمھارے پاس آئے تو اس کی تعظیم تم پر واجب ہے۔

بزرگوں کی تعظیم و تکریم کے حوالے سے جدید دنیا میں کئی اصلاحی اقدامات کیے گئے ہیں ___ انگلستان میں بوڑھوں کو دربدر ٹھوکریں کھانے سے بچانے کے لیے ضعیف گھر (Old people Homes) بنائے گئے ہیں جہاں رفاہی اور سرکاری ادارے ان کی مناسب دیکھ بھال کرتے ہیں۔ امریکہ میں ۱۹۱۴ء سے ایک روایت قائم ہے کہ ہر سال مئی کے دوسرے اتوار کو یومِ والدہ (Mother Day) منایا جاتا ہے لیکن اسلام نے نہ تو کوئی "مدر ڈے" مقرر کیا ہے' نہ بزرگوں کو اولاد سے دُور "بیت الضّعفاء" میں رکھنے کا کوئی اشارہ دیا ہے۔ اس نے تو وہ عظیم الشان اخلاقی انقلاب برپا کیا جس کی روح خیر خواہی تھی۔ اسے دوسرے لفظوں میں احترامِ آدمیت کہا جاسکتا ہے۔ یوں ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آیا جہاں عفو و کرم اور رحمت و شفقت کی حسین قدروں کا بول بالا تھا۔ آج جبکہ مادہ پرستی اور نفسا نفسی کے الاؤ دہک رہے ہیں' دنیا کو پھر اسی نظامِ معاشرت کی ضرورت ہے جس نے صدیوں پہلے عرب کے آتش کدے میں اندازِ گلستاں پیدا کر دیا تھا۔

Marfat.com

# فرض کی پہچان

قدرت نے ازل کی جس خوبصورت صبح کو آدم کی تخلیق کی' اسے کائنات کی سربراہی کے حق کے ساتھ ساتھ اور بھی بے شمار حقوق عطا فرمائے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان انھی حقوق کی بدولت اشرف المخلوقات کہلایا اور فرشتوں پر فرض ٹھہرا کہ وہ آدم کی تعظیم و تکریم بجالاتے ہوئے اسے سجدہ کریں۔ فرشتوں کی اس ادائیگی فرض سے پروردگار خوش ہوا مگر آدم کے حق پر اپنا حق فائق سمجھنے والے نافرض شناس ابلیس سے اللہ ناراض ہوا اور سے اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا۔ لیکن ہوا یوں کہ عالم قدسی میں ان حقوق کے عملی اظہار کا کوئی ماحول موجود نہ تھا اس لیے انسان کو زمین پر بھیجا گیا جہاں اولادِ آدم کو آپس میں ملنے جلنے کے مواقع میسر آئے اور حقوق و فرائض کا سلسلہ شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ معاشرتی پیچیدگیاں بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ اصول' معاشرت کی بنیاد قرار پایا کہ حقوق و فرائض آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کو حقوق اسی لیے دیے جاتے ہیں کہ وہ کچھ ذمے داریوں کو بھی پورا کرے کیونکہ حقوق کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے جب ہر فرد اپنے فرائض کا احساس کرے۔ اگر یہ احساس ختم ہو جائے تو کوئی بھی دوسرے کا حق ادا نہ کرے اور معاشرتی زندگی نفسانفسی کا شکار ہو کر رہ جائے۔

معاشرہ درحقیقت اخلاقی قدروں اور انسانی رشتوں کے تانے بانے سے تشکیل پاتا ہے۔ اس جال سے کٹ کر زندگی گزارنا انسان کے لیے ممکن نہیں۔ چنانچہ ایک مربُوط سیاسی و معاشرتی نظام کا تقاضا ہے کہ ہر شخص ان قدروں اور رشتوں کی پاسبانی کرتے ہوئے اپنی ذمے داریاں نیک نیتی سے نبھائے۔ ان ذمے داریوں کی دو صورتیں ہیں:

(الف) پہلی یہ کہ فرد اپنے اخلاقی حقوق کا مناسب استعمال کرے۔ مناسب استعمال کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی جسمانی' ذہنی اور اخلاقی قوتوں اور صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کا

Marfat.com

موقع تو ضرور دے مگر اپنی اور معاشرے کی بھلائی کا مقصد کبھی فراموش نہ کرے۔ دوسروں کے حقوق کو اپنے حقوق کی کسوٹی پر پرکھے اور اپنے حقوق کو دوسروں کے حقوق کے معیار پر جانچے تاکہ تمدنی توازن سے انسانوں کی مسرتوں میں اضافہ ہو اور مسائل کم کرنے میں پیش رفت ہو۔ اس پر لازم ہے کہ وہ خواتین' والدین اور اساتذہ کا احترام کرے۔ بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ چھوٹوں کی تربیت احسن طریقے سے کریں اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں۔ رشتوں کے اس جال میں پڑوس کو بھی —— خاص اہمیت حاصل ہے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا —— "چالیس گھروں تک تمھاری ہمسائگی ہے۔ جب ہمسائگی کی حدیں اتنی وسیع و عریض ہوں تو معاشرتی بقا کا باب کھلتا ہے کیونکہ ہمسائے سے حسنِ معاملت اسلام کا مذہبی ضابطہ ہی نہیں' معاشرتی اصول بھی ہے جس کی وسعت بڑھتے بڑھتے ہم ملکی اور ہم وطنی تک پہنچ گئی ہے۔ یہ فرائض اگرچہ رضا کارانہ نوعیت کے ہوتے ہیں اور انھیں ادا نہ کرنے پر قانون حرکت میں نہیں آتا تاہم معاشرہ اپنی قدروں اور رسم و رواج کے تحت دباؤ ڈالتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ احساس دلانے سے پہلے ازخود ان تہذیبی فرائض کا احساس کرے۔

(ب) ادائیگیٔ فرض کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی ملک و قوم کا خیر خواہ رہے۔ اپنی دھرتی کی زرخیز مٹی' صحت بخش آب و ہوا' خوشنما مناظر' طاقت بخش اجالوں بھری دھوپ اور روح افزا چاندنی ہمیں زندگی عطا کرتی ہے' اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس مٹی سے رشتہ مضبوط کریں۔ اس سے وفاداری کا عہد نبھائیں۔ سرکاری عملے سے تعاون کریں اور عدالتوں کی مدد کریں۔ انتظامیہ اور عدلیہ عوام کو تحفظ فراہم کرے تاکہ وہ جرائم کی بے باکانہ نشاندہی کریں اور قانون کے دوست بن کر ملک و قوم کو مضبوط بنیادیں فراہم کریں۔ اس طریقے سے معاشرے میں استحکام پیدا ہوگا اور امن وامان قائم ہوگا جس کی موجودگی میں سب لوگ اپنے حقوق سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ادائیگیٔ فرض کے احساس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ملک و قوم کی خیر خواہی کا جذبہ دلوں میں مَوجزن کر دیا جائے۔ ہر شخص میں یہ احساس پیدا ہونا چاہیے کہ اسے حلال روزی کمانا ہے۔ وہ عہد کرے کہ سمگلنگ' چور بازاری' رشوت' ملاوٹ اور مہنگائی جیسے غیر قانونی اور غیر اخلاقی ذرائع آمدن اختیار نہیں کرے گا۔ یہ بھی فرض سمجھا جائے کہ محصولات کی پوری ادائیگی ہوگی' کیونکہ ریاست کی مالی حالت مضبوط ہوگی تو کاروبارِ حکومت چل سکے گا۔ ووٹ کا صحیح استعمال بھی

Marfat.com

ادائیگیٔ فرض کے احساس کی کڑی ہے۔ تاکہ موزوں افراد حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں اور ملک میں فلاحی سرگرمیاں جاری ہوں۔

ادائیگیٔ فرض کی اصل روح یہ ہے کہ انسان محض اپنی ذات یا اپنی قوم کی فلاح و بہبود پیشِ نظر نہ رکھے بلکہ وسیع تر انسانی مفادات کے بارے میں سوچے۔ ذاتی، خاندانی، گروہی اور مذہبی تعصبات کو خود پر مسلّط نہ ہونے دے کیونکہ ایسے رویّوں سے خود پسندی اور تنگ نظری کی بو آتی ہے جو کسی بھی اعتبار سے لائقِ تحسین نہیں، اسی لیے رسول اللہؐ نے فرمایا: ـــــ لَایُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ ـــــ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اسلام کے دورِ اول میں مدینۂ منوّرہ کو ایک فلاحی ریاست کا صدر مقام ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ریاست میں حضور نبی کریمؐ نے فرائض کی ادائیگی کا احساس بیدار کیا تھا۔ بھائی چارے اور مساوات کا نظام قائم کرنا اسی احساس کی افزائش کی قابل قدر کوشش تھی جس کے نتیجے میں امن و آشتی اور محبت کا بھرپور مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔ اس سلسلے میں حقوق العباد کو اسلامی شریعت کا حصہ بنایا گیا جن کی ادائیگی کے لیے حاکم و محکوم برابر کوشاں رہتے تھے۔ قرآنِ مجید نے حقوق العباد کو اتنی اہمیت دی کہ ان کا ادا نہ کرنا "ظلم" کے زُمرے میں آیا، کیونکہ اس طرح فرض کی ادائیگی میں کوتاہی لازم آتی ہے جو بالآخر معاشرے کا روپ بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

Marfat.com

# ایفاءِ عہد

یونان ــــ صدیوں تک مفکّروں اور فلسفیوں کا علاقہ رہا ہے۔ چھٹی صدی قبلِ مسیح میں وہاں ایک جمہوریت پسند قانون دان سولن نے نظامِ جمہوریت کی بنیاد رکھی۔ اس نے ایک بار افراد واقوام کے تمدّنی و سیاسی روابط پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ ــــ "معاہدہ' مکڑی کا جالا ہے جو کمزور کو الجھالیتا ہے اور طاقتور کے مقابلے میں تار تار ہو جاتا ہے" ــــ یہ اصول' سیاسیاتِ عالَم کی روحِ رواں ٹھہرا ہے۔ دنیا دار حکومتیں اپنے مفادات کے لیے پہلے کمزور قوموں کو خوبصورت معاہدوں کے شکنجے میں کس دیتی ہیں' پھر عہد شکنی کے بہانے تراشتی ہیں اور جب جی چاہے' انھیں توڑ کر رکھ دیتی ہیں ــــ جنگِ عظیم اوّل میں اٹلی نے جرمنی اور آسٹریا سے کیے ہوئے تمام حلیفانہ معاہدات فراموش کر دیے اور برطانیہ و فرانس سے جاملا۔ اس عالمی جنگ میں بلجیم غیر جانبدار رہا مگر جرمنی نے اس کی پروا نہ کی اور فرانس پر حملے کے لیے اسے گزرگاہ بنادیا ــــ جنگِ عظیم دوم میں یورپ کے مہذّب اتحادیوں نے ایران کی غیر جانبدارانہ پالیسی کو مجروح کیا اور روس تک پہنچنے کے لیے اس سرزمین کو شاہراہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا ــــ عہد شکنی کی ایسی روایات ہمیشہ سے انسانیت کے لیے عذاب بنی رہی ہیں لیکن اسلام نے جو امن و سلامتی کا پیامبر ہے' پابندئ عہد کو ہر صورت حال میں ملحوظ رکھا ہے۔ اس کا نصب العین یہ ہے۔ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۴) عہد کی پابندی کرو' قیامت کے روز اس کی بازپرس کی جائے گی!

عہد کا مطلب ہے' کسی چیز کی مسلسل حفاظت اور نگہداشت کرنا۔ اصطلاح میں' عہد اس پختہ وعدے کو کہتے ہیں جس کی ذمہ داری لے کر اس کی مکمل پابندی کی جائے۔ اس کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کہا ہے۔

Marfat.com

ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (الزمر: ۲۰) یعنی اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ وہ انسانوں کی مادی' ذہنی اور روحانی ضروریات پوری کرکے درحقیقت اپنی خالقیّت کے وعدے پورے کرتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں پابندیٔ عہد کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ ایسا کرنا خود عالمِ انسانیت کے مفاد میں ہے۔ اس سے معاشرے میں اعتماد کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے مومنین کی خاص خوبی قرار دیتے ہوئے کہا گیا ____
وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون: ۸۰) یعنی وہ اپنے وعدوں اور امانتوں کا پاس کرتے ہیں۔

عہد کی پاسداری ایک قابلِ تعریف اخلاقی وصف ہے۔ عالمِ انسانیت کا قابلِ قدر عنصر ہمیشہ وہی ٹھہرا ہے جس کا ظاہر و باطن اور قول و عمل یکساں ہو۔ ظاہر ہے یہ صفت وعدہ پورا کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے آدمی ذمے دار اور با اعتبار بنتا ہے۔ مگر یہ کردار اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب دو طرح کے عہدوں کی برابر پابندی کی جائے ____ ایک عہد وہ ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے۔ مخلوق نے' صبح ازل اپنے خالق سے کہا تھا کہ وہ اسی کو اپنا رب مانتی ہے اور اقرار کیا تھا کہ ہمیشہ اس کی وفاداری کی جائے گی۔ اہلِ اسلام' اس عہد کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے وقت دراصل اسی عہد کی تجدید کرتے ہیں۔ وہ کلمہ پڑھ کر یہ شعوری اقرار کرتے ہیں کہ اب وہ اپنے پروردگار کی اطاعت میں اپنی جان' اپنا مال اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں صرف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ مومنین کے اس طرزِ عمل کو سراہتے ہوئے قرآنِ کریم نے اعلان کیا ہے ____ اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ (الرعد: ۲۰) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں اور اسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑتے نہیں۔

دوسرے عہد کا تعلق ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ ہے' یعنی معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہوئے ہر شخص پر جو ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں' وہ انھیں خوش دلی' مستعدی اور احسن طریقے سے پورا کرے۔ بندگانِ خدا کو اخلاقی و مالی امداد دے۔ امانت دار بنے۔ ناپ تول میں کمی یا زیادتی نہ کرے کیونکہ وزن یا پیمانہ دراصل ایک معاہدہ ہوتا ہے جو ملکی قانون یا معاشرتی رسم و رواج کے تحت مقرر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا خریداروں اور دکانداروں پر لازم ہے کہ اس کی پابندی کریں۔ رسولِ اکرم ؐ نے ایفاءِ عہد کو ایمان کی

Marfat.com

اساس قرار دیتے ہوئے فرمایا: لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَهٗ ___ جو وعدے کا پاسبان نہیں، اس کا ایمان نہیں۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ سے ایفاءِ عہد کی روشن مثالیں سامنے آتی ہیں:

(الف) غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد نہایت کم تھی۔ اس موقع پر دو صحابۂ کرام حضرت حذیفہؓ اور ابوجبلؓ کو کفار نے پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے لڑائی میں شریک نہ ہوں گے۔ انھوں نے واپس آکر سپاہِ اسلام کے ہمراہ قریشِ مکّہ سے لڑنا چاہا مگر حضورؐ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی کیونکہ وہ جنگ میں حصہ نہ لینے کا عہد کر چکے تھے۔

(ب) معاہدۂ حدَیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مکّہ کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ میں پناہ لے تو اہلِ اسلام اسے واپس کر دیں گے۔ ابوجندل بن سہیل جنھیں قریش نے مسلمان ہونے کے جرم میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں، کسی نہ کسی طرح آن پہنچے۔ صحابۂ کرام یہ درد ناک منظر دیکھ کر بڑے جذباتی ہوگئے مگر حضورؐ نے معاہدے کی حرمت پر آنچ نہ آنے دی اور ابوجندل کو واپس بھیج دیا۔

(ج) ابو رافعؓ قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینۂ منوّرہ آئے جہاں حضورؐ کی صحبت میں ان کا دل نورِ اسلام سے منوّر ہونے لگا۔ انھوں نے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ مگر آپؐ نے فرمایا: "میں قاصدوں کو اپنے پاس روک کر عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ تم واپس جاؤ، اگر دل کی یہی کیفیت رہے تو لوٹ آنا۔" چنانچہ وہ مکّہ معظمہ پہنچے اور بعد میں مدینۂ منوّرہ آکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

حضرت عمرِ فاروقؓ نے اپنی وفات کے وقت ایفاءِ عہد پر زور دیتے ہوئے فرمایا ___ اُوْصِیْتُ بِذِمَّةِ اللّٰهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهٖ اَنْ یُّوْفٰی لَھُمْ لِعَھْدِھِمْ وَاَنْ یُّقَاتَلَ مِنْ وَّرَائِھِمْ وَلَا یُکَلَّفُوْا اِلَّا طَاقَتَھُمْ ___ میرے بعد جو خلیفہ ہو، میں اسے اللہ اور اس کے رسول کے معاہدات کی حفاظت کی وصیّت کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ مسلمان تو مسلمان، غیر مسلم رعایا کے ساتھ بھی جو معاہدہ کیا جائے، اسے پورا کیا جائے۔ ان کی جان و مال اور مال و متاع کی حفاظت کے لیے لڑائی کی جائے اور ان پر اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جسے وہ برداشت کر سکیں۔

ایفاءِ عہد زندگی کے کسی ایک شعبے سے مخصوص نہیں بلکہ اس کا سلسلہ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی معاملات تک پھیلا ہوا ہے۔ اسلام نے اسے محض اخلاقی طرزِ عمل تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے قانونی درجہ عطا کیا ہے، حضورِ اکرمؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ

Marfat.com

جو معاہدات کیے، انھیں اسلام کے مستند قانونی مآخذ کا درجہ حاصل ہے۔ میثاقِ مدینہ ہو یا عرب قبائل، نجران کے عیسائیوں اور خیبر کے یہودیوں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدات ــــ حضورؐ نے غیر مسلموں کے اقتصادی، مذہبی اور معاشرتی معاملات میں براہِ راست مداخلت نہ کی۔ اس سلسلے میں آپؐ نے خبردار کیا ــــ اَلَامَنْ ظَلَمَ مُعَاهَدًا اَوِ انْتَقَصَهٗ اَوكَلَّفَهٗ فَوقَ طَاقَتِهٖ اَو اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ يَومَ الْقِيٰمَةِ ــــ اگر کوئی شخص معاہدہ کرنے والوں پر ظلم کرے گا، یا ان کی توہین کرے گا یا ان کی کسی چیز پر جبری قبضہ کرے گا تو میں قیامت کے روز اہلِ معاہدہ کی وکالت کروں گا ــــ چنانچہ اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں عزت پانے کے لیے ضروری ہے کہ جہاں ان کی اطاعت شعاری کا عہد پورا کیا جائے، وہاں بندگانِ خدا سے کیے ہوئے اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی معاہدات کی پابندی بھی کی جائے تاکہ خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے اولادِ آدم کو اعتماد اور اعتبار کی اطمینان بخش فضا میسر آسکے۔

Marfat.com

# بُغض و حسد سے پرہیز

اللہ تعالیٰ نے ہر باشعور انسان کو ایک ایسی حس عطا کی ہے کہ وہ حسن و جمال کو پسند اور بدصورتی کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے بدن اور لباس کو صاف ستھرا اور خوشنما رکھتا ہے۔ روحانی طور پر بھی اسے ایک حس بخشی گئی ہے جو بعض کاموں کو پسند اور بعض کو ناپسند قرار دیتی ہے۔ یہ انسان کے افعال و اعمال کی کسوٹی ہے۔ چنانچہ مہذّب انسانوں کی اکثریت جن کاموں کو اچھا سمجھتی ہے' انھیں نیکیاں کہا جاتا ہے۔ جن کاموں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے' انھیں برائیاں کہتے ہیں۔ جھوٹ' حرص' منافقت' حسد' بغض' چغل خوری' تکبر اور چوری کو کبھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔ اس کے مقابلے میں سچائی' امن' محبت' صبر' سخاوت' ہمدردی اور شائستگی کی ہمیشہ قدر کی گئی ہے۔ چنانچہ دنیا بھر کے مذاہب اور معاشرتی نظاموں میں نیکی اور بدی کو جانی پہچانی حقیقتوں کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی سبب سے اسلام میں نیکی کو معروف اور بدی کو منکر کہا جاتا ہے۔ یعنی نیکی ایسی خوبی ہے جس سے سب لوگ آگاہ ہیں اور بدی وہ چیز ہے جسے فطرتِ انسانی رد کر دیتی ہے۔ قرآنِ حکیم نے انسانی نفسیات کے اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے ــــ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا (والشمس: ۸) یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑائی اور بھلائی میں تمیز کرنے کا خداداد شعور عطا کر رکھا ہے۔

دینِ اسلام کا بنیادی مقصد چونکہ اصلاحِ باطن ہے' اس لیے وہ چاہتا ہے کہ آدمی کا دل ہر قسم کے اخلاقی بگاڑ سے محفوظ رہے اور اس کا کردار مستحکم ہو۔ یوں تو دل کی بہت سی بیماریاں ہیں لیکن ان میں بُغض و حسد نہایت خطرناک ہیں۔ بُغض کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی زیادتی کا بدلہ لینے کی طاقت نہ رکھے تو اپنے دل میں غصے' نفرت اور دشمنی کو پال کر بدلہ لینے اور اور تکلیف دینے کی تدبیریں کرے۔ بُغض کو کینہ

Marfat.com

بھی کہا جاتا ہے۔ قدرت نے یہ جذبہ اس لیے عطا کیا ہے کہ آدمی اپنے دشمن سے محفوظ رہ سکے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں بے بس ہو جاتا ہے اور ہر وقت انتقام کی آگ میں گھرا رہتا ہے جس کے شعلے اس کے حواس کو جلا دیتے ہیں اور اس کا دھواں دل و دماغ پر چھاکر انھیں تعمیری کاموں سے روک دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جذبات کی رَو میں بہتا چلا جاتا ہے اور سیلاب کی طرح اخلاقی حدوں کو توڑ دیتا ہے۔

اس طوفانی صورت حال میں توازن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ؐ کے اس قولِ مبارک کو پیش نظر رکھا جائے ـــــ اللہ کے نافرمان بندوں سے بغض جائز ہے مگر یہ ان کی ذات سے نہیں، بلکہ اس شیطانی روش کے باعث ہو کہ وہ اللہ سے سرکشی اور بندوں پر زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں اہلِ ایمان کی تعریف یوں کی گئی ہے ـــــ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ ـــــ وہ محبت بھی کرتے ہیں تو اللہ کے لیے اور بغض و عداوت کا رویّہ بھی اپناتے ہیں تو اللہ ہی کے لیے۔ حضور ؐ نے بغض کے منفی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ زیادتی کرنے والے شخص کا قصور معاف کرکے اس سے میل ملاقات شروع کر دی جائے۔ اس کا مثبت اثر یہ ہوگا کہ دلوں کا کھچاؤ کم ہوتے ہوتے ختم ہو جائے گا۔

دل کی ایک خطرناک بیماری حسد بھی ہے۔ اس کی بنیاد غصہ ہے۔ غصے سے بغض یا کینہ اور کینے سے حسد جنم لیتا ہے۔ جب کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ کسی دوسرے شخص کا مالی، علمی یا معاشرتی مقام چھن جائے تو اسے حسد کہا جاتا ہے۔ حسد کا جذبہ کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں کیونکہ یہ ایک ایسی آرزو ہے جس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ بس آدمی اسی غم میں گھلتا رہتا ہے کہ دوسرے کی اچھی حالت باقی نہ رہے۔ وہ اس طرزِ فکر سے دراصل یہ ظاہر کرتا ہے کہ اولاد، دولت، صحت، شہرت اور خوبصورتی جیسی نعمتیں دوسرے کو کیوں دی گئی ہیں۔ گویا وہ کائنات کے خالق و رازق کی تقسیمِ انعامات سے اختلاف کرتا ہے۔ حالانکہ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے ـــــ

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے

حسد کا دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ حسد کرنے والا دن رات خواہ مخواہ کڑھتا اور پریشان ہوتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ ہر اعتبار سے سراسر گھاٹے کا سودا اور گناہِ بے لذت ہے

Marfat.com

کیونکہ کسی کا زوال چاہنے اور اسے نقصان پہنچانے کے منصوبے بنانے سے اس کا تو کچھ نہیں بگڑتا' حاسد خود ہی نفرت وعداوت کے انگاروں پر لوٹتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ کریمؐ نے ایسی حرکت کرنے والوں کو انتباہ کرتے ہوئے فرمایا ___ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَب ___ یعنی حسد سے بچو' کیونکہ یہ نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو بھسم کر دیتی ہے۔

اسلام دراصل ایک ایسا نظام حیات قائم کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد نیک اعمال اور شائستہ اطوار پر ہو۔ اس نے فضائلِ اخلاق کا ایک جامع نصاب مقرر کیا ہے جس کی روح تمام حقوق العباد میں دوڑتی نظر آتی ہے۔ حقوق العباد کا مقصد یہ ہے کہ انسان دوسروں کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہے۔ مگر جو شخص اپنے دل میں محبت' قناعت' ایثار' صبر شکر کی بجائے حسد و بغض کا آتش کدہ جلائے رکھے' اسے بندگانِ خدا کا خیر خواہ اور انسان دوست نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ اس آگ سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار سے گہرا تعلق قائم کرے اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کے فیصلوں پر راضی رہے۔ یوں اسے اطمینانِ قلب نصیب ہوگا اور بغض و حسد کا کوئی جواز باقی نہیں رہے گا۔

Marfat.com

# ایک دوسرے سے اچھا بولو!

ہر ہوشمند انسان کی فطرت میں یہ وصف رکھ دیا گیا ہے کہ وہ حسن و جمال کو پسند کرتا ہے۔ میل کچیل اور آلائش اسے نہیں بھاتی۔ وہ ان وسائل کی تلاش میں رہتا ہے جو اس کے جسم اور لباس کو صاف ستھرا رکھنے میں مددگار بنیں۔ اس حوالے سے انسانوں کے رویے کئی طرح کے ہوتے ہیں ـــــ کچھ لوگ اپنی شخصیت کو بنانے سنوارنے پر توجہ دیتے ہیں مگر کم کم ـــــ بعض افراد روزانہ غسل کرتے' کپڑے بدلتے' خوشبو لگاتے اور زیب و زینت کو اپنی عادت بنا لیتے ہیں ـــــ ایسے حضرات بھی دکھائی دیتے ہیں جن کے مزاج میں ذوقِ جمال کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ وہ اس کے اظہار کے لیے طرح طرح کے پاپڑ بیلتے ہیں۔ باڈی بلڈنگ کے مراکز' سلمنگ سنٹرز اور بیوٹی پارلرز میں آمدورفت ان کا معمول ٹھہرتا ہے! ـــــ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ انسان اپنے وجود کے اندر موجود' روح کی صفائی اور پاکیزگی پر کوئی توجہ نہیں دیتا حالانکہ یہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے جبکہ ہم سجے سجائے جسم کو مٹی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ انسان روح اور جسم کا مرکّب ہے تو پھر لازم آتا ہے کہ ان دونوں کے بناؤ سنگھار پر برابر توجہ دی جائے اور ایسی عادتیں اپنائی جائیں جو اللہ اور اس کے رسولِ برحق کو پسند ہیں اور ان افعال سے دور رہا جائے جو برائی کے راستے پر گامزن کرتے ہیں۔

زندگی' اچھے برے رویّوں سے عبارت ہے۔ ان رویّوں کو اَخلاق کہا جاتا ہے۔ انسان کوئی بھی اَخلاقی رویہ اختیار کرے' اس کا سرچشمہ بہرحال دل ہوتا ہے۔ مگر صورتِ حال یہ ہے کہ دل اپنے اَخلاقی اوصاف کے اظہار کے لیے جسمانی اعضا سے کام لیتا ہے۔ یہ اعضا' انسان کو امانت کے طور پر سونپے گئے ہیں جن میں چھپی طاقتیں اس کے لیے اللہ کے خصوصی انعامات ہیں۔ ان طاقتوں کو اگر پروردگار کی ہدایت کے مطابق استعمال میں لایا

Marfat.com

جائے' تو انسان جسمانی' ذہنی اور روحانی اطمینان حاصل کرتا ہے لیکن ان کا غلط استعمال معاشرتی زندگی میں بگاڑ اور اللہ ربّ العزت کی ناخوشی کا باعث ہوتا ہے۔

جسم انسانی میں' زبان ایک اہم عضو کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دراصل' عقل کا مؤثر ترین ذریعۂ اظہار ہے۔ عقل جو کچھ محسوس کرتی ہے یا ذہن جو ارادہ کرتا ہے' زبان اسے عملی جامہ پہناتی ہے۔ تب ہم بولنے والے کی باطنی دنیا میں جھانکنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے شیخ سعدی کہتے ہیں ـــــ

تا مرد سخن نگفتہ باشد

عیب و ہنرش نہفتہ باشد

زبان بظاہر تو گوشت کا ایک چھوٹا سا لوتھڑا ہے' مگر یہی ہزاروں آفتیں کھڑی کرتا ہے۔ محسنِ انسانیت ؐ نے زبان کے استعمال میں سخت احتیاط برتنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ـــــ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ ـــــ انسان کی اسلامی خوبیوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ بے فائدہ باتیں نہ کرے۔ بے فائدہ اور نقصان دہ باتیں دراصل زبان کے غلط استعمال ہی سے سرزد ہوتی ہیں جن میں گالی گلوچ سرفہرست ہے۔ اسے کوئی بھی مہذّب آدمی پسند نہیں کرتا مگر بعض لوگ اسے تکیۂ کلام کے طور پر استعمال کرتے ہیں ـــــ چغل خوری بھی نہ صرف بے فائدہ عمل ہے بلکہ ایک گھٹیا حرکت بھی ہے۔ چغل خور شخص دوستوں کے اچھے تعلقات خراب کرنے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق نازیبا گفتگو کرنا بھی غلط حرکت ہے۔ اسے غیبت کہا جاتا ہے مگر اکثر لوگ اس عادتِ بد کا شکار ہیں۔ غیبت کے ذریعے تین مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں:

- اوّل یہ کہ دوسروں میں برائی موجود ہے' مجھ میں نہیں۔
- دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی کی بے عزتی کی جائے۔
- اور تیسرا مقصد محض گپ شپ لگانے کا شوق پورا کرنا ہوتا ہے۔

بعض لوگ گفتگو کے دوران میں دوسروں کا مذاق اڑانے اور ان کے کردار پر چھینٹے اڑانے لگتے ہیں۔ قرآنِ پاک نے اس رویّے کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے اعلان کیا ـــــ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ـــــ الحجرات

Marfat.com

(۴۹:۱۱) ایمان کی دولت والو! ایک دوسرے کا مذاق مت اڑاؤ۔ کیونکہ جو لوگ مذاق کا نشانہ بنیں، ممکن ہے وہ مذاق کرنے والوں سے بہتر ہوں۔ عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ ہو سکتا ہے' وہ ان سے بہتر ہوں۔ ایک دوسرے کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ تذلیل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھو!

اسلام نے جو انقلابی افراد تیار کیے' ان میں بنیادی طور پر دو خوبیاں پیدا کیں ___ ایک قولِ صالح' دوسری عملِ صالح ___ صحابۂ کرام نے ان اوصاف کا عملی نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ اسلامی انقلاب کا دھارا جب عرب کی سرزمین سے باہر نکلا تو بیرونی دنیا کے لوگ مسلمانوں کے انھی اوصاف سے سجے ہوئے کردار کو دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے چلے گئے۔ اس کردار کو اسلامی انقلاب کی روح قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی عنصر قولِ صالح ہے جسے تبلیغِ اسلام کی روحِ رواں قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوا ___ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ___ اسلام کی دعوت دو تو نہایت دانشمندی اور عمدہ ناصحانہ انداز سے دو۔ مباحثہ بھی کرو تو بہترین اور شائستہ طریقے سے۔

اس آیتِ کریمہ میں گفتگو کرنے کے شائستہ طریقے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں موقع و محل دیکھ کر بات کی جائے' وہاں گفتگو میں نرمی بھی اختیار کی جائے۔ اس سلسلے میں مزید ارشاد ہوا ___ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ___ لوگوں سے شستہ بات چیت کیا کرو۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون سے ہمکلام ہونے کا حکم دیتے ہوئے اللہ نے فرمایا ___ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا ___ فرعون کے پاس جاؤ' تو زبان میں شیرینی اور نرمی رکھ کر بات کرنا ___ چنانچہ گفتگو کا حسن یہ ہے کہ انسان شائستگی اور نرمی کو کسی بھی مرحلے پر ترک نہ کرے۔ اس سے بات میں وزن پیدا ہوتا ہے اور اسی طریقے سے دوسروں کے دل جیتے جا سکتے ہیں۔

حضورؐ نے خوش کلامی کو ایمان کا لازمہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ___ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ ___ جو شخص اللہ اور آخرت کی جوابدہی پر ایمان رکھتا ہے' اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا چپ رہے۔ حضورؐ کا یہ فرمان بڑی حکمتیں لیے ہوئے ہے۔ ایک دوسرے سے اچھا بولنا دراصل اپنے دل میں عملِ صالح کا بیج بونا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ ___ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں ___ "زبان کے گناہ

Marfat.com

لاتعداد ہیں‘ اسی لیے خاموشی میں نیکیاں بھی لاتعداد ہیں۔ بولنا‘ بظاہر تو اچھا لگتا ہے لیکن اس کے تلخ نتائج بھی زیادہ برے ہیں لہٰذا کیوں نہ خاموشی اختیار کی جائے“۔ رسول رحمتؐ کا ارشادِ گرامی ہے ___ طُوْبٰی لِمَنْ اَمْسَکَ الْفَضْلَ مِنْ لِّسَانِہٖ ___ وہ شخص کتنا خوش قسمت ہے جس کی زبان پر کوئی فضول بات آئے اور وہ اسے کہنے سے رک جائے۔

علماءِ اخلاقیات نے انسانی دل کو شیشے سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ شیشہ نہایت حسّاس اور نازک چیز ہے۔ جس طرح شیشے کا برتن ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے‘ اسی طرح دل بھی زبان کی ذرا سی لغزش سے ٹوٹ جاتا ہے۔ جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ معاشرے کو جنت کا نمونہ بنانا چاہیے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مخلوقِ خدا کے جذبات و احساسات کے قدر کی جائے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ نرم زبان استعمال کی جائے تاکہ دل سلامت رہیں اور ہر جگہ امن و سکون کی خوشبو پھیلے۔ میر انیس نے اس وصف کو زندگی کی بنیادی قدر قرار دیتے ہوئے کہا تھا ___

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیس! ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

زبان اللہ تعالیٰ کی ایک گراں قدر نعمت ہے جو محبت کے گیت سنانے‘ دلوں کو ملانے‘ جذبوں کو ظاہر کرنے اور اسرارِ قدرت کو عیاں کرنے کے لیے بخشی گئی ہے مگر یہی زبان ہے جس سے خوشگوار لفظوں کے پھول جھڑنے کی بجائے جب طنزوملامت کے پتھر برستے ہیں تو قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ نازیبا گفتگو کردار کو مسخ کر دیتی ہے‘ چغل خوری نفرتوں کے بیج بوتی ہے اور درشت کلامی سے انسان اپنا اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔ حضورؐ نے انسان کو بااعتبار بنانے کے لیے بار بار اچھی بات کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپؐ نے اس اعلیٰ خوبی کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ___ اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَہ ___ یعنی میٹھا بول بھی صدقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو شیطان سے چوکنّا رکھنے کے لیے اپنی جانب سے اس کے ساتھ دو نگران فرشتے مقرر فرما دیے ہیں اور یہ تنبیہ کر دی ہے ___ مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْد ___ انسان جو لفظ بھی منہ سے نکالتا ہے۔ اسے محفوظ رکھنے والے فرشتے اس کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایمان کا تقاضا ہے کہ زبان سے غیر اخلاقی موضوعات نہ چھیڑے جائیں۔ توہین آمیز کلمات سے پرہیز کیا جائے۔ دورانِ گفتگو بحث

Marfat.com

مباحثے سے گریز کیا جائے کہ یہ اکثر بدزبانی اور جھگڑے پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ تو عام اخلاقی ضابطے ہیں جو معاشرے میں انسانوں کا تعمیری کردار ظاہر کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کی سوچ کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ میں زبان سے جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں' اس کا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔ آخرت میں میری کتابِ زندگی کا یہ باب میری نگاہوں کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اس وقت میں اپنے حق میں کچھ بھی نہیں کہہ پاؤں گا۔ تبھی وہ اپنی زبان پر قابو پانے کا ہنر' اچھی بات کہنے کا سلیقہ اور معاشرتی زندگی کو پُرسکون بنانے کا قرینہ سیکھ سکتا ہے۔

انسان' کوئی جزیرہ نہیں ہے جو محض اپنی ذات تک محدود ہو۔ ہر انسان ایک برِاعظم کا حصہ ہے' ایک کُل کا جزو ہے۔ اگر سمندر مٹی کا ایک ڈھیلا بھی بہا کر لے جائے تو اسی مناسبت سے یورپ کم ہو جاتا ہے ـــــ بالکل ایسے ہی جیسے خشکی کا کوئی حصہ سمندر میں چلا جائے یا تمھارے دوست کی یا تمھاری ڈیوڑھی ڈوب جائے۔ ہر انسان کی موت سے مجھ میں کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے' اس لیے یہ معلوم کرنے کی کبھی کوشش نہ کرو کہ کون مرا ہے' یہ گھنٹی تمھارے لیے ہی بجتی ہے!

جان ڈن (John Donne)' سترھویں صدی کا صوفی

Marfat.com

# خوشی میں شکر، مصیبت میں صبر

اس دنیا میں جسے دارالعمل کہا جاتا ہے، خیر و شر کی قوتیں ہر گھڑی آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اگر خیر کامیاب ہو جائے تو انسانوں پر سعادتوں کے دروازے کھلتے ہیں اور رُوئے زمین پر سکون و اطمینان کا دور دورہ ہوتا ہے۔ شر کی فتح دراصل عالمِ انسانیت پر بد نصیبی کے دریچوں کا کھُلنا ہے جس کے نتیجے میں زندگی عذابوں کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ صورتِ حال اہلِ ایمان کے لیے قیامت سے کم نہیں ہوتی مگر ان کی امتیازی شان یہ ہوتی ہے کہ جہاں وہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطوں کے مطابق گزارتے جاتے ہیں، وہاں ان کے نفاذ کے لیے بھی سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ وہ بدی اور اس کے پرستاروں کی جانب سے پہنچنے والی تکلیفوں کو بلند حوصلگی سے برداشت کرتے چلے جاتے ہیں۔ یوں انھیں رنج و غم کا احساس تو ہوتا ہے مگر اس پر وہ روحانی مسرت غالب آجاتی ہے جو آخرت کی جزا سے پہلے اسی دنیا میں ان کی پریشانیوں کا مداوا بن جاتی ہے۔ اس روحانی مسرت کا شعور اس احساس سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کی جفاکشی سے ان کا پروردگار خوش ہے اور بدی کی طاقتوں سے پنجہ آزمائی پر وہ اپنے بندوں کی جدوجہد سے راضی ہے۔

اسلام نے ایک عظیم الشان اُخلاقی نظام کے ذریعے اپنے پیروکاروں کو وہ مرکز و محور مہیّا کیا ہے جس سے وابستہ ہو کر وہ سراپا خیر بن جاتے ہیں۔ مشکلات درپیش ہوں تو صبر سے کام لیتے ہیں اور خوشیاں نصیب ہوں تو اپنے مالک و رازق کا شکر ادا کرتے ہیں۔ صبر و شکر، دو ایسی اعلیٰ اخلاقی خوبیاں ہیں جن سے اہلِ ایمان کی شخصیت سنورتی ہے اور وہ باطنی ریاضتوں سے خارجی دنیا میں اپنا قابلِ قدر مقام متعین کرتے ہیں۔

صبر ایک وسیع المعانی لفظ ہے لیکن کم فہمی کی بنا پر اسے اکثر غلط مفہوم میں استعمال کیا

Marfat.com

جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں نوّے مقامات پر صبر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے عقائد و نظریات اور نصب العین پر ڈٹ جائے اور اپنے مقاصد میں حائل مشکلات کا جرأت وہمت سے مقابلہ کرے۔ مگر ہمارے ہاں صبر کا جو گمراہ کُن تصور رائج ہے' اس سے بے کسی اور بے چارگی مراد لی جاتی ہے۔ یعنی ظلم و زیادتی کو چپ چاپ سہ لیا جائے اور ناانصافی کے سامنے مجبور بن کر عمر گزار دی جائے۔ صبر کا ایک مفہوم رک جانا یا روک لینا اور جم جانا بھی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وجودِ انسانی کو دو قوتوں سے نوازا گیا ہے۔ ایک قوت اسے اچھے کاموں پر آمادہ کرتی ہے اور دوسری بد اعمالی پر اکساتی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں' انسان اگر پہلی قوت کو دوسری قوت پر غالب کر دے تو اسے صبر کہا جاتا ہے یعنی خواہشات کو غلط کاموں سے روکے رکھنا اور اپنی صلاحیتوں کو استقامت کے ساتھ اچھے کاموں میں لگائے رکھنا۔

اب رہا یہ سوال کہ مصیبت میں صبر کیسے کیا جائے؟ مصیبت دراصل اس ناگوار صورتِ حال کا نام ہے جس سے انسان دوچار ہوتا ہے خواہ اس کا تعلق جسمانی و ذہنی بیماریوں سے ہو یا جانی مالی نقصان سے۔ ان کیفیات میں انسان کا کوئی نہ کوئی ردِّ عمل ضرور ہوتا ہے اور اختیاری یا غیر اختیاری حرکتیں سرزد ہوتی ہیں۔ غیر اختیاری ردِّ عمل یہ ہے کہ اسے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ یہ فطرتِ انسانی کا بے ساختہ پن ہے جس پر کسی کا بس نہیں چلتا لہٰذا اسلام نے اس کو موضوعِ بحث ہی نہیں بنایا۔ علامہ اقبال نے انسان کے اس فطری جذبے کو خوبصورت شعری روپ دیتے ہوئے کہا تھا ___

موجِ غم پر رقص کرتا ہے حبابِ زندگی
ہے "الم" کا سورہ بھی جزوِ کتابِ زندگی

اختیاری ردِّ عمل میں انسان چیخ پکار کرتا' آہیں بھرتا اور حرفِ شکایت زبان پر لاتا ہے۔ جذبات کی شدت ہو تو سینہ کوبی اور گریباں چاک کرنے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسلام نے ان حرکات سے منع کر دیا ہے کیونکہ ان سے رکنا انسان کے بس میں ہے۔ جو شخص خود پر قابو پا کر اپنی ہمتوں کو بروئے کار لاتا ہے' وہ مایوسی کا شکار ہونے سے بچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی امتحان گاہ میں صبر ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے اعجاز سے کامرانیوں کے باب کھلتے ہیں اور زندگی کی حقیقتیں آشکارا ہوتی ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ

Marfat.com

صبر تو سراسر روشنی ہے۔

○

زندگی کے مصائب و مسائل سے چھٹکارا پالینا انسان کے لیے خوشیوں اور راحتوں کا پیغام لاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی کرم فرمائی اور اس کی بخشی ہوئی بدنی اور دماغی صلاحیتوں کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ان انعامات کا اقرار کیا جائے۔ اسلام کی اصطلاح میں اس طرزِ عمل کو شکر کہا جاتا ہے۔ شکر کا معنی ہے بے نقاب کرنا' نمایاں کرنا یا ظاہر کرنا۔ اس کے مقابلے میں کفر کا لفظ آتا ہے جس کے معنی ڈھانپنے یا چھپانے کے ہیں۔ قرآنِ کریم میں واضح طور پر کہا گیا ہے ــــ وَاشْكُرُوالِي وَلَا تَكْفُرُوْن ــــ اللہ کی نعمتوں کو چھپاؤ نہیں بلکہ حاصل ہونے پر ان کا برملا اظہار کرو! اسی لیے کسی کے احسان کا اعتراف نہ کرنا "کفرانِ نعمت" کہلاتا ہے۔

اظہارِ شکر کئی طرح سے ہوتا ہے ــــ ایک یہ کہ محسن کی محبت و عقیدت پیدا ہو۔ اسے قلبی شکر کہا جاتا ہے ــــ شکر کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ محسن کی عطاکردہ نعمت کی تحسین زبان سے کی جائے۔ اسے قولی شکر کہتے ہیں ــــ شکر گزاری کا تیسرا انداز یہ ہے کہ نعمتوں کو محسن کی مرضی کے مطابق صرف کیا جائے۔ مثلاً اعضاءِ جسمانی کو قانونِ الٰہی کے ضابطوں کے مطابق استعمال میں لایا جائے۔ مال و دولت کو تعمیری کاموں میں خرچ کیا جائے اور اختیارات سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ عملی اور حقیقی شکر ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو زبان سے اظہارِ شکر کیے جانا محض رسمی وظیفہ ہوگا اور دل میں عشقِ الٰہی لیے پھرنا بے معنیٰ ہوگا۔

شکر' درحقیقت عالی ظرفی کا مظہر ہے۔ یہ متمدّن معاشرے کی تہذیبی قدر کا درجہ رکھتا ہے۔ "تھینک یو" (Thank You) اور "آپ کا شکریہ" جیسے الفاظ احسان شناسی ہی کا لفظی روپ ہیں۔ جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمایا ــــ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ ــــ جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا' وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا۔ اظہارِ شکر کرنے والے احسانمندی کا اعتراف کرکے جہاں اپنی کشادہ دلی کا ثبوت دیتے ہیں' وہاں شکریے کے مستحق ٹھہرنے والے مزید اچھے کاموں پر مائل ہوتے ہیں۔ یوں سب لوگ زندگی کو خوشگواریاں عطا کرکے اللہ اور انسانوں کی نظر میں سرخرو ٹھہرتے ہیں۔

Marfat.com

صبر و شکر ـــــ اسلامی اخلاقیات کے دو بنیادی عناصر ہیں۔ صبر کو دنیوی ترغیبات کے سامنے ایک زبردست بند کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی مدد سے اللہ کے بندے، دنیا کی تحریصات سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یوں استقامت، نظم و ضبط اور پاکبازی سے ان کی زندگی ایک مثالی مسلمان کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اظہارِ شکر کرنے والا اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ میری خوشیاں اور راحتیں کسی اور ذات کی بخشش ہیں لہٰذا قابلِ تعریف ہستی میں نہیں، کوئی اور ہے۔ احسان شناسی کے اس رویّے سے غرور و تکبر کے خاتمے میں مدد ملتی ہے اور احساسِ برتری کا خاتمہ ہوتا ہے ـــــ صبر و شکر کی مثال دو ایسے ستونوں سے دی جاسکتی ہے جن پر متوازن شخصیت کی عمارت استوار ہوتی ہے اور جب یہ توازن اجتماعی طور پر تمام افراد کی شخصیتوں میں رَچ بَس جائے تو ایسا ماحول ظہور میں آتا ہے جہاں واضح طور پر فلاحی معاشرے کی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور دینِ اسلام کو ایسا ہی معاشرہ مطلوب ہے۔

Marfat.com

# اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا!

اگر ہم مذاہبِ عالم کا گہرا مطالعہ کریں تو دینِ اسلام ان سب میں دو اعتبار سے ممتاز نظر آتا ہے ــــ وہ اپنے پیروکاروں سے ایک اللہ کی غیبی ہستی کا اقرار کراتا ہے جو انسان کے محدود حواس میں نہیں سما سکتی۔ اس کا مقصد اسے ایک ایسے وجدانی سفر پر روانہ کرنا ہے جس میں ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوچنے اور اس کو پہچاننے کی آرزو زندہ رہتی ہے ــــ اسلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات بالکل واضح اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اس میں مبہم نظریات اور ناقابلِ فہم عقائد کے گورکھ دھندے نہیں۔ وہ عقلِ انسانی کو زندہ قوّت تسلیم کرکے اس کے کردار کو بڑی اہمیت دیتا ہے تاکہ آدم زاد اللہ کی بے مثال تخلیقات پر غور و فکر کرکے ان کے اَسرار تک پہنچے اور ان کی اصلیت جان کر ان سے استفادہ کرے۔ وہ ہر مرحلے پر انسان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ وہ اپنے فکر و عمل کی روشنی میں قدرت کے ظاہر و پوشیدہ خزانوں تک رسائی حاصل کرے۔ مگر یہ ساری تگ و دو اللہ سے رابطہ رکھے بغیر نہیں کی جاسکتی کیونکہ تمام اسباب کے پس منظر میں اسی کی مشیّت کارفرما ہوتی ہے۔ اس تعلق کے بغیر انسان کی حیثیت اس ستارے جیسی ہوتی ہے جو نہ صرف محور سے کٹ گیا ہو بلکہ اپنے مدار سے بھی باہر نکل جائے۔

اسلام، انسان کو زندگی کے کسی مرحلے پر بھی حیران و پریشان ہونے کے لیے تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ اس کے سامنے زندگی کے تمام امکانی پہلو واضح کرتا ہے تاکہ وہ ہر لحاظ سے کامیاب ہو۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ انسان کے مزاج میں بیک وقت دو متضاد خصوصیات موجود ہیں جن کا مظاہرہ قدم قدم پر ہوتا ہے ــــ ایک خوف اور دوسری امید۔ ان دونوں کیفیات کا آغاز اس کی پیدائش ہی سے ہو جاتا ہے۔ بچہ، اندھیرے، تنہائی اور نامانوس

Marfat.com

چہروں سے ڈرتا ہے' مگر اجالوں' ہجولیوں اور رشتے داروں کی قربت اسے تحفظ کی امید دلاتی ہے۔ بڑا ہوتا ہے تو مسائلِ حیات کا خوف دامنگیر ہو جاتا ہے مگر وسائلِ زندگی اسے جینے کا ڈھنگ سکھاتے ہیں۔ وہ ضروریاتِ زندگی کے دستیاب نہ ہونے کے باعث تنگدستی سے ڈرتا ہے۔ اسے یہ ڈر بھی لاحق رہتا ہے کہ کوئی شخص یا چیز اسے نقصان نہ پہنچا دے۔ بسا اوقات وہ اپنے افعال و اعمال کے اَن دیکھے نتائج کے متعلق سوچ کر بے چین رہتا ہے مگر اسلام ہر حوالے سے انسان میں اعتماد پیدا کرتا ہے۔ اس کا منشا ہے کہ ہر قسم کا خوف دور کر کے انسان کے دل میں امیدوں کے چراغ جلائے جائیں تاکہ وہ اپنی جسمانی قوتوں اور ذہنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر سکے۔ وہ انسان کو خوش نیت بننے کی تلقین کرتا ہے تاکہ وہ اندیشہ ہائے دور و دراز سے بے پروا ہو جائے۔

دنیا میں "خیر" کے ساتھ "شر" کی قوتیں بھی موجود ہیں اس لیے اچھے لوگوں کو طرح طرح کے نقصان برداشت کرنے پڑتے ہیں مگر ان کے صبرو استقلال کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی جدوجہد میں پیش آنے والے نقصانات اور برے لوگوں کی جانب سے پہنچنے والے دکھوں کو نہ صرف خندہ پیشانی سے سہتے ہیں بلکہ اپنے دل و دماغ میں سکون و اطمینان کی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ کیفیت اس نفسیاتی تربیت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی بے کراں رحمت سے مایوس ہونا جانتے ہی نہیں۔ وہ قرآنِ مجید کے اس ارشاد کی عملی تصویر ہوتے ہیں ـــــ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: ۵۳) اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا! ـــــ یہ اللہ کی رحمت ہی تو ہے جو ناسازگار حالات میں اپنے بندوں کی ڈھارس بندھاتی ہے۔ اسی کے سہارے وہ ہر قسم کے تفکرات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ ان کے باطن میں یہ یقین گھر کر لیتا ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز میں اللہ کی رحمت ہی انسان کی مشکل کشا بنتی ہے اور اسی کی توفیق سے شکست' فتح میں بدل جاتی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی اسی ایمان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں ـــــ

کیا فائدہ' فکرِ بیش و کم سے ہو گا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو ہُوا' ہُوا کرم سے تیرے
جو ہو گا' تیرے کرم سے ہو گا

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ___ اِنَّ رَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ___ میری رحمت نے ہر چیز کو اپنے دامن میں لے رکھا ہے ___ یہ بے انت آسمانوں کی طرح ہر طرف چھائی ہوئی ہے جس میں اللہ کی صفات ___ رحمان، رحیم، کریم، غفور، حلیم وغیرہ مایوسیوں کی رات میں اجالے بکھیرتی ہیں جن سے انسانوں کی تقدیریں بدلتی ہیں۔ برے سے برے شخص پر بھی رحمتِ ایزدی کے دروازے بند نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کا اعلان کرتے ہوئے قرآن پاک کہتا ہے۔ اَمَّن یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ (النمل: ۶۲) ___ اللہ کے سوا اور کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے۔ کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور کون ہے جو تمھیں زمین پر اپنا نمائندہ بناتا ہے تاکہ تم اعتماد کے ساتھ مخلوقات پر اپنی برتری کا سکّہ جماسکو ___ ذات وصفات کی یہ برتری انھی افراد کے حصے میں آتی ہے جو اللہ کی رحمت سے فیضیاب ہوتے ہیں ___ رحمت اور محبت دراصل ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ جس طرح "محبت" جذبات کو نرمی اور گداز بخشتی ہے، اسی طرح "رحمت" نظامِ فکر و عمل کی اصلاح کرتی ہے۔ جس خوش قسمت انسان کو اللہ کی رحمت و محبت نصیب ہو جائے، اس کی کایا پلٹ جاتی ہے، رنج و غم، راحت و آرام میں بدل جاتے ہیں اور وہ بجا طور پر معاشرے میں باوقار تعمیری کردار ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

# ملّی اور قومی مفادات کا تحفّظ

آدمی کسی مقصد کو اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتا' جب تک اس کے تمام اعضا متحد ہو کر اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کریں' اسی طرح قومی ترقی اور فلاح و بہبود اس وقت تک ایک خیالِ خام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جب تک اس قوم کے تمام افراد کے جسم میں ایک ہی روح نہ دوڑ رہی ہو ــــ یہ اجتماعی روح کوئی ایسی شے نہیں جس کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو۔ یہ روح ہر اس گروہ' جماعت' قوم یا ملک کی رگوں میں دوڑنے لگتی ہے جس کے افراد کے سامنے کوئی مشترکہ نصب العین ہوتا ہے۔ وہ اپنی جداگانہ ذات کے باوجود اس نصب العین کی خاطر متحد الخیال ہو کر سوچتے ہیں۔ یوں ان میں ایسی ذہنی یک جہتی پیدا ہوتی ہے کہ وہ انفرادیت کے محدود دائرے سے نکل کر ملّی و قومی مفادات کے وسیع تناظر میں سوچتے اور ان کے تحفظ کے لیے متحرک ہو جاتے ہیں۔

ملّی و قومی مفادات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ملّت اور قوم کے فرق کو ذہن نشین کرلیا جائے ــــ عام طور پر ملّت اور قوم کو ہم معنیٰ تصور کیا جاتا ہے جو درست نہیں۔ ملّت' اسلامی عمرانیات کی خصوصی اصطلاح ہے۔ یہ اللہ کی وحدانیت کے اقرار' واحد صحیح آسمانی کتاب قرآنِ مجید کی تعلیمات اور پیغمبرِ برحق حضرت محمد ﷺ کے فرمودات کے آفاقی عناصر کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ عناصر' اہلِ اسلام کی شیرازہ بندی کرتے ہیں۔ انھی کے اعجاز سے وہ لازوال ربطِ باہمی نمو پاتا ہے جس سے توحید پرستوں کے فکر و عمل میں ہم آہنگی اور مساوات پیدا ہوتی ہے ــــ اس کے مقابلے میں دنیا بھر کی غیر مسلم اقوام رنگ و نسل' ثقافت' علاقائیت یا زبان کے حوالے سے اپنا تشخص اجاگر کرتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ذات پات اور طبقات کی الجھنوں میں گرفتار ہو کر اجتماعی شناخت سے محروم رہتی ہیں۔ علّامہ اقبال ملّت اور قوم کے اسی فرق کی وضاحت

Marfat.com

کرتے ہوئے کہتے ہیں ـــــ

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

رسولِ کریم حضرت محمد ﷺ کا قائم کردہ اسلامی معاشرہ ملت کے انقلابی جذبے کی نمود تھا۔ آپ ؐ کے وصالِ مبارک کے بعد صدیوں تک جہاں کہیں بھی اسلامی معاشرت کا تجربہ کیا گیا' اس میں یہی روح رواں تھی۔ پاکستان بھی اسی تصورِ ملت کی روشنی میں قائم ہوا۔ یہ ایک ایسے معاشرے کی تربیت گاہ کے طور پر ابھرا جہاں اسلامی خدو خال نمایاں ہوں۔ افراد کو فکری و عملی آزادی میسر ہو۔ ان میں خود اعتمادی اور خودداری کا احساس جنم لے۔ وہ اپنی تمدنی روایات اور تاریخی تسلسل سے آگاہ ہوں۔ یوں نظریاتی سطح پر جہاں وہ پُر اعتماد ہوں گے' وہاں ان کے رگ و پے میں ملی مفادات کی پاسبانی کا جذبہ بھی بیدار ہوگا۔ اسلامی ریاست میں چونکہ غیر مسلم اقوام بھی بستی ہیں' لہٰذا ان کے قومی مفادات یعنی بنیادی انسانی حقوق کی نگہداشت بھی ہوگی ـــــ ان ملی و قومی مفادات کی یکجائی سے وہ مثالی معاشرہ جنم لے گا جس کا منظرنامہ تاریخِ اسلام کے صفحات پر جابجا دکھائی دیتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان کی نظریاتی اساس اسلام ہے۔ یہ امریکہ' یورپ اور دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح نہیں جہاں ملک پہلے بنے' بعد میں کوئی مخصوص نقطۂ نگاہ اختیار کیا گیا پھر اس پر سیاسی' معاشی اور تمدنی استحکام و ترقی کی چھاپ لگا دی گئی اور بس! ـــــ مگر جنوبی ایشیا کی اس نظریاتی مملکت کا مطمحِ نظر محض مادی ترقی و خوشحالی نہیں بلکہ اخلاقی' روحانی اور اخروی منافع بھی ہیں۔ چنانچہ یہ طے ہے کہ یہاں اسلامی تہذیب و تمدن اور انسانیت کی اعلیٰ روایات کا احیاء کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اوّلین اقدام یہ ہے کہ یہاں کے باشندے اس نظریے کو عزیز ازجان قرار دیں جس کے لیے اس خطۂ پاک کو انسانیت دشمن قوتوں کے پنجے سے چھڑایا گیا تھا۔ ہر شخص یہ عہد کرلے کہ جان چلی جائے مگر وطنِ عزیز کی نظریاتی بنیادوں پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ سماج میں ہر طرف شرو فساد برپا ہے ـــــ قتل و غارت' چوری چکاری' فحاشی' جاہلانہ رسوم و رواج' قانون شکنی' فضول خرچی' جہیز طلبی' سٹّے بازی' غلامانہ ذہنیت اور نمودو نمائش نے معاشرتی نظام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا

Marfat.com

ہے۔ ایسے میں اس فکری تحریک کی ضرورت ہے جو ذرائعِ ابلاغ اور تبلیغی وسائل کے ذریعے مذہبی اقدار کا شعور پیدا کرے۔ تعلیم و تربیت کے وسیلے سے ذہنی تطہیر کی ہمہ جہتی مہم چلائی جائے تاکہ ہر شخص باور کرلے کہ یہ سماجی برائیاں ملک و ملّت کے لیے تباہ کن ہیں۔ تبھی ایسی فضا پیدا ہوگی کہ لوگ ان کا قلع قمع کرنے کے لیے میدانِ عمل میں نکلیں گے۔

اقتصادی خوشحالی ابھی تک آدم زادوں کا ادھورا خواب ہے۔ یہ ایسا مشترکہ ملّی و قومی مفاد ہے جس کے لیے ہر شخص کو اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لانی چاہئیں۔ طلباء و طالبات سائنسی علوم و فنون حاصل کریں۔ صنعتکار' کسان اور ہنرمند افراد بے بہا قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ کریں۔ وہ اپنے جذبۂ تخلیق و ایجاد سے تعمیر کے بیج بوئیں اور عظمت کی فصل کاٹیں۔ وہ معاشی اعتبار سے نہ صرف خود کفیل ہوں بلکہ غریب مسلم ممالک کو بھی امداد فراہم کریں۔ اگر ہم زرعی و صنعتی لحاظ سے پیش رفت کریں' تبھی ملک و ملّت کو استحکام نصیب ہو سکتا ہے اور ہم ترقی یافتہ قوموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ارتقاء کا سفر طے کر سکتے ہیں۔

سیاسی اعتبار سے ایک ایسا عادلانہ نظام قائم ہونا چاہیے جو مخلوقِ خدا کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کی ضمانت دے۔ مہنگائی اور رشوت ستانی کا خاتمہ ہو۔ حکّام اپنے اندر خدا ترسی' خدمتِ خلق اور غیرت و حمیّت کی صفات پیدا کریں۔ عادلانہ نظام میں منافقت' مخاصمت اور استحصال کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں چونکہ ہر فرد کے ساتھ انصاف ہوتا ہے اس لیے عوام کو پُرسکون زندگی گزارنے کی بشارت ملتی ہے۔ یوں ان کے دلوں میں ملک و ملّت سے محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

دفاعِ وطن' قومی ضرورت بھی ہے اور مذہبی فریضہ بھی۔ مادرِ وطن اپنے فرزندوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اسے دفاعی اعتبار سے اتنا مضبوط بنادیں کہ نہ صرف بیرونی حریف اسے میلی آنکھ سے دیکھنا اپنی ہلاکت جانیں بلکہ صوبائی اور لسانی تعصبات کے مارے ہوئے اندرونی دشمن بھی اس کی ناموس کی طرف ہاتھ نہ بڑھا سکیں۔ اس نیک مقصد کی خاطر لازم ہے کہ سب لوگ جذبۂ جہاد سے سرشار ہوں۔ عسکری تربیت حاصل کریں اور وقت پڑنے پر ملک و ملّت کے بدخواہوں کا استیصال کر ڈالیں۔

ذاتی مفادات اور خود غرضیوں نے آج عالمی روگ کی شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ کرۂ

Marfat.com

ارض جو کبھی دینِ اسلام کی تعلیمات سے مہک مہک اٹھا تھا' آج تعصبات اور نفرتوں کی آماجگاہ ہے۔ انسان ــــ انسان دوستی اور مسلمان ــــ سلامت روی کا پیغام بھول چکے ہیں۔ ایسے میں لمحۂ فکر یہ ہے کہ ہم ملکی سرحدوں کا تحفظ کریں۔ ملّی و قومی مفادات کو ہر حال میں مقدّم رکھیں۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم دوسری قوموں کے ساتھ نفرت وعناد کی روش اپنالیں' بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا بھر کے انسانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں اور ان کے ساتھ رحم و کرم اور محبت و شفقت کا سلوک کریں کہ وہ بھی آدم زاد ہونے کے ناتے سے ہماری انسانی برادری میں شامل ہیں۔

جس طرح طریقت کے سلاسل ہیں ــــ چشتی' قادری' نقشبندی' سہروردی وغیرہ اور ہر سلسلے کا کوئی بانی ہے' اسی طرح قائدِاعظم سے ایک نئی طریقت کا آغاز ہوتا ہے اور وہ ہے "پاکستانی" - اس طریقت میں تمام سلاسل اور تمام فرقے شامل ہیں۔ ہر پاکستانی' پاکستان سے محبت کو ایمان کا حصہ سمجھتا ہے۔ ہمارے لیے ہمارا وطن' خاکِ حرم سے کم نہیں۔ اقبال نے مسلمانوں کو وحدتِ افکار عطا کی اور قائدِاعظم نے وحدتِ کردار!

**واصف علی واصف: قطرہ قطرہ قلزم**

Marfat.com

# رواداری اور وسعتِ نظر

یہ ۶۳۷ عیسوی کا ذکر ہے۔ شہرِ مقدس یروشلم کی سرسبز و شاداب وادیوں میں خوشگوار دھوپ چمک رہی تھی۔ عوام اپنے اپنے گھروں کی منڈیروں پر کھڑے تھے۔ پر امن گلی کوچوں میں لشکرِ اسلام کے چند دستے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا وِرد کرتے پھر رہے تھے۔ ایسی میں وقت کی آنکھوں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ مفتوح شہر کے پاپائے اعظم سُوف رَونیَس، عالمِ اسلام کے خلیفۂ ثانی حضرت عمرِ فاروقؓ کے پہلو بہ پہلو اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے اور کلیسائے اَحبائے ربّانی کے پاکیزہ ماحول میں صلح و امن کے حوالے سے یہ دستاویز قلمبند کی گئی ـــــ "اللہ کا بندۂ عاجز اور مومنوں کا سپہ سالار ـــــ عمرؓ اہلِ یروشلم کو اَمان دیتا ہے۔ بیمار اور تندرست سب کو جان و مال، عبادت گاہوں، صلیبوں (اور جو کچھ ان کے مذہب سے متعلق ہے) کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ ان کے گرجے نہ رہائشی مکانوں میں تبدیل کیے جائیں گے، نہ پامال کیے جائیں گے۔ انھیں کسی طرح گھٹایا نہیں جائے گا۔ ان کی اَملاک کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔ مذہب کے معاملے میں ان پر کسی قسم کی سختی نہیں کی جائے گی اور انھیں کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچایا جائے گا۔"

اس معاہدے کا ایک ایک لفظ اسلامی سیاست و معاشرت کی ان لازوال قدروں کی تفسیر بیان کرتا ہے جو اولادِ آدم کو باوقار زندگی گزارنے کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ ان قدرں میں رواداری اور وسعتِ نظر سرِفہرست ہیں ـــــ رواداری کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر قوم کے افراد یا دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ ویسا ہی طرزِ عمل اپنانا جیسا اپنی قوم اور اپنے مذہب والوں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے۔ دینِ اسلام اپنے پیروکارں کی تربیت ایسے عادلانہ اور مہذب خطوط پر کرتا ہے کہ وہ اغیار کے مقابلے میں ان اپنوں کی حمایت نہ کریں جو غلط کاریوں اور ظلم و زیادتی کو وتیرہ بنالیں۔ رواداری کا

Marfat.com

متضاد لفظ "تعصّب" ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم قوم یا ہم مذہب کے ناجائز موقف کی طرف داری کرتے ہوئے غیر کی مخالفت محض اس سبب سے کی جائے کہ وہ مختلف مسلک یا گروہ سے تعلق رکھتا ہے ___ وسعتِ نظر سے مراد یہ ہے کہ ہم ذہنی کشادگی کے مالک ہوں۔ دوسروں کی اچھی باتوں کو اچھا کہیں اور انھیں اختلافِ رائے کا حق دیں۔ وسعتِ نظر کے مقابلے میں "تنگ نظری" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس سے کم ظرفی، خود پسندی اور نفرت و عناد جیسی قبیح عادات جنم لیتی ہیں۔

اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب آئے، ان میں رواداری اور وسعتِ نظر کا کہیں تصوّر نہیں ملتا۔ یہودی اور عیسائی ایک ہی قوم (بنی اسرائیل) سے تعلق رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو گم کردہ راہ کہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سارے مذاہبِ عالم کی توہین کرتے ہیں۔ ان کے ماننے والوں کی تذلیل کرتے ہیں اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں۔ ہندومت میں اپنے ہم مذہبوں کے لیے بھی رواداری اور وسعتِ نظر نام کی کوئی شے سرے سے موجود نہیں۔ وہ چار مختلف ذاتوں میں تقسیم ہیں۔ برہمن خود کو برتر سمجھتے ہیں۔ وہ شُودروں کو نچلی ذات اور اَچھوت کہ کر ان سے سخت نفرت کرتے اور انھیں طرح طرح سے تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ مگر اسلام تمام الہامی مذاہب کو مانتا ہے، سب آسمانی صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے، سارے رسولوں کو برحق تسلیم کرتا ہے اور ان کے ماننے والوں کو جینے کا مساوی حق دیتا ہے۔

پیغمبرِ آخر الزمان حضرت محمد ﷺ اور ان کے شیدائیوں نے انسان دشمن قوتوں کے خلاف اَن گنت جنگیں لڑیں لیکن ایسے شواہد موجود ہیں کہ سینکڑوں معرکے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر سرانجام پائے۔ مگر ان مہمات کے مقابلے میں حیرت انگیز وہ حسنِ سلوک ہے جو انھوں نے مختلف ملکوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد روا رکھا۔ مفتوحین سے فراخدلی اور انسان دوستی کے رویے کی بنیاد رحمتہ للعالمینؐ نے رکھی تھی۔ فتحِ مکّہ کے موقع پر قریش کے متکبّر و سرکش سردار آپؐ کے سامنے کھڑے تھے۔ انھوں نے برسوں تک آپؐ اور آپؐ کے جاں نثاروں پر ایذاؤں کا سلسلہ دراز رکھا تھا۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا ___ "آج تم مجھ سے کیسے سلوک کی امید رکھتے ہو؟" ___ انھوں نے بیک زبان کہا! ___ "مہربان بھائی سے رحم و کرم ہی کی توقع کی جاسکتی ہے!" ___ نبیِ کریمؐ نے فرمایا ___ "ایسا ہی ہوگا، جاؤ، آج تم سب آزاد ہو!"

Marfat.com

رسول اللہ ؐ نے غیر مسلم قبائلِ عرب اور یہود نصاریٰ کو اسلامی ریاست کے معزز شہری تسلیم کیا۔ خیبر کی یہودی اور نجران کی مسیحی آبادیوں کی جانیں' جائدادیں اور عبادت گاہیں محفوظ رہیں۔ یہ صالح روایت صدیوں تک مسلم معاشرے کا امتیازی نشان بنی رہی۔ صلیبی جنگوں کے فاتح سلطان صلاح الدین ایوبی کے رحمدلانہ کردار نے مسیحی دنیا کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ اندلس کی اُموی اور ترکی کی عثمانی سلطنت میں مسیحیوں سے نرم روی کی اعلیٰ نظیریں ملتی ہیں۔ اہلِ زمانہ نے پانچ صدیوں تک دیکھا ہے کہ ہسپانیہ سے ہندوستان تک یورپ' ایشیا اور افریقہ کی لاکھوں ایکڑ آراضی کے مالک مسلمانوں نے ان علاقوں کے باشندوں کی جان و مال کا تحفظ کیا اور انھیں اپنے اعتقادات پر کاربند رہنے کی اجازتِ عام بخشی۔

اسلامی معاشرے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جہاں کہیں بھی تشکیل پاتا ہے' اس کی فضاؤں میں رواداری اور وسعتِ نظر کی خوشبو پھیل جاتی ہے۔ یہاں اگرچہ مسلم اکثریت موجود ہوتی ہے مگر دین و مذہب کے معاملے میں اقلیتوں پر کوئی جبر روا نہیں رکھا جاتا۔ انھیں اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے کی آزادی دی جاتی ہے۔ اسلامی شریعت میں غیر مسلموں کے مذہبی جذبات و احساسات کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے دیوتاؤں اور معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسلام نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ مذہب و ملّت کی تفریق کیے بغیر سب کے ساتھ عدل و انصاف کرو! ___ مگر یہ حسنِ معاملت محض غیر مسلموں تک محدود نہیں بلکہ ملّتِ اسلامیہ کے ہر فرد کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں' ان میں ایک قدرِ مشترک موجود رہتی ہے اور وہ ہے ایمان جس کے تین بنیادی عقائد ___ توحید' رسالت اور آخرت پر سب کا اتفاق ہے۔ یہی نہیں بلکہ سب کے نزدیک نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی حیثیت محبوب رہنما کی ہے۔ اسلامی اخلاقیات دراصل آپ ؐ کی سیرت ہی کی متنوع ادائیں ہیں۔ چنانچہ کسی نے اس ادا کو جسم و جاں میں بسا لیا تو کوئی اس ادا پر فدا ہوگیا۔ حضور ؐ کی سب ادائیں سب کی آنکھوں کا نور اور دلوں کا سرور ہیں۔ اس اتحادِ فکری و معنوی کا تقاضا ہے کہ وہ اخوت' رواداری اور وسعتِ نظر کو اپنا کر عشقِ رسول کا عملی ثبوت پیش کریں۔

رواداری اور وسعتِ نظر عطیاتِ الٰہی ہیں۔ یہ اوصاف انھی سعادت مندوں کو ارزانی ہوتے ہیں جو اپنے دل و دماغ کو کشادہ رکھتے ہیں۔ ایسے خوش بختوں پر کشف کے

Marfat.com

در کھلتے ہیں۔ پہلی اقوام تنگ نظر تھیں اس لیے وہ حکمت و دانش کی برکات سے محروم رہیں۔ انھوں نے کتب خانوں کو جلا دیا۔ محققین اور سائنسدانوں کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا اور کائنات پر غور و فکر کرنے کو گناہ قرار دیا۔ مگر اسلام نے عقل و شعور سے کام لینے' اسرارِ کائنات کی تہ تک پہنچنے او موجودات سے استفادہ کرنے کو تخلیقِ انسان کا مقصد ٹھہرایا۔ یوں اسے تنگ نظری کے اندھیروں سے وسیع النظری کی روشنیوں میں لا کھڑا کیا۔

اسلام اپنے مخصوص نظامِ حیات کے وسیلے سے افراد کی ایسی اخلاقی تربیت کرتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے کے قریب آئیں اور ایک ایسی عالمی برادری ظہور میں آئے جو وحدتِ انسانی کے خواب کو تعبیر آشنا کرسکے۔ اس عظیم الشان مقصد کے لیے وہ ہر انسان کی سلیم الفطرتی کو آواز دیتا ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ تمام آدم زاد ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں لہٰذا انھیں ایک دوسرے پر کوئی پیدائشی فوقیت حاصل نہیں۔ خاندان' ذاتیں اور قومیں تو صرف باہمی تعارف کے لیے ہیں' فخر و غرور کا باعث نہیں۔ چنانچہ اگر دنیا کو جنت نظیر بنانا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کشادہ دل اور وسیع النظر ہوں۔ مزاج و خیال کے اختلاف کو برداشت کریں۔ یوں ایک ہی خاندان کے افراد کی طرح ارتقائے انسانی کا سفر خوشگوار بنادیں۔

یہی مقصودِ فطرت ہے' یہی رمزِ مسلمانی
اخوّت کی جہانگیری' محبّت کی فراوانی

Marfat.com

# اجتماعی خیر کی طرف پیش قدمی

اسلام، اس مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے جسے کائنات کے خالق و مالک، اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے تشکیل دیا ہے۔ جو شخص یا قوم اس آفاقی ضابطے کو اپنی زندگی کا مطلوب و مقصود قرار دے دے، اس کے فکرو عمل کے تمام پہلو قانونِ الٰہی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ قانونِ الٰہی سے مراد ایسا فطری توازن و تناسب ہے جس سے اولادِ آدم کی قوتیں اور صلاحیتیں مرتّب و منظّم ہو کر مثبت اور تعمیری سانچے میں ڈھل جاتی ہیں۔ تب وہ معجزنما کام ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں، جو مادی، روحانی، ذہنی، اقتصادی، سیاسی، معاشرتی، علمی اور عملی ہر لحاظ سے پاکیزہ معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔ دینِ اسلام کی اصطلاح میں اس پاکیزہ، مثبت اور تعمیری انداز فکرو عمل کو "خیر" کہا جاتا ہے۔ اس کا متضاد رویّہ "شر" کہلاتا ہے۔ چونکہ انسانی وجود ایک امکانی قوت کا مظہر ہے اس لیے اس سے خیرو شر دونوں کا سرزد ہونا ممکن ہے۔ جب انسان اپنی خداداد طاقتوں کو اعلیٰ تہذیبی قدروں کے تحفظ و استحکام کی خاطر آزماتا ہے تو یہ خیر کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں مگر جب انھیں پست مفادات اور تخریبی اغراض کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ شر کا روپ دھار لیتی ہیں۔ یوں ہر تمدنی ادارے میں انتشار برپا ہو جاتا ہے۔

قرآنِ مجید میں "خیر" کو متنوّع مفاہیم میں استعمال کیا گیا ہے۔ کبھی دانش و حکمت کو خیر کہا گیا ـــــ مَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرۃ ۲: ۲۶۹) جسے دانش و حکمت عطا ہوئی، اسے تو بہت بڑی بھلائی نصیب ہوئی۔ کہیں "خیر" کو بلند مقامی کا مترادف ٹھہرایا گیا ـــــ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران ۳: ۲۶) اے ربُّ العزت، آپ جسے چاہیں، غلبہ عطا کرتے ہیں اور جسے چاہیں، پست کر دیتے ہیں ـــــ سب عظمتیں اور رفعتیں آپ ہی کے اختیار میں ہیں ـــــ پاکیزہ اور حلال مال کو بھی خیر کے

Marfat.com

زمرے میں شامل کیا گیا ہے ـــــ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا لْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ ۲: ۱۸۰) جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ اس نے کچھ مال بھی چھوڑا ہو تو والدین اور قرابت داروں کے لیے معقول طور پر کچھ حصہ مقرر کردے ـــــ خیر کا لفظ' شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں بالعموم احکامِ الٰہی یا نیک اعمال کا ہم معنیٰ ہے۔ اس میں خیر کے باقی تمام مفاہیم بھی جھلکتے ہیں۔ یہی حیاتِ اجتماعی کی بقا اور کامرانی کی کلید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ـــــ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران ۳: ۱۰۴) تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے' بھلے کاموں کا نفاذ کرے اور بد اعمالیوں سے روکے۔ اس اسلوبِ زندگی کو ایمان کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا ـــــ مومن ہونے کی آرزو کرتے رہنے اور مومنوں جیسا حلیہ بنالینے سے ایمان پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ ایمان وہ پختہ عقیدہ ہے جو انسان کے دل میں جاگزیں ہو اور اس کے عمل سے اس کی تصدیق ہو۔

"عمل سے تصدیق" کے دو پہلو ہیں ـــــ ایک یہ کہ اپنی ذات کو اسلامی احکام کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان احکام کو معاشرے میں نافذ کرنے کی جدوجہد کی جائے۔ یہ طرزِ عمل اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک دل میں انفرادی و اجتماعی خیرخواہی کا جذبہ موجزن نہ ہو۔ ایک سچے مسلمان کے ظاہر و باطن میں یہ جذبہ بیک وقت نمودار ہوتا ہے اور دل و دماغ کی قوتوں کو بیدار کر کے ان میں روحِ عمل پھونکتا ہے۔ یہ ایسا بیج ہے جس سے ایمان کی کونپل پھوٹتی ہے اور اسلام کے نظامِ حیات کا ہرا بھرا درخت لہلہاتا ہے۔ جس طرح بیج' تنے' شاخوں' پھلوں اور پھولوں کا فطری ربط لازم ہے ـــــ بیج کو پھوٹ کر تنا بننا چاہیے' تنے سے شاخیں نکلنی چاہئیں' شاخوں کو پتوں' پھولوں اور پھلوں کا لباس پہننا چاہیے ـــــ اسی طرح دل میں محض جذبہ خیر یا نیک نیتی کا پیدا ہونا کافی نہیں بلکہ فطرت کے تمام مظاہر کی طرح اسے اہلِ دنیا کے سامنے نمایاں ہونا چاہیے! اس کی مثال کسی مشین کے کل پرزوں کے اندر چھپی ہوئی طاقت جیسی ہے۔ جب تک پرزے حرکت نہیں کرتے' اس وقت تک یہ پوشیدہ قوت بے معنیٰ ہوتی ہے' اسی طرح خیر کا جذبہ جب تک عملی شکل اختیار نہیں کرتا' محض تجوری میں بند سرمایہ ہے جس کی ذاتی قدر و قیمت تو ہے مگر اس کا حاصل حصول کچھ بھی نہیں۔

Marfat.com

اخلاقیات کے علماء کہتے ہیں کہ انسان کی کوئی خوبی اس وقت تک خوبی شمار نہیں ہوتی جب تک اس سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچے۔ سورج کی عظمت یہ نہیں کہ وہ روشنی اور حرارت کا منبع ہے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی اور حرارت سے دنیا کو فائدہ پہنچاتا ہے' اسی طرح خیر کی قوت کوئی ایسا چراغ نہیں جو تارکُ الدنیا صوفیوں اور سادھوؤں کی طرح صرف ان کی داخلی دنیا کو روشن رکھتا ہے' بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اسے خارجی دنیا میں بروئے کار لایا جائے۔ مومن جہاں اپنی ذات کو نیکی اور شائستگی کے قالب میں ڈھالتا ہے' وہاں اپنے عقائد و نظریات کو عملی شکل دینے کے لیے بھی بے قرار رہتا ہے۔ وہ اس انقلاب کے لیے جدوجہد کرتا ہے جس کے نتیجے میں اولادِ آدم اسلام کے آفاقی نظام کو اپنا مطمحِ نظر قرار دے اور ہر فرد کے ہونٹوں سے ہر گھڑی یہ صدا بلند ہوتی رہے ـــــ

خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے!

قرآنِ حکیم جذبہ خیر سے سرشار لوگوں کی قابل قدر شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے ـــــ "ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جنھوں نے ایسا معاشرہ پیدا کرلیا جس میں ہر فرد' دوسروں کو گرنے سے بچانے اور نشوونما کا سامان بہم پہنچانے کی تلقین کرتا ہے۔" وعظ و تلقین' ایک صالح مثالی ماحول پیدا کرنے کی جدوجہد کا ابتدائیہ ہوتا ہے۔ قرآنِ ذی شان اہلِ ایمان کی امتیازی شان نمایاں کرتے ہوئے کہتا ہے ـــــ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ـــــ تم ایک بہترین امت ہو جسے نوعِ بشر کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ تمھاری ذمے داری یہ ہے کہ تم بھلے کاموں کی ترغیب دیتے ہو اور برے اعمال سے روکتے ہو ـــــ دنیا کے تمام مذاہب کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ پہلی قومیں محض چند عقائد و اعمال پر کاربند رہیں مگر امتِ محمدیہ پر ایک اضافی فریضہ یہ عائد ہوا ہے کہ وہ پورے عالمِ انسانیت کو اسلام کے ابدی حقائق سے روشناس کرائے کیونکہ اب کسی نبی کی تشریف آوری ممکن نہیں۔ اب اس امت کے ایک ایک فرد کو اپنی زبان و عمل سے اسلام کے عقائد و نظریات اور احکام و فرامین کو اہلِ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے مگر اس دل نشین اسلوب میں کہ ایک تو اسلام کی حقانیت آشکار ہو' دوسرے فرسودہ مذہبی' سیاسی' معاشرتی اور

Marfat.com

معاشی نظاموں کا بودا پن واضح ہو۔ یہ اندازِ فکر و عمل اگر تحریکی صورت میں بدل جائے تو اجتماعی خیر کی طرف پیش قدمی کا آغاز ہو جاتا ہے اور اللہ کی زمین پر نیکی کے سوتے پھوٹ بہتے ہیں۔

اسلام کسی ایسے نظریے کا نام نہیں جس پر مذہبی داستانوں یا قدیم روایات کی چھاپ لگی ہو بلکہ یہ تو آدم زادوں کی تعمیرو تہذیب کا وسیع تر انقلابی پروگرام ہے۔ یہ کردار میں مکمل تبدیلی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس نے اعلیٰ اخلاقی و دینی قدروں کو حیاتِ اجتماعی کی سرحدوں تک پھیلا دیا ہے۔ یہ خانگی یا معاشرتی ہی نہیں بلکہ عالمی اصلاح کا داعی ہے تاکہ زمین کے چپّے چپّے پر وہ بنیادی تبدیلیاں رونما ہوں جو خلقِ خدا کی جسمانی' ذہنی اور روحانی فلاح کی ضامن ہوں۔ لوگ ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹیں۔ ایک دوسرے کے بگڑے کام سنواریں۔ ایک دوسرے کی بہتری میں اپنا دماغ اپنا مال اور اپنا وقت صَرف کریں۔ یوں خیر خواہی کی قدریں پروان چڑھیں۔ قرآنِ کریم سب انسانوں کو بلا تمیز مذہب و ملت اس کی ترغیب دیتے ہوئے کہتا ہے ___ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الحج: ۷۷) نیک عملی اختیار کرو تاکہ تمھیں مراد مل سکے ___ جو لوگ خیر خواہی کے اس منشور کو عملی روپ دیں' قرآنِ مجید ان کے اس کردار کو "دعوت الی الخیر" کہتا ہے۔ جس معاشرے میں بھلائی کی دعوت دی جاتی رہے' وہاں ایک خاص قسم کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جس کے تمام افراد ایک دوسرے کی بہتری چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے دست و بازو بنتے ہیں۔ یوں رحم و کرم کی سرمدی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور یورپی دانشور ٹرائن کے بقول ہر شخص کا نصب العین یہ ٹھہرتا ہے۔

___ Give The world the best you have and the best will come back to you.

دنیا کو بہترین چیز دو' جواباً تمھیں بھی بہترین چیز ملے گی ___ اسلام یہی معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے جہاں خیر کے جذبے پھولوں کی مانند مہکیں اور زندگی امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔

Marfat.com

- ☆ خوش نصیب انسان وہ ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہے۔
- ☆ غافل کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب بند ہونے لگتی ہے۔
- ☆ سوچنے والوں کی دنیا' دنیا والوں کی سوچ سے الگ سے ہوتی ہے۔
- ☆ ہم دلیل کی طاقت استعمال کرتے ہیں اور اگر یہ طاقت کام نہ کرے تو طاقت کی دلیل استعمال کرتے ہیں۔
- ☆ ترقی خوبصورت اثاثوں کا نام نہیں بلکہ خوبصورت احساس کا نام ہے' خوبصورت دل کا نام ہے ___ مکان ترقی یافتہ نہیں ہوتے' مکین ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔
- ☆ کشتی کے مسافروں کو صرف و نحو کی ضرورت نہیں' انہیں تیرنا بھی آنا چاہئے۔
- ☆ میں یہ دعا نہیں کرتا کہ دشمن مرجائیں' میں کہتا ہوں کہ دوست زندہ ہو جائیں۔
- ☆ انسان کی ملکیت اس کی مالک ہو گئی ہے۔
- ☆ آرزو حاصل سے بڑھ جائے تو انسان غریب' حاصل آرزو سے بڑھ جائے تو انسان امیر۔
- ☆ انسان کو جو پسند ہے' حاصل کرلے یا پھر جو حاصل ہے' اسے پسند کرلے تو سکون مل جاتا ہے۔
- ☆ آپ نے اپنی ذاتی کائنات میں جتنا اللہ کا حصہ رکھا ہے' اتنا ہی اللہ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔

واصف علی واصف

Marfat.com

# استفادہ

## قرآنِ مجید


۱۔ ترجمہ قرآنِ مجید — سید ابوالاعلیٰ مودودی
۲۔ تفسیر ابنِ کثیر — عماد الدین ابنِ کثیر
۳۔ تفسیر بیضاوی — قاضی بیضاوی
۴۔ لغات القرآن — غلام احمد پرویز
۵۔ مطالعۂ قرآن — مولانا محمد حنیف ندوی
۶۔ مَعالم القرآن — محمد علی الصدیقی کاندھلوی


## حدیث


۱۔ صحیح البخاری
۲۔ صحیح مسلم
۳۔ مشکوٰۃ المصابیح


## سیرتِ رسولؐ


۱۔ الرّحیق المختوم (اردو ایڈیشن) — صفی الرحمٰن مبارک پوری
۲۔ پیغمبرِ اعظم و آخر — ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
۳۔ رحمۃ للعالمینؐ — قاضی سلمان منصور پوری
۴۔ رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ انقلاب — سید اسعد گیلانی
۵۔ رسولِ رحمتؐ — ابوالکلام آزاد / غلام رسول مہر
۶۔ سیاسی وثیقہ جات — ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۷۔ سیرتِ ابن ہشام (مصر ایڈیشن)
۸۔ سیرت النبیؐ — شبلی نعمانی ○ سید سلیمان ندوی
۹۔ محسنِ انسانیتؐ — نعیم صدیقی


Marfat.com

| | |
|---|---|
| ۱۰۔ نقوش (رسول نمبر) | محمد طفیل (مرتّب) |

## فقہ

| | |
|---|---|
| المبسوط | امام سرخسیؒ |

## تصوّف

| | |
|---|---|
| ۱۔ تذکرۂ اولیائے پاک و ہند | ڈاکٹر ظہور الحسن شارب |
| ۲۔ تذکرۂ حضرت سخی سرورؒ | پروفیسر حامد علی حامد |
| ۳۔ تصوّف اور تربیت | پروفیسر محمد لطیف اللہ |
| ۴۔ سفینۃ الاولیاء | فارسی: شہزادہ داراشکوہ<br>اردو: محمد علی لطفی |
| ۵۔ مَن کی دنیا | غلام جیلانی برق |
| ۶۔ یارانِ طریقت | میاں مشتاق احمد عظیمی |

## متفرّقات

| | |
|---|---|
| ۱۔ ارمان اور حقیقت | انگریزی: ڈاکٹر عبدالسلام<br>اردو: شہزاد احمد |
| ۲۔ اسلام اور جدید سائنس | مولانا محمد شہاب الدین ندوی |
| ۳۔ اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات | سید ابوالاعلیٰ مودودی |
| ۴۔ اسلامی نظریہ کی خصوصیات اور اصول | عربی: سید قطب/اردو: سید شبیر احمد |
| ۵۔ اِقبال کی عقلیت، پس منظر اور محرّکات (سیارہ ۳۲) | سیف اللہ خالد |
| ۶۔ اکابرینِ تحریکِ پاکستان | محمد علی چراغ |
| ۷۔ الجہاد فی الاسلام | سید ابوالاعلیٰ مودودی |
| ۸۔ الفاروق | شبلی نعمانی |

Marfat.com

| | |
|---|---|
| ۹۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام | سید قاسم محمود |
| ۱۰۔ انوارِ عثمانی ○ تجلیاتِ عثمانی | انوارالحسن شیر کوٹی |
| ۱۱۔ بزمِ اشرف کے چراغ | پروفیسر احمد سعید |
| ۱۲۔ تاریخ جمہوریت | شاہد حسین رزاقی |
| ۱۳۔ ترجمان القرآن (منصب رسالت نمبر) ستمبر ۱۹۶۱ء | سید ابوالاعلیٰ مودودی |
| ۱۴۔ تجلیات | حافظ عبدالرزاق ایم اے |
| ۱۵۔ حقیقتِ حج | سید ابوالاعلیٰ مودودی |
| ۱۶۔ حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو | عربی: دکتور عبدالرحمٰن رافت الباشا<br>اردو: محمود احمد غضنفر |
| ۱۷۔ خلافت و ملوکیّت | سید ابوالاعلیٰ مودودی |
| ۱۸۔ دل دریا سمندر | واصف علی واصف |
| ۱۹۔ روحِ اسلام | انگریزی: سید امیر علی<br>اردو: محمد ہادی حسین |
| ۲۰۔ علاّمہ اقبال اور قائداعظم کے سیاسی نظریات | محمد حنیف شاہد |
| ۲۱۔ قائدِاعظم کا مذہب و عقیدہ | منشی عبدالرحمٰن خان |
| ۲۲۔ قرآن اور سائنس | سید قطب شہید |
| ۲۳۔ کتابِ فلاح | پروفیسر منظور علی شیخ |
| ۲۴۔ ماہِ صیام | پروفیسر محمد ایوب شاہق |
| ۲۵۔ محفلِ انبیاء | محمد جمیل احمد |
| ۲۶۔ مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے | نور احمد |
| ۲۷۔ مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے | جاوید اقبال |
| ۲۸۔ معرُوضات | سجّاد باقر رضوی |
| ۲۹۔ مقدّمۂ ابن خلدون | |
| ۳۰۔ میزانِ ادب | سیف اللہ خالد / خالق تنویر |
| ۳۱۔ یوتھ افیئرز (ماہنامہ: مئی ۱۹۹۷ء) | قیصر صغیر / کرامت علی قادری |


Marfat.com

## شاعری

۱۔ اکبر، اِس دور میں — اختر انصاری اکبر آبادی
۲۔ دیوان شمس تبریزی — مطبوعہ تہران
۳۔ کلیاتِ اقبال (اردو) — علامہ اقبال
۴۔ مدّوجزرِ اسلام (مسدس) — الطاف حسین حالی
۵۔ نسخہ ہائے وفا — فیض احمد فیض
۶۔ نگارستان — ظفر علی خاں

## ENGLISH

(1) Human the unknown---- Dr. Alaxix Karl
(2) The 100 ---- A Ranking of the Most Influential Persons in History----Michael H. Hart
(3) The Reconstruction of Religious Thought in Islam---- Dr. Sir Muhammad Iqbal
(4) The Story of Civilization---- Will Durant

Marfat.com

# پاکستان میں

# اردو ادب کے پچاس سال

پروفیسر سیف اللہ خالد کی یہ تصنیف گذشتہ پچاس برس کے پاکستانی ادب کی تاریخ و تنقید ہے ـــــ اس حوالے سے انہوں نے ایک مشاق اور خودنگر محقق کی حیثیت سے ان تمام ادبی رجحانات پر سیر حاصل اور فکر انگیز گفتگو کی ہے جن کی کوکھ سے پاکستانی ادب کے رنگا رنگ مسائل نے جنم لیا ـــــ وہ موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں جنہوں نے ادبی افق پر نت نئی تشکیلات کی کہکشاں سجائی ہے ـــــ ادبی تحریکوں، گروہ بندیوں، ہنگامی اور مفاداتی نعروں اور اصطلاحوں کی مختصر جھلکیاں بھی اس کتاب کے اوراق پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

پروفیسر سیف اللہ خالد کے توانا جمالیاتی اسلوب میں وہ تخلیقی بانکپن موجود ہے جو کسی بالغ نظر محقق اور نقاد کا خاصہ کہلاتا ہے۔ موصوف نے تعصب اور جذباتیت کو بالائے طاق رکھ کر تخلیق کاروں کا بے لاگ محاکمہ کیا اور کھرا کھوٹا الگ کر دکھایا ہے۔

- اس کتاب کا ہر عنوان ایک سوال ہے اور غور و فکر، تجزیے اور چھان بین کا متقاضی۔
- یہ کتاب پاکستانی ادب کا شفاف آئینہ ہے جو فن پارہ بھی ہے اور تاریخی دستاویز بھی۔
- طلباء اور ادب دوستوں کے لیے گراں بہا تحفہ۔
- محققین کے لیے کتاب حوالہ۔

ہر بکسٹال پر دستیاب۔

خوبصورت دیدہ زیب طباعت

خوشنما گٹ اپ

قیمت ۱۰۰/- روپے

شفیق پبلیکیشنز شفیق بک سنٹر

چوک گڑھی شاہو، لاہور۔۳۹۔ فون ۶۳۰۴۷۶۱۰


Marfat.com

## شفیق پبلیکیشنز — ہر بک شیلف کی زینت • ہر لائبریری کی ضرورت

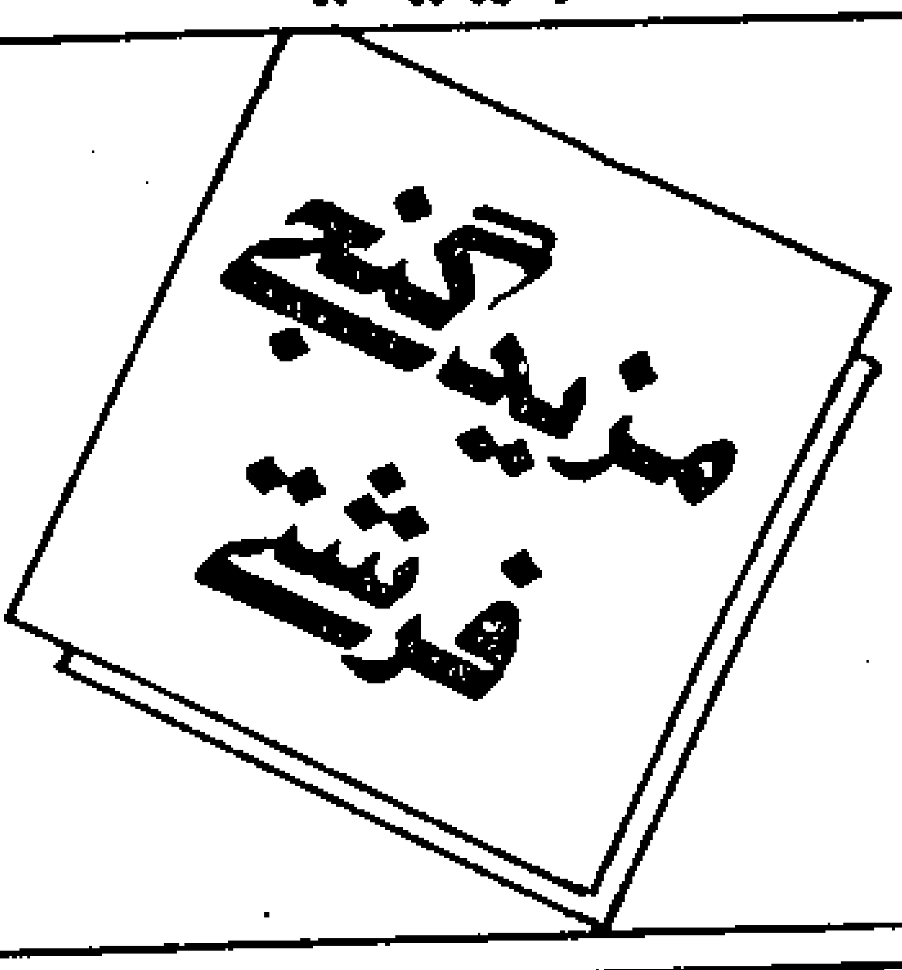


کالم نگاری اور سفرنامے میں صاحبِ اسلوب ادیب اور شاعر
**عطاء الحق قاسمی کی تصنیف**

نابغہ روزگار ہستیوں، معروف تاریخی شخصیات کے دلچسپ اور یادگار خاکے
ذاتی تعلق، گہرے مشاہدے اور محبت وعقیدت کے جذبے،
گنگناتے لفظوں اور شگفتہ جملوں میں لکھے گئے
ٹائٹل، طباعت، جلد اور کاغذ - خوبصورت معیاری اور بہترین
قریبی بک سٹور سے یا براہ راست طلب کریں

قیمت 180.00 روپے

محسنِ انسانیت نبی پاک سے محبت ہمارا ایمان ہے جو ایمان بنانے اور
بڑھانے کو زبیر احمد نے مرتب کیا۔
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر۔ نامور شعرائے کرام کے گلہائے عقیدت،
رقت آمیز گنجینہ کلام عشقِ مصطفوی، لذتِ ایمانی، روحانی آسودگی اور سکونِ
قلب حاصل کرنے کے لیے مطالعہ کیجئے۔
سرورق رنگین، مضبوط جلد، عمدہ گرد پوش
بہترین کاغذ، معیاری طباعت،

ہدیہ صرف 90.00 روپے

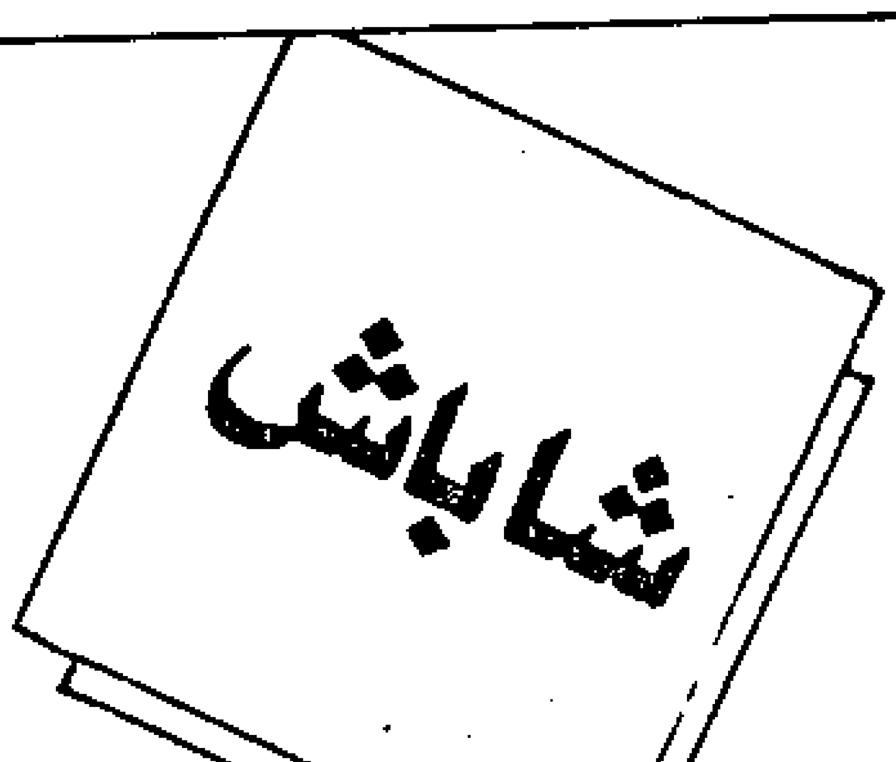


سیاسی پراگندگی اور دہشت وانتشار کے ماحول میں صحت مند اور
شگفتہ موسم کی نوید **تنویر حسین** کی اچھوتی تحریر
لفظ لفظ لطف آمیز، سطر سطر قہقہہ بار بے ساختہ چٹکلے جملے، ہنستے ہنستے۔
مسکراتے مسکراتے۔
عصرِ حاضر کے نمائندہ ادیب حضرات کا خراجِ تحسین حاصل کرنے اور پہلے ایڈیشن
سے ریکارڈ مقبولیت پانے والی "شاباش"
خوبصورت ٹائٹل، کاغذ وطباعت سب معیاری

قیمت 125.00 روپے

## شفیق پبلیکیشنز
چوک گڑھی شاہو۔ لاہور - 39
فون 042-6304761

**شفیق پبلیکیشنز**
اور معاصر اداروں کی مطبوعات، نصابی کتب
**شفیق بک سنٹر**
چوک گڑھی شاہو
لاہور۔
ہر بک سٹال پر دستیاب

PYRAMEDIA


Marfat.com

شفیق پبلیکیشنز — ہر بک شیلف کی زینت • ہر لائبریری کی ضرورت

# احمد ندیم قاسمی کے شگفتہ کالم

ادب کی نابغہ عصر شخصیت احمد ندیم قاسمی کے ہزاروں کالموں کا خوبصورت انتخاب۔ فکاہیہ کالم نگاری پر مبنی ایک ایسی کتاب جس کے مطالعے سے قاری پاکستانی سیاست، ادب، روزمرہ مسائل اور سماجی رویوں سے روشناس ہوجاتا ہے۔ خوبصورت کٹیلے جملے، رواں دواں نثر برجستہ لطائف — پہلی بار اخباری صفحات سے کتاب کے اوراق پر —

ماضی کی امانت، حال کے دامن میں

# اصنافِ ادبِ اردو

ناول، افسانہ، ڈرامہ، مضمون، کالم، نظم، آزاد نظم، قصیدہ، مثنوی اور اس کے علاوہ اردو ادب میں رائج اصطلاحات کی تعریف، تفصیل اور تاریخ پر مشتمل یہ کتاب ادب و فن کے شائقین سے لے کر طلبہ، اساتذہ پی سی۔ ایس اور سی۔ ایس۔ ایس کے امیدواروں کے لیے یکساں مفید۔ پروفیسر تنویر حسین کی ریاضتوں کا حاصل۔

شفیق پبلی کیشنز، شفیق بک سنٹر، چوک گڑھی شاہو لاہور۔ فون: 6304761

Marfat.com

شفیق پبلیکیشنز ـــــ ہر بک شیلف کی زینت • ہر لائبریری کی ضرورت

# لاف وزنی

گدگدیوں، شوخیوں، لطافتوں، مسکراہٹوں اور قہقہوں سے عبارت تنویر حسین کی طبعی شگفتگی کا شاہکار جس میں انہوں نے الفاظ کو زندہ دلی اور شادابی سے مالا مال کیا ہے۔ یہ مزاح وقتی نہیں بلکہ وقت کی حدوں سے آگے پھلانگتا ہوا استقلال اور دوام کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے۔

خوش ذوق لوگوں کے لیے توشۂ خاص

خوبصورت ٹائیٹل، عمدہ کاغذ، معیاری طباعت۔

# مزاج بخیر

طنز و مزاح کی ایک ایسی کتاب جو آپ کو تھکا دینے والی کیفیت سے نکال کر ہنسنے ہنسانے کی طرف مائل کر دے، مزاج بخیر کی شگفتہ چٹکیوں سے کسی کو ہنسنا یاد آجائے تو یہ خسارے کا سودا نہیں

تیسرا ایڈیشن کڑی نظرثانی کے ساتھ، جس سے آپ مزاح کے تازہ تر ذائقے سے آشنا ہوں گے۔

خوبصورت ٹائیٹل، عمدہ کاغذ، معیاری طباعت۔

شفیق پبلیکیشنز، شفیق بک سنٹر۔ چوک گڑھی شاہو لاہور۔ فون: 6304761

Marfat.com

Marfat.com